

۲۱ / ۲

معارف

پیام شاہجہانپوری

اشاعت منزل • بل روڈ • لاہور

۲۹۲۶۹۹۲۱

ح ۵۱ مٹا

۷۲۹۹

مجموعہ حقوق بحق ناشران محفوظ ہیں

_____ ملک دین محمد ایڈیشنر اشاعت منزل بل روڈ لاہور

_____ ملک محمد عارف

_____ دین محمد ری ایس لاہور

_____ ۱۰۰۰

_____ چھ روپے

تیسرا ایڈیشن (مئی ۱۹۶۵ء)



ناشران

طابع

مطبوعہ

تعداد طبع

قیمت

تعارف

(حضرت مولانا غلام رسول قہر)

حضرت امام حسینؑ تاریخ اسلام ہی نہیں بلکہ تاریخ انسانیت کی عظیم المرتبت شخصیت ہیں جنکی غوں چکان مظلومیت سوا تیرہ سو سال سے کروڑوں انسانوں کی اشک باری اور ماتم گساری کا مرجع بنی ہوئی ہے ان کی شہادت کے جائزہ سامنے ایسے پر جو اسواب تک بہائے گئے اگر انہیں جمع کیا جائے تو یقیناً انسانی اشکوں کا ایک عظیم سمندر موجزن ہو جائے گا ان پر کتابوں مثنویوں اور نوحوں کی شکل میں جو کچھ لکھا گیا وہ بھی اپنے حجم اور دردا نگیزی میں بالکل یگانہ حسیت کا مالک ہے تاہم امام مہرح کی شخصیت پر اچھی اور متوازن کتاب کی ضرورت ابھی باقی تھی۔

میرے عزیز دوست جناب پیام شاہجہاں پوری نے "مقام حسینؑ کے نام سے ایک نئی کتاب مرتب فرمائی تو میں نے اسے شوق سے پڑھا اور اس سلسلے میں اپنے تصورات بھی ان کے سامنے پیش کئے جو سال یا سال کے تاریخی مطالعے اور شہادت امام کے احوال و ظروف پر غور و فکر کا نتیجہ تھے لیکن ظاہر ہے کہ نہ کوئی شخص قطعیت سے اپنے پیش کردہ تصورات کی صحت و درستی کا دعویٰ کر سکتا ہے اور نہ یہ امید رکھ سکتا ہے کہ اختلافی معاملات میں بیان کا جو

اسلوب طریق اسکے نزدیک قرین احتیاط ہے برصفت بہر حال اسی پر عمل پیرا ہو گا۔
متنازعہ فیہ مسائل کے خارجہ اسے دامن بچاتے ہوئے حق و صداقت کو منتشر عام پر
لانا سہل نہیں۔ ایسے معاملات میں قدم قدم پر افراط و تفریط کا اندیشہ لائق رہتا ہے
یہی وہ مقام ہے جس کے متعلق عرفی نے کہا تھا کہ ع

آہستہ کہو، بروم تیج است قدم را

جناب پیام نے پیش نظر کتاب میں امام حسین علیہ السلام کے سوانح و سیرت
کے متعلق صحیح معلومات فراہم کرنے اور انہیں اعتدال و توسط سے صفحہ قرطاس پر پھیلانے
میں کوئی دقیقہ سعی فرود گذشت نہیں کیا تاہم بعض نقطہ نگاہ سے کہا جاسکتا ہے کہ
اس ضخامت کی کتاب میں امام موصوف کے متعلق صحیح معلومات کا ایسا ذخیرہ شاید ہی
مل سکے۔ پھر جناب مصنف نے امام ہمام کی سیرت کو ایسے انداز میں پیش کرنے کا اہتمام
کیا ہے جسے عام اصطلاح میں اصلاحی انداز کہہ سکتے ہیں یعنی فضائل و محاسن کو محض فضائل
و محاسن کی صورت میں پیش کرنے پر اکتفا نہ کرنا بلکہ انہیں ہر قاری کے دل میں اتارنے
اور جزو حیات بنانے کے لئے کوشاں رہنا۔

کتاب کی زبان سادہ سلیس طریق بیان سلجھا ہوا اور جاذب ہے، اسکے تمام نتائج یا
ہر حصے کے اسلوب ادا سے سوتی صدا اتفاق ضروری نہیں تاہم امید ہے کہ یہ کتاب
امام حسین علیہ السلام کی سیرت مقدسہ کے ذخیرے میں قابل قدر اضافہ سمجھی جائے گی

مسلم ٹاؤن لاہور
۱۳ دسمبر ۱۹۵۵ء

مہر

پیش لفظ

میں نے اس کتاب کے پہلے ایڈیشن میں عرض کیا تھا کہ اس کی ابتدا دراصل اس طرحت ہوئی کہ روزنامہ "امروز" لاہور کے سابق مدیر اعلیٰ اور میرے دیرینہ کرم فرماہندہ احمد ندیم قاسمی نے امروز کے محرم ایڈیشن کے لئے مجھ سے ایک مقالہ لکھنے کی فرمائش کی۔ عرصے سے میری آرزو تھی کہ سیدنا حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے موقف پر جنس مستعذب یا ناواقف لوگوں کی طرف سے جو اعتراضات کئے جاتے ہیں ان کا مدلل جواب لکھوں۔ ندیم صاحب کی اس فرمائش نے ہمیز کا کام دیا اور میں مقالہ لکھنے میں منہمک ہو گیا لیکن جب میں نے اس موضوع پر مواد فراہم کیا تو مجھے احساس ہوا کہ یہ مضمون ایک اخبار کے چند ہالوں میں نہیں سما سکتا اس کے لئے تو ایک کتاب کا رواج ہوگی۔ چنانچہ میں نے اسے کتابی صورت دے دی جب میں کام ختم کر چکا اور اپنے بعض دوستوں سے اس کا ذکر کیا تو انہوں نے مشورہ دیا کہ کیوں نہ اس کے ساتھ حضرت امام حسینؑ کی سیرت و سوانح اور واقعہ شہادت بھی شامل کر دو تاکہ پڑھنے والوں کے سامنے حضرت امامؑ کی زندگی کی ایک تصویر آجائے۔ اپنے دوستوں کا یہ مشورہ قبول کرتے ہوئے میں نے حضرت امامؑ کی زندگی کے یہ پہلو بھی کتاب میں شامل کر دیئے لیکن ظاہر ہے

کہ اس وقت سیرت و سوانح اور واقعات شہادت کا تذکرہ ضمنی طور پر کیا گیا تھا اس لئے
 ان میں اختصار سے کام لینا پڑا تھا جب کتاب شائع ہوئی تو قارئین نے اسے پسندیدگی
 کی نگاہ سے دیکھا لیکن اس امر کی شکایت کی کہ اس میں حضرت امام حسینؑ کی سیرت و
 سوانح اور واقعات شہادت سے متعلق مواد کم ہے۔ اپنے قارئین کی آراء کا احترام کرتے
 ہوئے میں نے فیصلہ کر لیا کہ اس کے دوسرے ایڈیشن میں اس کمی کو پورا کر دوں گا۔
 چنانچہ پہلا ایڈیشن ختم ہو جانے کے بعد میں نے مکرم ملک محمد عارف خان صاحب (شہر)
 سے گزارش کی کہ اس کے دوسرے ایڈیشن کی طباعت فی الحال روک دی جائے میں
 ان کا ممنون ہوں کہ انہوں نے میری درخواست قبول فرمائی۔ اس کے بعد میں مزید تلاش و
 تحقیق میں مصروف ہو گیا اور تین سال تک اس وادی خوارزم میں سرگرداں رہنے کے بعد
 جو کچھ ملا وہ قارئین کرام کے سامنے پیش کرنے کی سعادت حاصل کر رہا ہوں۔
 میں نے اس کتاب میں جو کچھ لکھا ہے فرقہ وارانہ نقطہ نگاہ سے بالاتر ہو کر لکھا ہے اور
 براہِ خد سے استفادہ کیا ہے لیکن اس امر کی پوری احتیاط کی ہے کہ کوئی غلط روایت شامل کتاب
 نہ ہونے پائے جو مواد اس کے پہلے ایڈیشن میں پیش کیا گیا تھا وہ دوسرے ایڈیشن میں بھی
 برقرار رکھا گیا ہے صرف ایک یا دو جگہوں پر معمولی سی کمی کر دی گئی ہے البتہ ترتیب میں
 خاصی تبدیلی کرنی پڑی ہے۔ اور واقعہ کربلا کا پس منظر، یزید بن معاویہؑ، اہل عراق کی دعوت
 اور واقعہ کربلا کا ردِ عمل کے عنوان سے کئی ابواب کا اضافہ کر دیا گیا ہے۔ "سوانح و سیرت"
 میں بھی بہت سے اضافے کئے گئے ہیں۔ اسی دوران میں کراچی سے ایک دل آزار کتاب

مخلاف معاویہ و یزید کے نام سے شائع ہو گئی جس میں سیدنا حضرت علیؓ اور سیدنا
 حضرت امام حسینؓ کی زندگی کے واقعات اور ان حضرات کے موقف کو گمراہ کن
 طریقے سے پیش کیا گیا تھا چنانچہ اس کتاب میں اس دل آزار کتاب کا جواب بھی
 "اُمارت معاویہ و یزید" کے نام سے شامل کر دیا گیا ہے۔ اس لحاظ سے اگر دیکھا جائے
 تو بہت حد تک یہ نئی کتاب ہو گئی ہے اور اس کا مطالعہ ان لوگوں کے لئے بھی بہت
 مفید ہو گا جو اس کا پہلا ایڈیشن پڑھ چکے ہیں۔

آخر میں میں اپنے بزرگ محترم حضرت مولانا غلام رسول قہر کا خاص طور پر ممنون ہوں
 کہ جب میں نے اس کتاب کے پہلے ایڈیشن کا مسودہ ان کی خدمت میں پیش کیا تو
 موصوف نے "تعارف" لکھنے کے علاوہ مجھے نہایت مفید مشورے بھی دیئے یا انصافی
 ہو گی اگر میں اپنے محترم شیخ محمد اسماعیل صاحب پانی پتی اور مکرم غلام حسن صاحب
 کسری منہاس کا شکریہ ادا نہ کروں جنہوں نے اپنی ذاتی لائبریری سے مجھے بعض قیمتی
 کتابیں عنایت فرمائیں۔ پنجاب پبلک لائبریری کے شعبہ مشرقیات کے انچارج جناب
 سردار مسیح صاحب گل کی مجھ پر خاص عنایت رہی بلکہ یہ کہنا غلط نہ ہو گا کہ انہوں نے
 ساری لائبریری کو میرے DISPOSAL پر چھوڑ دیا میں ان کا بھی بے حد ممنون ہوں

پیام شاہ جہانپوری

لاہور ۷ مارچ ۱۹۶۶ء



”کون ہے جو حضرت حسینؑ کی حق اور صداقت کو مانگ کر نئے والی اس قرطانی کی تعریف کئے بغیر رہ سکے گا؟ دوسروں کے لئے جیسے کلام اصول اور کمزوروں اور دکھیادوں کی امداد کو اچھا مقصد حیات بنانے کی بے نظیر مثال امام حسینؑ کی بے لوث شخصیت سے بیاور دین کہیں اور نہیں مل سکتی جنہوں نے اپنی نیرائے محبوبہ میں عز و فوں اور صاف خیوں کی جان کی بازی لگا دی لیکن ایک ظالم اور طاقتور بادشاہ کے سامنے سر جھکا کر سے انکار کر دیا کہ حق اور صداقت کی بے بہا خوبیوں کی حفاظت اور دوسروں کی بھلائی کے لئے امام حسینؑ نے آج سے تیرہ سو برس پہلے اپنی جان دی تھی لیکن پھر بھی اُن کی لافانی بیوقوفی آج بھی دنیا میں لاتعداد دلوں پر چھائی کر رہی ہے۔“

سجاد جٹامس

(امام حسینؑ نے پورٹ)



فہرست مضامین

نمبر شمار	عنوانات	نمبر صفحہ	نمبر شمار	عنوانات	نمبر صفحہ
۱	بشارت ولادت	۱۰	۷	خلفائے راشدین کے عہد میں	۲۰
۲	ولادت حسینؑ	۱۲	۸	عہد معاویہؓ میں	۲۶
۳	پرورش	۱۳	۹	اخلاق و عادات	۲۸
۴	تعلیم و تربیت	۱۳	۱۰	منکسر المزاجی	۲۹
۵	رسول اللہ کی نظر میں	۱۵	۱۱	غلاموں اور کنیزوں سے سلوک	۳۰
۶	رسول اللہ کی شفقت	۱۷	۱۲	جود و سخا	۳۲
			۱۳	مقررہ اصول اور مجبوریوں کی اعانت	۳۵
			۱۴	سفائی قلب	۳۷
			۱۵	عبادت و ریاضت	۳۸

نمبر شمار	عنوانات	نمبر صفحہ	نمبر شمار	عنوانات	نمبر صفحہ
۱۶	علم و فضل	۴۰	۲۹	ابو جہل کی ایک تقریر	۸۰
۱۷	تعلیمات و ارشادات	۴۴	۳۰	بنو امیہ کی مخالفت	۸۱
۱۸	نیکی کی تلقین	۴۹	۳۱	حضرت عثمانؓ کی مخالفت	۸۸
۱۹	موقع شناسی	۵۲	۳۲	بیعت علیؓ اور مخالفت معاویہؓ	۸۹
۲۰	جد و عمل	۵۴	۳۳	حضرت عائشہؓ کی غلط فہمی	۹۴
۲۱	بخل اور فیاضی	۵۶	۳۴	واقعہ تحکیم	۹۶
۲۲	عفو و درگزر	۵۸	۳۵	امام حسنؓ کی دست برداری	۹۹
۲۳	رازدان کا انتخاب	۶۱	۳۶	یزید کی ولی عہدی	۱۰۱
۲۴	انتخاب کار	۶۲			
۲۵	اسرارِ بیجا	۶۳		یزید بن معاویہؓ	
۲۶	شاعری	۶۵		ص ۱۱۱ تا ص ۱۲۳	
	واقعہ کربلا کا پس منظر		۳۷	بے سرو پا روایتیں	۱۱۲
	ص ۷۷ تا ص ۱۰۷		۳۸	راویوں کا مدعا	۱۱۳
			۳۹	مدحِ یزید	۱۱۴
۲۷	قبائلی رقابت	۷۷	۴۰	ابتدائی حالات	۱۱۵
۲۸	رسول اللہؐ کی مخالفت کا سبب	۷۹	۴۱	رقص و سرور سے شغف	۱۱۶

نمبر شمار	عنوانات	نمبر صفحہ	نمبر شمار	عنوانات	نمبر صفحہ
۴۲	مے نوشی و شہوت رانی	۱۱۶	۵۴	ہانی کی گرفتاری	۱۴۹
۴۳	افتاد طبع	۱۱۷	۵۵	ابن زیاد کا محاصرہ	۱۵۲
۴۴	معاویہ کی وصیت	۱۱۹	۵۶	حضرت مسلمؓ کی گرفتاری و شہادت	۱۵۷
۴۵	یزید کی تخت نشینی	۱۲۰	۵۷	ہانی کا کردار	۱۵۹
۴۶	حسینؓ سے بیعت کا مطالبہ	۱۲۱	۵۸	حضرت حسینؓ کی مکہ سے دانگی	۱۶۲
	اہل عراق کی دعوت		۵۹	اہل الرائے کا اختلاف	۱۶۳
	ص ۱۲۷ تا ص ۱۷۰			تلواروں کے سائے میں	
				ص ۱۷۳ تا ص ۲۰۹	
۴۷	کوفہ سے دعوت	۱۳۰			
۴۸	اہل بصرہ کا بلاوا	۱۳۲	۶۰	پہلا خطبہ	۱۷۴
۴۹	حمایت حسینؓ میں اہل بصرہ	۱۳۴	۶۱	دوسرا خطبہ	۱۷۵
	کی تقریریں		۶۲	تیسرا خطبہ	۱۷۶
۵۰	حضرت مسلمؓ کا ورود کوفہ	۱۳۰	۶۳	چوتھا خطبہ	۱۷۷
۵۱	ابن زیاد کا تقرر	۱۳۳	۶۴	پانچواں خطبہ	۱۷۹
۵۲	مسلمؓ کا ہانی کے گھر قیام	۱۳۷	۶۵	حضرت حسینؓ کو ایک مشورہ	۱۸۱
۵۳	مسلمؓ کی تلاش	۱۳۸	۶۶	میدان کربلا میں	۱۸۲

نمبر شمار	عنوانات	نمبر صفحہ	نمبر شمار	عنوانات	نمبر شمار
۶۷	پانی کی بندش	۱۸۳	۸۰	عام جنگ	۲۲۰
۶۸	حضرت حسینؑ کی شرائطِ شہادت	۱۸۴	۸۱	مسلم بن عوسجہ کی شہادت	۲۲۰
۶۹	چھٹا خطبہ	۱۸۶	۸۲	عبداللہ بن عوف کی شہادت	۲۲۱
۷۰	فدائیوں کے جذبات	۱۸۷	۸۳	خیمہ جلائے کی کوشش	۲۲۲
۷۱	ساتواں خطبہ	۱۹۰	۸۴	حبیب بن مظاہر کی شہادت	۲۲۳
۷۲	خطبات حسینؑ کی تشریح	۱۹۳	۸۵	خبر بن یزید کی شہادت	۲۲۴
۷۳	حضرت امام کا موقف	۱۹۸	۸۶	زبیر بن العقیں کی شہادت	۲۲۷
۷۴	ایک غلط فہمی کا ازالہ	۲۰۲	۸۷	عروین قرظہ کی شہادت	۲۲۷
۷۵	اتمامِ محبت	۲۰۵	۸۸	نافع بن بلال کی شہادت	۲۲۸
			۸۹	عابس بن ابی شیبہ کی شہادت	۲۳۰
	سانحہ مکہ مکرمہ		۹۰	غفاریؑ جو انوں کی شہادت	۲۳۱
	ص ۲۱۳ تا ص ۲۵۹		۹۱	حنظلہ کی شہادت	۲۳۲
۷۶	ترتیبِ شکر	۲۱۵	۹۲	بعض اور شہداء	۲۳۳
۷۷	حرم کا خطاب	۲۱۷	۹۳	علی اکبرؑ کی شہادت	۲۳۴
۷۸	آغازِ جنگ	۲۱۸	۹۴	محمد بن عبداللہ کی شہادت	۲۳۵
۷۹	بریر کی شہادت	۲۱۹	۹۵	حضرت قاسمؑ کی شہادت	۲۳۶

نمبر شمار	عنوانات	نمبر شمار	نمبر صفحہ	عنوانات	نمبر شمار
۹۶	محمد الاوسط کی شہادت	۲۳۷	۱۰۹	مکیں صدائے انتقام	۲۷۰
۹۷	عبداللہ بن علیؓ کی شہادت	۲۳۷	۱۱۰	تو آہیں کا نعرۂ انتقام	۲۷۲
۹۸	حضرت عباسؓ کی شہادت	۲۳۸	۱۱۱	مختار ثقفی کا نعرۂ انتقام	۲۷۷
۹۹	شہادتِ عظیمہ	۲۴۰	۱۱۲	عباسی تحریک	۲۸۲
۱۰۰	شہادت کے بعد	۲۴۳	۱۱۳	قبائلی کشمکش	۲۸۵
۱۰۱	حسینؓ ابن زیاد کے سامنے	۲۴۴	۱۱۴	جنگ زاب	۲۸۹
۱۰۲	یزید کے دربار میں	۲۴۹	۱۱۵	عبرت ناک انتقام	۲۹۰
۱۰۳	مدینہ کو واپسی	۲۵۱			
۱۰۴	شہدائے کربلا کا کردار	۲۵۲		امارتِ معاویہ و یزید	
۱۰۵	شہدائے کربلا کی تعداد	۲۵۳		۲۹۵ تا ۳۹۴	
۱۰۶	شہدائے نبوہاشم	۲۵۴	۱۱۶	طبری کا مسلک	۲۹۸
۱۰۷	دیگر شہداء	۲۵۵	۱۱۷	حضرت علیؓ کی خلافت	۳۰۸
			۱۱۸	حضرت علیؓ کی حدودِ سلطنت	۳۲۰
			۱۱۹	حضرت علیؓ کی عسکری صلاحیت	۳۲۲
			۱۲۰	حضرت علیؓ کی انتظامی صلاحیتیں	۳۳۲
۱۰۸	اہل مدینہ کا نعرۂ انتقام	۲۶۷	۱۲۱	قعدہ امیر معاویہ کا	۳۴۶

واقعہ کربلا کا ردِ عمل

۲۶۳ تا ۲۹۲

نمبر شمار	عنوانات	نمبر صفحہ	نمبر شمار	عنوانات	نمبر صفحہ
۱۲۲	فتنہ یزید	۳۵۹	۱۲۵	واقعہ کربلا کو سبک کرنے	۳۸۵
۱۲۳	یزید کا کردار	۳۶۸		کی کوشش	
۱۲۴	قتل حسین کا ذمہ دار؟	۳۸۱	۱۲۶	حسینؑ مکہ سے کیوں گئے؟	۳۹۰

سوانح و سیرت

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

سوانح و سیرت

بشارت ولادت

ایک روز کا ذکر ہے کہ قریش کی ایک خاتون رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور عرض کیا کہ :-
”یا رسول اللہ! میں نے رات بڑا عجیب اور بھیاںک خواب دیکھا ہے“
حضورؐ نے فرمایا بیان کرو۔

خاتون نے عرض کیا کہ حضور! وہ خواب اس قدر ڈراؤنا ہے کہ بیان کرنے کی ہمت نہیں پڑتی۔“

آپؐ نے انہیں تسلی دیتے ہوئے فرمایا کہ ”کوئی مضائقہ نہیں تم اپنا خواب سناؤ“ خاتون نے ڈرتے ڈرتے عرض کیا کہ :-

”میں نے دیکھا کہ آپ کے جسم مبارک کا ایک ٹکڑا کاٹ کر میری گود میں رکھ دیا گیا ہے۔“

حضورؑ نے خواب سُن کر فرمایا کہ اس میں اس قدر گہرائی کی کیا بات تھی یہ تو بڑا مبارک خواب ہے اور پھر آپ نے اس کی یہ تعبیر بیان فرمائی کہ خدا تعالیٰ فاطمہؑ کو بیٹا عطا فرمائے گا، جسے تم گود لوگی۔ (مستدرک، حاکم جلد سوم ص ۱۷۱)

ولادت حسینؑ

یہ روشن ضمیر خاتون جن کا نام ام الفضل بنت حارث تھا اور جو حضورؑ کے چچا حضرت عباسؑ کی بیوی تھیں اپنا خواب سُننا کبھی نہیں۔ بات آتی گئی ہو گئی۔ زمانہ گزرتا گیا۔ آفتاب طلوع و غروب ہوتا رہا۔ یہاں تک کہ سہ ماہ کے شعبان کا چاند نمودار ہوا اور جب شعبان کی چار تالیخ آئی تو روشن ضمیر خاتون ام الفضلؑ کا خوب پُورا ہو چکا تھا۔ حضورؑ کو نومولود کی ولادت کی خبر دی گئی۔ آپ حضرت فاطمہؑ کے دولت کدے پر تشریف لائے اور فرمایا کہ :-

”میرے بیٹے، میرے جگر کے ٹکڑے کو میرے پاس لاؤ۔“

جگر گوشہ رسولؐ کو ایک پسیدہ کپڑے میں لپیٹ کر آپ کی خدمت میں پیش کیا گیا۔ آپ نے اس کے دائیں کان میں اذان اور بائیں کان میں تکبیر کہی اور پھر اپنی گود میں لے لیا۔

اس کے بعد آپ نے حضرت فاطمہؑ کو ہدایت فرمائی کہ اس کا عقیقہ کرو اور

بالوں کے ہم وزن چاندی خیرات کر دو۔ چنانچہ ساتویں روز یہ رسم ادا کی گئی۔
(مستدرک، حاکم جلد سوم ص ۱۷۶)

ایک روایت کے مطابق حضرت علیؑ نے بچے کا نام "حرب" رکھا تھا لیکن حضورؐ نے یہ نام پسند نہ کیا اور فرمایا کہ اس کا نام حسینؑ رکھو۔ (اسد الغابہ جلد دوم ص ۱۸)

217

جب حضرت حسینؑ کی ولادت ہوئی تو آپ کے بڑے بھائی حضرت حسنؑ کی مدیت رضاعت (دودھ پلانے کا زمانہ) ختم نہیں ہوا تھا۔ اس لئے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی چچی حضرت ام الفضلؑ سے ارشاد فرمایا کہ تم حسینؑ کو دودھ پلایا کرو۔ چنانچہ حضرت حسینؑ نے حضرت فاطمہؑ کا نہیں بلکہ حضرت ام الفضلؑ کا دودھ پیا اور اس طرح رسول اللہ کے جسم کا ٹکڑا ام الفضلؑ بنت حارث کی گود میں آ گیا۔

ام الفضلؑ کو حضرت حسینؑ سے ایسی محبت ہو گئی جیسی ماں کو اپنی حقیقی اولاد سے ہوتی ہے۔ چنانچہ وہ انہیں اپنے سے بہت کم جدا کرتیں اور ان کے آرام کے لئے اپنا آرام و آسائش قربان کر دیتیں۔ رسول اللہ نے حضرت حسینؑ کے ساتھ ان کی شیخگی اور والہانہ محبت دیکھ کر حضرت حسینؑ کی پرورش انہیں کے سپرد کر دی۔

تعلیم و تربیت

یہ فخر حضرات حسنؑ و حسینؑ، حضرت علیؑ اور حضرت زیدؑ کے علاوہ اس رشتے زمین پر اور کسی کو حاصل نہیں کہ رسول خدا نے بذات خود ان قدسی نفوس کی تربیت

فرمائی حضرت حسینؑ کو رسول اللہؐ کی زیر تربیت رہنے کا گویا وہ موقع نہیں ملا اور آپ ابھی نیچے ہی تھے کہ حضور وصال فرما گئے لیکن قلیل مدت ہی کے لئے سہی یہ فخر آپ کو حاصل ہو گیا ایک روایت کے مطابق حضرت حسینؑ کو نماز اور اس کے آداب رسول اللہؐ ہی نے سکھائے تھے۔

اس کے علاوہ بعض اور واقعات بھی ایسے ملتے ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ حضورؐ اپنے اس پیارے نواسے کو ہر وقت نگاہ تربیت سے دیکھتے تھے چنانچہ ابو جراح حضرت حسینؑ سے روایت کرتے ہیں کہ ایک روز میں نے آپ کی خدمت میں عرض کیا کہ اپنے جدِ محترم کے متعلق کوئی واقعہ مجھے سنائیے حضرت حسینؑ نے فرمایا کہ ایک دن میں رسول اللہؐ کی خدمت میں حاضر ہوا اس وقت کچھ کھجوریں آپ کے سامنے رکھی ہوئی تھیں ان میں سے ایک کھجور اٹھا کر میں نے اپنے منہ میں رکھ لی حضورؐ نے وہ کھجور اسی وقت میرے منہ سے نکال لی اور فرمایا کہ ”تمہیں نہیں معلوم کہ صدقہ آل محمدؐ پر حرام ہے یہ صدقے کی کھجوریں ہیں“ یہ روایت اصابہؓ کی ہے حضرت امام بخاریؒ نے بھی اپنی کتاب حدیث میں اس واقعہ کا ذکر اس طرح کیا ہے۔ آپ فرماتے ہیں کہ :-

ایک بار رسول اللہؐ کی خدمت میں کھجوروں کا ایک ڈکرا آیا۔ اتنے میں حضرت حسینؑ بھی آگئے اور بچپن کی وجہ سے اس میں سے ایک کھجور اٹھا کر منہ میں رکھ لی حضورؐ نے اسی وقت اُن کے منہ میں انگلی ڈال کر کھجور نکال دی نیز

فرمایا کہ ”مخ“ پیغمبر کے اہل بیت زکوٰۃ نہیں کھایا کرتے۔ (تجاری جلد دوم ص ۱۲۹)
 رسول اللہ کے وصال کے بعد سیدہ حضرت فاطمہؓ اور سیدنا حضرت علیؓ نے
 آپ کی تربیت فرمائی۔ آپ نے لکھنا پڑھنا، شہ سواری، نیزہ بازی، شمشیر زنی
 اور فنون جنگ کی تعلیم حضرت علیؓ ہی سے حاصل کی۔ اس زمانے میں یہ علوم دین
 کا اتنا بڑا مرکز تھا کہ آج ہم اس کا تصور کر ہی نہیں سکتے۔ رسول اللہ کے
 جید اور با کمال صحابہ بفضلہ حیات تھے اور مسجد نبویؐ سے علوم دین کا
 ایسا چشمہ بہہ رہا تھا جس کی نظیر چشم فلک نے پھر کبھی نہ دیکھی اور نہ
 پھر کبھی دیکھے گی۔ اسی مدینہ اور اس مدینہ کے اسی پاکیزہ ماحول میں حضرت
 حسینؑ پروان چڑھے اور آپ کی خدا داد صلاحیتوں نیز فطری سعادت طبع
 پر اس ماحول نے وہی کام کیا جو سونے پر سہاگہ کرتا ہے جس نچے
 کو سیدۃ النساء حضرت فاطمہؓ کی آغوش شفقت باب علم سیدنا حضرت علیؓ
 کے سایہ عاطفت اور خرد سل حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی
 سرپرستی حاصل ہوا اور جس نے مسجد نبویؐ کے سرچشمہ علم و فضل سے کسب
 فیض کیا ہو اس کے نتیجہ علمی اس کے مرتبہ دینی اور اس کے معیار
 اخلاق و سیرت کی نظیر کون لا سکتا ہے؟
 رسول اللہ کی نظریں مقام حسینؑ
 حضرت حسینؑ کی شہادت کے بعد سے لے کر آج تک دنیا کی تقریباً

ہر زبان میں حضرت حسینؑ کو شراج عقیدت پیش کیا جا چکا ہے۔ عقیدت گذاروں نے آپ کے بلند مرتبے کے تعین میں ذرہ برابر نخل سے کام نہیں لیا۔ الفاظ کے انبار لگا دیئے۔ مضامین کے پُل باندھ دیئے اور تخیلات کے محل تعمیر کر دیئے۔ عقیدت مند تو خیر عقیدت مند تھے۔ انتہا یہ ہے کہ دشمنوں کی زبانِ قلم بھی آپ کی تعریف و توصیف سے باز نہ رہ سکی۔ مگر یہ ساری تعریفیں ایک طرف اور زبانِ وحی و نبوت کے چند کلمات ایک طرف۔ احادیث صحیحہ اور روایات مصدقہ شہادت دیتی ہیں کہ حضورِ سرورِ کائناتؐ نے جب بھی حضرت حسینؑ کا ذکر فرمایا ہمیشہ آپ کی نسبت ایسے کلمات استعمال کئے جن سے آپ کے مرتبے کی بلندی اور آپ کی عظمت ظاہر ہوتی تھی۔ مثلاً ایک بار ارشاد ہوا:

حُسَيْنٌ مِنِّي وَاَنَا مِنْ حُسَيْنٍ احب الله من يحب الحسين
حُسَيْنٌ سِبْطٌ مِنَ الْاَسْبَاطِ (بخاری - ترمذی - ابن ماجہ)

حسین مجھ سے ہے اور میں حسین سے ہوں۔ اللہ تعالیٰ اسے محبوب رکھے جو حسین کو محبوب رکھتا ہے۔ حسین گروہ اسباط میں سے ایک سبط ہے۔ ایک اور موقع پر فرمایا کہ:

”یہ دونوں میرے بیٹے اور میری بیٹی کے بیٹے ہیں مجھے ان سے محبت ہے
اے خدا تو بھی ان سے محبت کر اور ان لوگوں سے بھی جو ان سے محبت

کہتے ہیں: "ترمذی بروایت حضرت اسامہؓ

ایک مرتبہ ارشاد ہوا۔

حسن و حسینؓ دنیا میں میرے دو پھول ہیں

(بخاری بروایت عبدالرحمن بن ابی نعیم)

پھر ایک بار فرمایا۔

حسن و حسینؓ نوجوانان بہشت کے سردار ہیں (ترمذی بروایت حذیفہؓ)

رسول اللہ کی شفقت

اللہ اور اس کے رسولؐ کی نظر میں جس ہستی کا مرتبہ اتنا بلند ہو اس سے حضورؐ جتنی بھی محبت فرماتے درست تھی۔ چنانچہ آپؐ کی یہ محبت و شفقت قدم قدم پر ظاہر ہوتی رہتی۔ حضورؐ نے اپنا معمول بنایا تھا کہ نماز فجر ادا کرنے کے لئے مسجد تشریف لے جاتے ہوئے حضرت فاطمہؓ کے دولت کدے پر گتے اور دروازے پر آواز دینے کہ "اسلام علیکم یا اہل بیت النبوة" حضورؐ کی آواز سن کر حضرت فاطمہؓ بچوں کو لے کر دروازے پر آ جاتیں اور حضورؐ حضرات حسنؓ و حسینؓ کو پیار کرتے اور ان کی خیر و عافیت معلوم کر کے پھر مسجد کو تشریف لے جاتے۔ (ترمذی)

سفر پر روانہ ہوتے وقت بھی آپؐ سیدہ حضرت فاطمہؓ کے گھر تشریف لاتے اور اپنی سوزنی بیٹی اور اس کے بیٹوں سے مل کر پھر سفر پر جاتے

اسی طرح سفر سے واپسی پر سب سے پہلے حضرت فاطمہؑ کے مکان پر تشریف
لائے اور حضرات حسن و حسینؑ کو پیادہ کرنے کے بعد اپنے گھر تشریف
جاتے۔ (مدارج النبوة)

✓ محبت کا یہ حال تھا کہ حضرات حسینؑ کو روزانہ ہوا دیکھنا بھی برداشت
نہ ہوتا تھا چنانچہ زید بن زیاد روایت کرتے ہیں کہ ایک روز حضور ام المؤمنین
حضرت عائشہؓ کے مکان سے نکل کر کہیں تشریف لئے جا رہے تھے۔ جس
وقت حضرت فاطمہؑ کے مکان کے سامنے سے گزرے تو حضرت حسینؑ کے
رونے کی آواز سنی۔ آپ اسی وقت حضرت فاطمہؑ کے پاس گئے اور ان
سے فرمایا کہ "اے فاطمہ کیا تمہیں نہیں معلوم کہ اس کے رونے سے میرے دل
کو کتنی تکلیف ہوتی ہے؟" (نزل الامام)

✓ حضرت ابو ہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ میں نے ان آنکھوں سے دیکھا
اور میں نے ان کانوں سے سنا کہ رسول اللہ حسینؑ کے دونوں ہاتھ پکڑے
ہوئے تھے اور ان کے دونوں پیر حضورؑ کے دونوں پیروں پر تھے اور آپ
فرما رہے تھے کہ "اے چھوٹے چھوٹے قدموں والے آگے بڑھو۔ آگے
بڑھو۔ حسینؑ اوپر کو چڑھنے لگے۔ یہاں تک کہ ان کے پیر حضورؑ کے سینے پر
پہنچ گئے۔ پھر آپؐ نے حسینؑ کو بوسہ دیا اور فرمایا اے خدا میں اس
سے محبت کرتا ہوں تو بھی اس سے محبت کرو۔ (الاستیعاب جلد اول ص ۱۴۴)

حضرت ابامثب بن زید ثبیان کرتے ہیں کہ ایک روز رات کو میں کسی حضور سے رسول اللہ کے دولت کدے پر حاضر ہوا۔ میں نے دنگ دی جب حضور باہر تشریف لائے تو آپ کسی چیز کو چادر میں پیٹے ہوئے تھے جب میں گفتگو کر چکا تو میں نے حضور سے پوچھا کہ آپ چادر میں کیا لے ہوئے ہیں۔ اس پر حضور نے چادر کھول دی۔ میں نے دیکھا کہ چادر کے نیچے حسین و حسین تھے جنہیں آپ نے دونوں پہلوؤں پر اٹھا رکھا تھا۔ اس کے بعد حضور نے فرمایا کہ یہ دونوں میرے اور میری بیٹی کے بیٹے ہیں۔ اے خدا میں انہیں محبوب رکھتا ہوں تو بھی انہیں محبوب رکھو اور انہیں بھی جو انہیں محبوب رکھتے ہیں۔ (ترمذی)

یہ حدیث سے روایت ہے کہ ایک روز رسول اللہ خطبہ ارشاد فرماتے تھے کہ اتنے میں حسین و حسین آگئے۔ وہ دونوں اس وقت سرخ قمیضیں پہنے ہوئے تھے اور چلنے میں لڑکھڑاہے تھے۔ انہیں (لڑکھڑاتے) دیکھ کر حضور نے خطبہ ملتوی فرمادیا اور منبر سے نیچے اتر کر ان دونوں کو اٹھا لیا۔ پھر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے سچ فرمایا ہے کہ تمہارے مال اور تمہاری اولاد تمہارے لئے آزمائش ہے۔ میں نے ان بچوں کو لڑکھڑاتے دیکھا تو مجھ سے ضبط نہ ہو سکا۔ یہاں تک کہ میں نے خطبہ ملتوی کر کے انہیں اٹھا لیا۔ (ترمذی۔ ابن ماجہ۔ مستدرک)

حضرت انس بن مالکؓ سے روایت ہے کہ کچھ لوگوں نے رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا کہ آپؐ کو اپنے اہل بیت میں سب سے زیادہ پیارا کون ہے حضورؐ نے فرمایا کہ حسن اور حسین (رضی اللہ عنہم) (ترمذی)

رسول اللہ کے ایامِ عیالات میں ایک روز حضرت فاطمہؓ حضرات حسن و حسینؓ کو اپنے ہمراہ لے کر آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوئیں۔ یہ آپؐ کی زندگی کے آخری دن تھے حضرت فاطمہؓ نے رسول اللہ سے عرض کیا کہ یہ دونوں آپ کے فرزند ہیں انہیں اپنی وراثت میں سے کچھ عطا فرمائیے۔ آپؐ نے فرمایا کہ حسن کو میں نے اپنی ہیت اور سرداری عطا کی اور حسین کو شجاعت و سخاوت (تہذیب التہذیب، جلد دوم ص ۳۴)

خلفائے راشدین کے عہد میں

رسول اللہ کے وصال کے وقت حضرت امام حسینؓ کی عمر سات سال کے قریب تھی حضورؐ کے بعد جب حضرت ابو بکرؓ جانشین ہوئے تو آپ کے زمانے میں بھی حضرت امام حسینؓ کا بچپن ہی تھا اس لئے اس عہد کا کوئی قابل ذکر واقعہ جو حضرت حسینؓ سے متعلق ہو نظر نہیں آتا سوائے اس کے کہ جب کبھی راستے میں سے گزرتے ہوئے آپؐ حضرت حسینؓ کو دیکھتے تو انہیں اپنے پاس بلاتے اور پیاد کرتے حضرت ابو بکرؓ کی وفات کے بعد جب سیدنا حضرت عمر فاروقؓ خلیفہ ہوئے تو آپ کے آخری عہدِ خلافت

میں حضرت امام حسینؑ سن شعور کو پہنچ چکے تھے۔ واقعات شہادت
 دیتے ہیں کہ حضرت عمرؓ اپنی زندگی کے آخری لمحے تک آپ کے
 حال پر نہایت درجہ مہربان رہے۔ وہ آپ سے بڑی محبت کرتے تھے
 اور انہیں خواہش رہتی تھی کہ حضرت حسینؑ سے ملاقات کا زیادہ سے
 زیادہ موقع ملتا رہے۔ اپنی اس خواہش کا انہوں نے ایک بار حضرت حسینؑ
 سے تذکرہ بھی کیا۔ اس کے چند روز کے بعد حضرت حسینؑ ان سے ملنے
 کے لئے ان کے مکان پر تشریف لے گئے۔ اس وقت حضرت امیر معاویہؓ
 آئے ہوئے تھے اور دونوں ٹھیلے پر گھست گئے رہتے تھے۔ دروازے
 پر حضرت عمرؓ کے صاحبزادے کھڑے ہوئے تھے۔ حضرت حسینؑ بھی ان
 کے پاس جا کر کھڑے ہو گئے اور عثمانی دیمک کے بعد جب ابن عمرؓ واپس ہوئے تو
 حضرت حسینؑ بھی ان کے ساتھ ہی واپس آ گئے۔ کچھ عرصہ کے بعد جب
 حضرت عمرؓ کی حضرت حسینؑ سے ملاقات ہوئی تو انہوں نے شکوہ کیا کہ آپ
 ہم سے ملنے نہیں آتے۔ حضرت حسینؑ نے فرمایا کہ میں تو آیا تھا لیکن چونکہ
 آپ معاویہؓ سے گفتگو کر رہے تھے اس لئے میں ابن عمرؓ کے ساتھ
 دروازے پر کھڑا رہا اور کچھ دیر کے بعد واپس چلا گیا۔ یہ سن کر حضرت عمرؓ نے
 فرمایا کہ آپ کو ابن عمرؓ کے ساتھ دروازے پر کھڑے ہونے کی کیا
 ضرورت تھی۔ آپ ان سے زیادہ حقدار ہیں میں جو عزت حاصل ہے

وہ خدا تعالیٰ کے بعد آپ ہی لوگوں کی دی ہوئی ہے۔ اصحابِ نبیؐ تمیز اصحابِ علیہ السلام
 حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ جب حضرت عمرؓ کے عہدِ خلافت میں
 اللہ تعالیٰ کے فضل سے مدائن فتح ہوا اور مالِ غنیمت مسجدِ نبویؐ میں لاکھ بھیلایا گیا
 تو حضرت عمرؓ نے اسے تقسیم کرنے کا حکم دیا۔ سب سے پہلے حضرت امامِ حسنؓ
 تشریف لائے اور حضرت عمرؓ نے انہیں ایک ہزار درہم عطا فرمائے۔ پھر حضرت
 امامِ حسینؓ تشریف لائے۔ آپ کو بھی ایک ہزار درہم دیئے گئے
 اس کے بعد حضرت عبداللہ بن عمرؓ تشریف لائے حضرت عمرؓ نے انہیں
 پانچ سو درہم دینے کا حکم دیا۔ اس پر ابن عمرؓ نے عرض کیا کہ امیر المومنین ہیں
 ایک طاقتور آدمی ہوں اور میں وقتِ امامِ حسنؓ و حسینؓ مدینے کے
 بازار میں کھیلنا کرتے تھے اس وقت میں رسول اللہ کی طرف سے جہاد کرتا
 تھا۔ لیکن آپ نے ان کو تو ایک ایک ہزار درہم عطا فرمائے اور مجھے
 صرف پانچ سو دیئے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ "عبداللہ یہاں سے چلے
 جاؤ۔ پہلے ان کے باپ جیسا باپ۔ ان کی ماں جیسی ماں۔ ان کے نانا
 جیسے نانا۔ ان کی نانی جیسی نانی۔ ان کے چچا جیسا چچا۔ ان کی مچھو مچھو جیسی
 مچھو مچھو۔ ان کے ماموں جیسا ماموں اور ان کی خالہ جیسی خالہ تو لاؤ۔ سنو!
 خدا کی قسم ان کے باپ علی المرتضیٰؓ ہیں۔ ان کی ماں فاطمہ الزہراؓ ہیں۔ ان کے
 نانا حضرت محمد مصطفیٰؐ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ ان کی نانی حضرت خدیجہ الکبریٰؓ

ہیں۔ ان کے چچا حضرت جعفر طیار ہیں۔ ان کی چھوٹی بھی امّ مانی بنت ابی طالب
ہیں۔ ان کی خالہ حضرت رقیہ اور حضرت ام کلثومؓ ہیں اور ان کے ماموں رسول اللہ
کے فرزند حضرت ابراہیمؓ ہیں۔

اس واقعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ حضرت عمرؓ اہل بیت رسولؐ سے
کس درجہ محبت فرماتے تھے اور حضرت امام حسینؑ کا مرتبہ آپ کی نظر
میں کتنا بلند تھا۔ ذیل کے واقعے سے اس حقیقت کی تائید مزید ہوتی ہے۔
ایک بار یمن سے کچھ حلقے مدینہ آئے اور حضرت عمرؓ نے وہ حلقے صحابہؓ
میں تقسیم فرمائے جن اصحاب کو حلقے ملے تھے وہ انہیں پہن پہن کر آنے لگے
اور حضرت عمرؓ کو سلام کہتے تھے۔ اسی اثناء میں حضرات حسینؑ بھی آنکے
جب حضرت عمرؓ کی نظر ان دونوں صحابہؓ پر پڑی اور ان کے بدن حلوں
سے خالی پاٹے تو آپ کے دل کو بے حد قلق ہوا اور لوگوں سے مخاطب
ہو کر کہا کہ تم لوگوں کو جسے دے کر مجھے بالکل مسرت نہیں ہوئی۔ لوگوں نے
اس کا سبب پوچھا تو آپ نے فرمایا کہ حسنؑ و حسینؑ کے جسموں پر حلقے نہیں
ہیں۔ یہ کہہ کر اسی وقت یمن کے عامل کے نام حکم لکھا کہ فوری طور پر دو
حلقے اور بھیجو جب وہ حلقے آگئے اور حضرات حسینؑ کو پہنا دیئے تو آپ
نے فرمایا کہ اب مجھے حقیقی مسرت حاصل ہوئی۔ (ابن عساکر جلد چہارم ص ۳۲۱)
حضرت عمرؓ کے حکم سے جب مسلمانوں کے لئے بیت المال سے وظائف

مقرر کئے گئے تو غزوہ بدر میں حصہ لینے والے صحابہ کے فرزندوں کا دود و ہزار
 وظیفہ مقرر ہوا مگر اس موقع پر بھی آپ نے حضرات حسن و حسینؑ کے ساتھ
 امتیازی سلوک کیا اور صرف اس لئے کہ وہ رسول اللہ کے نواسے تھے

ان دونوں حضرات کا پانچ پانچ ہزار مقرر فرمایا۔ (فتوح البلدان)

حضرت عمرؓ کی شہادت کے بعد جب حضرت عثمانؓ خلیفہ ہوئے

تو آپ کے عہد خلافت میں حضرت حسینؑ جوان ہو چکے تھے یہی وجہ ہے کہ

اس عہد میں آپ میدان کارزار میں نظر آتے ہیں چنانچہ جب ستہ مد میں

طبرستان پر حملہ کیا گیا تو حضرت امام حسینؑ نے اس جنگ میں رضا کارانہ طور پر

شریک ہو کر دایہ شجاعت دی۔ (ابن اثیر جلد سوم ص ۸)

ستہ مد میں جب باغیوں اور مفسدوں نے حضرت عثمانؓ کے مکان کو

محاصرہ کر لیا اور حضرت عثمانؓ کی جان کو خطرہ لاحق ہو گیا تو اس نازک وقت میں

حضرت امام حسینؑ نے ہرینہ کے دوسرے صحابہ کے فرزندوں کے ہمراہ

بیت عثمانؓ کی حفاظت کی جب مفسد مکان پر یورش کرنے کے لئے آگے

بڑھے تو حضرت حسینؑ نے بڑی پامردی سے انہیں روکا۔ اس موقع پر

باغیوں اور حضرت عثمانؓ کے محافظین میں جنگ بھی ہوئی جس میں حضرت

امام حسینؑ نے بڑی سرگرمی سے حصہ لیا۔ لیکن چند مفسدان حضرات کی نظر پر

گرد و سری طرف سے حضرت عثمانؓ کے مکان میں داخل ہو گئے اور خلیفہؓ کو

کو بڑی بے دردی سے شہید کر دیا۔ جب حضرت علیؑ کو اس روح فرسا واقعہ کی خبر ہوئی تو وہ اقتال و خیزاں موقع پر آئے اور حضرت حسینؑ کی سرزنش کی کہ تمہاری موجودگی میں امیر المومنین کیسے شہید کر دیئے گئے لیکن ظاہر ہے کہ اس میں حضرت حسینؑ کی کوتاہی کو کوئی دخل نہیں تھا اور یہ آپؑ اور آپ کے ساتھیوں کی ہرأت و شجاعت اور سرگرمی ہی معنی کہ اس نے مفسدوں کو اس جانب سے حضرت عثمانؓ کے مکان میں داخل ہونے سے باز رکھا۔ حضرت عثمانؓ کی شہادت کے بعد حبیب صحابہؓ کی اکثریت کی تحریک و تائید سے حضرت علیؑ نے مسند خلافت کو زینت دی تو آپ کے عہد خلافت میں حضرت حسینؑ کی شجاعت کے جوہر خوب خوب نکھرے۔ پینا سچہ جنگ جمل جنگ صفین اور معرکہ نہروان میں آپ نے اپنی حیرت انگیز شجاعت سے متعدد معرکے سر کئے۔ زمانہ حال کا ایک عرب مؤرخ عمر ابو النصر آپ کی شجاعت کا حال بیان کرتے ہوئے لکھتا ہے۔ ایک لڑائی میں حضرت امام حسینؑ نے میدان میں نکل کر دشمن کو ان الفاظ میں چیلنج کیا تھا کہ :-

”کوئی ہے جو میرا مقابلہ کرنے کے لئے نکلے“

حضرت حسینؑ کا یہ چیلنج سن کر ایک بہت بڑا بہادر و زبردان مقابلے کے لئے نکلا اور پوچھا کہ تم کون ہو ؟

فقال : انا الحسين بن علي

فقال له الزبير بن العوف : انصرف

يا نبي فاني والله لقد نظرت

الى رسول الله مقبلا من ناحية

قبا، على ناقه حمراء، وانت

يومئذ قد امد فمنا كنت

لا لقي رسول الله صلى الله عليه

وسلم يدرك

(الحسين ص ۱)

آپ نے فرمایا کہ میں حسین بن علی ہوں

اس پر زبير بن العوف نے کہا، اے میرے

بیٹے تم میدان سے ہٹ جاؤ ورنہ

ایک روز میں نے دیکھا تھا کہ رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم اونٹنی پر سوار ہو کر قبا کی طرف

جائے تھے اور تم حضور کے کنگے

بھیٹے تھے میں رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم سے اس حالت میں ملاقات

کرنا پت نہیں کرتا کہ میرے ہاتھ تمہارے

خون سے رنگین ہوں۔

جنگ صفین میں حکیم کے موقع پر حضرت معاویہ اور حضرت علیؓ کے درمیان

جو عہد نامہ لکھا گیا تھا اس میں بھی گواہ کی حیثیت سے حضرت حسینؓ نے

اپنے دستخط ثبت فرمائے تھے۔

عہد معاویہ میں

حضرت علیؓ کی شہادت کے بعد جب حضرت امام حسنؓ خلیفہ ہوئے

اور حضرت معاویہؓ نے شامی فوجوں کے ساتھ پیش قدمی کر کے انہیں خلافت

سے دست بردار ہونے پر مجبور کیا تو حضرت امام حسینؓ نے اپنے برادر اکبر کو

نک کرنے کا مشورہ دیا۔ مگر حضرت امام حسنؑ نے یہ مشورہ قبول کر سکتے
 کار کر دیا اور حضرت حسینؑ کے اصرار کے باوجود امت کو مزید خون ریزی سے
 جانے کی خاطر خلافت سے دست بردار ہو گئے۔ گو حضرت امام حسینؑ اس
 معاہدے پر رضامند نہ تھے مگر جب حضرت امام حسنؑ نے حضرت معاویہؓ سے
 معاہدہ کر لیا تو حضرت حسینؑ نے بھی اس کی پوری پابندی کی عراق کے
 ایک معاویہؓ سے خوش نہ تھے اور وہ ان کی حکومت کو نفرت کی نظر سے
 دیکھتے تھے۔ چنانچہ انہوں نے حضرت امام حسینؑ کو متعدد بار تحریک کی کہ
 آپ ہماری بیعت لیجئے مگر حضرت حسینؑ نے ہر بار ان کی درخواست کو
 اس خیال سے رو کر دیا کہ اول تو آپ کے برادر بزرگ، حضرت معاویہؓ سے
 معاہدہ کر چکے تھے اور اس معاہدے کی پابندی حضرت حسینؑ بھی اپنے
 لئے ضروری سمجھتے تھے۔ دوسرے ایک قاعدہ شدہ حکومت کے خلاف
 جس کا سربراہ کبیر و گناہوں کا ارتکاب نہ کرتا ہو، بغاوت کرنا آپ کے
 نظریات کے خلاف تھا۔

حضرت معاویہؓ پر بھی آپ کے اس طرز عمل کا بڑا اچھا اثر تھا اور وہ آپ
 کے متعلق ہمیشہ کلمات خیر استعمال کیا کرتے تھے۔ انہوں نے آپؑ سے
 لئے دس لاکھ دینار سالانہ مقدار کم دیئے تھے جو آپ کو باقاعدگی سے دیتے
 رہے۔ ابی مخنفؒ کے اس کے علاوہ مختلف مواقع پر کائنات در آ

اور بڑا یہ بھی پیش کرتے رہتے تھے۔ حضرت معاویہؓ کے عہد حکومت و ادارت میں
 مالک غیر کو جو مہمات بھیجی گئیں ان میں سے ایک مہم میں حضرت امام حسینؓ نے
 بھی حصہ لیا یہ قسطنطنیہ کی مہم تھی اور شام میں بھی گئی تھی اس مہم کا کمانڈر
 انجیٹ سفیان بن عوف تھا۔ بعض مورخوں نے تعصب کی بنا پر اور بعض نے
 بنو امیہ کی خوشامد کی خاطر یزید بن معاویہؓ کا نام اس مہم کے کمانڈر کی حیثیت
 سے درج کیا ہے۔ درج حقیقت یہ ہے کہ تاریخ میں جو چند بڑے جھوٹ
 بولے گئے ہیں ان میں سے ایک بڑا جھوٹ یہ بھی ہے۔ ایک عیسائی
 مؤرخ قسطنطنیہ کی مہم میں حضرت امام حسینؓ کی شرکت اور آپ کے شجاعانہ
 کارناموں کا ذکر کرتے ہوئے لکھتا ہے۔

”حسنؓ کے برادر خور و حسینؓ نے اپنے باپ کی شجاعت و
 نبالت سے یہ طور و رتہ حصہ پایا تھا۔ چنانچہ قسطنطنیہ میں
 عیسائیوں کے خلاف جو جنگ ہوئی اس میں حسینؓ نے
 امتیازی کارنامے انجام دیئے۔“ (ذوال رعدا زکین ص ۲۸۶)

اخلاق و عادات

حضرت امام حسینؓ جس محترم اور بزرگ و برتر خاندان سے تھے چہرہ
 تھے اس کی جملہ صفات سے آپ نے حصہ وافر پایا تھا۔ بچپن ہی سے آپ
 نہایت خوش خلق اور بہت متہذبن و شائستہ واقع ہوئے تھے۔ بسیار گوی

سے نفرت فرماتے تھے۔ اپنی ان خصوصیات کی وجہ سے لوگوں میں مسجد مقبول تھے اور لوگ ان کا بڑا ادب کرتے تھے۔ اس کا اعتراف ان کے والد گرامی کے سب سے بڑے حریف حضرت معاویہؓ کو بھی تھا۔ چنانچہ ایک بار ایک شخص کو انہوں نے شام سے حضرت امام حسینؑ کی خدمت میں بھیجا اور اسے شناخت کے طور پر بتایا کہ جب تم مدینہ میں پہنچ کر مسجد نبویؐ میں داخل ہو گے تو وہاں تمہیں لوگوں کا ایک حلقہ نظر آئے گا اس حلقے میں لوگ اس قدر خاموشی اور وقار سے بیٹھے ہونگے جیسے ان کے سروں پر چڑیاں بیٹھی ہیں۔ بس تم سمجھ لینا کہ یہ حسینؑ کا حلقہ ہے۔ (ابن عساکر جلد چہارم ص ۲۲۲)

منکسر المزاجی

ایک طرف تو سنجیدگی اور وقار کا یہ عالم تھا اور دوسری طرف آپ حد درجہ منکسر المزاج بھی تھے کسی کام کے کرنے میں یا کسی مرتبے کے لوگوں میں بیٹھنے سے آپ کو کسی قسم کا کوئی عار نہ تھا۔ غریب اور فقرا سے بے تدبیرت فرماتے تھے۔ ایک روز کہیں تشریف لے گئے جا رہے تھے راستے میں کچھ غریب لوگ بیٹھے کھانا کھا رہے تھے انہوں نے جو آپ کو دیکھا تو دو دو سے ہونے لگے اور درخواست کی ہمارے ساتھ کھانا تناول فرمائیے۔ آپ بلا تھجک ان کے حلقے میں جا بیٹھے اور ان کے

دستر خوان سے روٹی کے ٹکڑے اٹھا اٹھا کر کھانے لگے۔ پھر ان سے فرمایا
 کہ خدا تعالیٰ ان پر درگاہے والوں کو ناپسند کرتا ہے۔ میں نے تمہاری دعوت
 قبول کر لی اب تم میری دعوت قبول کرو۔ چنانچہ دوسرے وقت انہیں
 اپنے گھر پر مدعو کیا اور انواع و اقسام کے کھانوں سے ان کی تواضع کی۔
 (ابن عساکر جلد چہارم ص ۳۲۲)

علاموں و رکنیہوں سے سلوک

سیدنا حضرت امام حسینؑ اس پیکرِ عفو و کرم کے نواسے تھے جسکی شان ہی یہ تھی
 اپنے بڑے سے بڑے دشمن کو بھی معاف کر دیا کرتے تھے چنانچہ مشہور واقعہ ہے کہ
 ایک بار اٹھائے راہ میں حضورؐ نے آدم کو بڑا چاہا۔ تلوار ایک درخت میں
 لٹا دی اور خود درخت کے نیچے لیٹ کر سو گئے۔ اسی دوران میں آپؐ
 کا ایک دشمن عوذت بن الحراثت ادھر آ نکلا۔ اس نے جو حضورؐ کو سوتا اور آپؐ
 کی تلوار کو درخت سے ٹکنا دیکھا تو بڑھ کر پہلے تو تلوار پر قبضہ کیا اور پھر آپؐ
 کو جگا کر بولا بتا محمد! (صلی اللہ علیہ وسلم) اب تجھے کون بچائے گا؟ حضورؐ
 نے بڑے وقار و نمکنت سے فرمایا۔ ”اللہ“ یہ سن کر اس پر ایسا اثر ہوا کہ حکرا گیا
 اور تلوار اس کے ہاتھ سے گر پڑی۔ حضورؐ نے بڑی تیزی سے بڑھ کر تلوار اٹھالی
 اور عوذت کو مخاطب کر کے فرمایا۔ بتا اب تجھے کون بچائے گا؟ عوذت
 کے پیروں کے نیچے سے زمین نکل گئی۔ اب وہ بے بس اور حضورؐ کے قبضہ

میں تھا اور آپ کی تلوار کا ایک وار اس کا رشتہ حیات منقطع کر سکتا تھا مگر حضورؐ نے یہ کہہ کر اپنا رخ دوسری جانب کر لیا کہ جا! محمدؐ انتقام نہیں لیا کرتا! (بخاری باب غزوہ ذات الرقاع)

✓ ایسی عالی ظرف شخصیت کے خاندان سے کہ افراد کو کیا ہونا چاہیے؟
 سیدنا حسینؑ اسی سوال کا جواب تھے۔ یوں تو آپؐ کے عفو و کرم کا دریا ہر ایک کے لئے جوش میں آجاتا تھا مگر جب مقابل غریب اور کمزور ہو تو آپؐ کی فطرت کا یہ جو ہر پوری شدت سے اپنی تابانی و درخشانی دکھاتا تھا۔ خصوصاً غلاموں اور کنیزوں پر آپؐ بے حد مہربان رہتے تھے ان کی کوتاہیوں کو عموماً معاف کر دیتے تھے اور ان کی نیکیوں پر بڑی حوصلہ افزائی فرماتے تھے۔
 چنانچہ ایک روز کا ذکر ہے کہ آپؐ کھانا کھا رہے تھے اور آپؐ کی ایک کنیز پانی کا پیالہ لئے قریب ہی کھڑی تھی کہ اتفاق سے پیالہ اس کے ہاتھ سے گرا اور ٹوٹ گیا۔ آپؐ کے پڑے بھی پانی سے تر ہو گئے۔ کنیز کی اس کوتاہی پر فطرتاً غصہ آنا چاہیے تھا۔ چنانچہ آپؐ نے اسے خشمگین نظروں سے دیکھا۔ وہیں کنیز نے فوراً کہا: "والکاظمین الغیظ" (متقی غصہ پی جلتے ہیں) آپؐ نے فرمایا کہ "کظمت غیظی" (میں نے اپنا غصہ پی لیا)

۱۔ حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے کنیز لکھا ہے لیکن بعض مورخوں اور تذکرہ نویسوں نے غلام کا لفظ لکھا ہے۔ (مؤلف)

کنیز لولی۔ وَالْعَافِينَ عَنِ النَّاسِ“ وہ لوگوں کو معاف کر دیتے ہیں، آپؐ نے فرمایا کہ ”عفوت عنک“ میں نے تجھے دل سے معاف کر دیا، اس پر کنیز نے کہا۔ ”وَاللّٰهُ يَجِبُ الْمُسْنِينَ“ واللہ تعالیٰ احسان کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے، آپؐ نے فرمایا کہ ”جا میں سے تجھے آزاد کر دیا۔“

(احوال ائمہ اثنا عشری از حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی)

حضرت انسؓ بن مالک راوی ہیں کہ ایک روز حضرت امام حسینؑ کی ایک کنیز نے خوش رنگ پھولوں کا ایک گلدستہ آپؑ کی نزدیکیا حضرت حسینؑ پھولوں کی بھینی بھینی مہاک سونگھ کر اس قدر مسرور ہوئے کہ آپؑ نے اس خوب رو کنیز کو مخاطب کر کے فرمایا ”جا! میں نے تجھے آزاد کیا۔“ یہ دیکھ کر حضرت انسؓ بڑے حیران ہوئے اور انہوں نے عرض کیا کہ ”یا حضرت! آپؑ نے پھولوں کے ایک معمولی گلدستہ پر ایسی عمدہ کنیز کو آزاد کر دیا حضرت امام حسینؑ نے فرمایا کہ ”قرآن حکیم میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ ”وَإِذَا حِیْتُمْ بِحِیْتَةٍ فَبِعَا بِأَحْسَنِ مِنْهَا وَمِنْهَا“ یعنی جب تمہیں کوئی تحفہ دے تو تم بھی اس طرح کا یا اس سے اچھا تحفہ دو۔ پس اس کے لئے سب سے اچھا تحفہ یہی ہو سکتا تھا کہ میں اسے اللہ کے لئے آزاد کر دوں۔“

جو دوسرا

حضرت امام حسینؑ کی سیرت کے پہلوؤں میں سے یہ پہلو خاص طور سے

نمایاں ہے کہ آپؐ محتاجوں اور ناداروں کے حال پر بے حد شفقت فرماتے
اور سائلوں کی حاجت روائی کرتے تھے۔ کوئی سوال کر بوالا آپؐ کے
دروازے سے محروم ہو کر نہیں گیا۔ محتاجوں کا اس قدر خیال رکھتے
تھے کہ خود ان تک پہنچنے اور ان کی امداد کرتے۔ حضرت امام بن العابدینؑ
کا بیان ہے کہ حضرت حسینؑ یتیموں اور یتیموں کے گھروں پر خود کھانا
پہنچاتے تھے اور اس کام میں اس قدر مشقت کرتے تھے کہ آپؐ کی
پٹھ پر نشانات پڑ گئے تھے۔

ایک روز ایک فقیر نے آپؐ کے دروازے پر حاضر ہو کر صدا
لگائی۔ اس وقت آپؐ نماز ادا کر رہے تھے فقیر کی آواز سن کر نماز
کو مختصر کیا اور دروازے پر تشریف لائے۔ دیکھا کہ سائل کے چہرے
اور لباس سے غربت کے آثار ظاہر ہو رہے ہیں۔ فوراً اپنے خادم کو
بلا کر دریافت کیا کہ ہمارے گھر میں کتنی رقم ہے۔ خادم نے عرض کیا کہ
دوسو درہم جو آپؐ نے اہل بیت کے لئے رکھے تھے وہ موجود ہیں
آپؐ نے فرمایا کہ وہ درہم لے آؤ۔ ایک ایسا شخص آگیا ہے جو
اہل بیت سے بھی زیادہ ان کا مستحق ہے۔ چنانچہ دوسو درہم کی وہ رقم
منگو کر اسی وقت سائل کو دے دی۔ یہی نہیں بلکہ اس سے معذرت
بھی کی کہ چونکہ اس وقت ہم تنگ دست ہیں اس لئے آپؐ کی

زیادہ خدمت نہیں کر سکے۔ (ابن عساکر جلد چہارم ص ۳۲۳)

ایک بار ایک ضرورت مند دیہاتی مدینہ آیا اور لوگوں سے پوچھا کہ یہاں سب سے بڑا سخی کون ہے؟ لوگوں نے حضرت امام حسینؑ کا نام بتایا۔ چنانچہ وہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپ کی شان میں تین شعر موزوں کر کے پڑھے۔ حضرت امام حسینؑ نے اپنے غلام سے فرمایا کہ گھر میں جو رقم موجود ہو وہ لاکر انہیں دے دو کیونکہ ایسا شخص اگر ہے جو ہم سے زیادہ حاجت مند ہے چنانچہ غلام وہ رقم ایک رومال میں پیٹ کر لے آیا جو آپ نے سائل کو عطا فرمادی اور اس کے اشعار کے جواب میں تین شعر بھی پڑھے کہ :-

”میں تمہیں محفوظی سی رقم دے رہا ہوں جس کے لئے معدت خواہ ہوں مگر یقین کرو کہ اگر میرے وسائل محدود نہ ہوتے تو تم دیکھتے کہ میرے جو دو سخا کا مینہ کس طرح برستا ہے۔“

سائل یہ سن کر رونے لگا۔ حضرت امام حسینؑ نے فرمایا کہ :-

”شاید تم اس لئے رو رہے ہو کہ میں نے تمہیں بہت کم رقم دی ہے؟“

اس نے جواب دیا کہ ”میں نہیں میرے رونے کی یہ وجہ نہیں ہے میں تو یہ سوچ کر رو رہا ہوں کہ ایسے سخی اور نیک دل لوگوں کو زمین کیسے کھا جائے گی؟“

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ بیت المال سے آپ کو کچھ رقم ملی۔ اسے لے کر آپ مسجد میں بیٹھ گئے اور انتظار فرمانے لگے کہ کوئی ضرورت مند آجائے تو اسے دیدوں۔ حالانکہ اس وقت خود آپؐ کی کیفیت یہ تھی کہ جو لباس زیب تن تھا اس میں کٹی جگہ پیوند لگے ہوئے تھے۔ آخر یہ حالت دیکھ کر ایک شخص سے نہ رہا گیا اور اس نے آپ سے دریافت کیا کہ :-

”اے جگر گوشہ رسولؐ! آپؐ کے لباس میں جگہ بہ جگہ پیوند لگے ہوئے ہیں۔ اس رقم سے آپؐ نئی عبا کیوں نہیں سلوا لیتے؟“

آپؐ نے جواب دیا کہ :-

”میں نے یہی بہتر ہے کہ میں اپنی آرائش پر خرچ کرنے کی بجائے ضرورت مندوں پر خرچ کروں۔“

مفروضوں اور مجبوروں کی اعانت

عام طور سے مال کو اپنی ضروریات پوری کرنے اور آرام و آسائش سے زندگی گزارنے کا ذریعہ سمجھا جاتا ہے مگر حضرت حسینؑ کے نزدیک مال کی یہ تعریف صحیح نہ تھی۔ آپؑ مال کو دوسروں کی ضروریات پوری کرنے، ان کی عزت و آبرو بچانے اور ان کے سکون قلب کے ذریعہ فراہم کرنے کا ذریعہ خیال فرماتے تھے۔

چنانچہ ایک بار رسول اللہؐ کے محبوب صحابی حضرت اسماء بن زیدؓ بیمار

ہونے جب حضرت حسینؑ کو معلوم ہوا تو آپؑ ان کی عیادت کے لئے
تشریف لے گئے۔ اس وقت حضرت اسامہؓ کی زبان پر یہ الفاظ جاری تھے
”واغماہ واغماہ“ راہ کتنا بڑا غم ہے۔ آہ کتنا بڑا غم ہے۔
حضرت حسینؑ نے دریافت کیا کہ اے میرے بھائی! آپ کو کس بات
کا غم ہے؟

حضرت اسامہؓ نے جواب دیا کہ موت سامنے کھڑی ہے اور میں
بہت سے لوگوں کا مفروض ہوں۔ اس فرض کی عدم ادائیگی کے سدے
نے سخت تکلیف میں مبتلا کر دیا ہے۔ حضرت امام حسینؑ نے فرمایا کہ
”آپ پریشان نہ ہوں اس فرض کی ادائیگی کا ذمہ میں لیتا ہوں۔“ حضرت اسامہؓ
نے کہا کہ مجھے اس بات کا خوف ہے کہ میں مفروض ہونے کی حالت
میں نہ مرجاؤں۔ حضرت امام حسینؑ نے انہیں تسلی دی کہ آپ صحت یاب
ہو جائیں گے۔ اور انہیں اطمینان دلایا کہ میں آپ کا فرض اسی وقت گھر
جلتے ہی ادا کر دوں گا چنانچہ وہاں سے واپس آکر حضرت اسامہؓ کے
قرعہ خواہوں کو بلایا اور ان کی ساری رقم اسی وقت ادا کر دی۔

ایک بار عرب کے مشہور شاعر فرزدق کو مدینہ کے گورنر مروان نے شہر
کودیا۔ وہ بھی اس حالت میں کہ بیچارہ بالکل تہی دست اور بے سروساں تھا
جب وہ حضرت امام حسینؑ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اپنی مصیبت بیان کی

تو آپ نے ایک گراں قدر رقم اسے عطا فرمادی حضرت امام حسنؑ کو اپنے بھائی
کی یہ لامحدود وجود و سخا پسند نہ تھی چنانچہ آپؑ نے انہیں سمجھایا کہ شہر عام طور
سے اسراف بجا کیا کرتے ہیں اس لئے انہیں اتنی بڑی بڑی رقمیں نہ دیا کرو۔
حضرت حسینؑ نے اس کے جواب میں فرمایا کہ :-

”ان خیر المال ما دق بہ العرض“ مال کا سب سے اچھا مصرف
یہی ہے کہ اس سے کسی کی عزت و آبرو محفوظ ہو جائے۔ (ابن ماجہ ج ۱ ص ۲۲۲)

صفائی قلب

اعلیٰ درجے کے مومن کی ایک نشانی یہ بھی بتائی گئی ہے کہ وہ اپنے
دل میں کسی کے خلاف کینہ نہیں رکھتا اور اگر کسی شخص سے رنجش پیدا ہو جائے تو
اسے جلد سے جلد اپنے دل سے نکال دیتا ہے یہ خوبی جو انسان سے جذبات
اور آن کی بہت بڑی قربانی چاہتی ہے سیدنا حضرت حسینؑ کے آئینہ سیرت
میں بھی عاف جھلکتی نظر آتی ہے۔ چنانچہ ایک بار آپ اپنے ایک بھائی
حضرت محمد بن الحنفیہؑ سے کسی بات پر ناراض ہو کر چلے آئے۔ آپ کے
جلنے کے بعد حضرت محمد بن الحنفیہؑ کے بعض دوستوں نے ان سے کہا کہ
حسینؑ اب تمہارے پاس کبھی نہیں آئیں گے۔ محمد بن الحنفیہؑ نے فرمایا کہ
”نہیں یہ بات نہیں ہے اگر تم کہو تو میں انہیں ابھی بلا کر دکھا دوں“ یہ کہہ کر اپنے
تلم دوات منگوائی اور مندرجہ ذیل خط حضرت امام حسینؑ کی خدمت میں لکھا۔

”اے برادرِ معظم! ہم دونوں کے والدِ محترم حضرت علی المرتضیٰؑ ہیں۔ اس لحاظ سے نہ مجھے آپ پر کوئی فضیلت حاصل ہے اور نہ آپ کو مجھ پر۔ لیکن ہاں آپؑ کی والدہ ماجدہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی تھیں اگر ساری دنیا کے زرو جو ابھر بھی میری ماں کے قبضہ و تصرف میں آجائیں تو بھی وہ ان کی ہم پاریہ نہیں ہو سکتیں پس اس لحاظ سے آپ کو مجھ پر فضیلت حاصل ہے۔ چونکہ فضیلت میں آپ مجھ سے بڑے ہوئے ہیں اس لئے میں چاہتا ہوں کہ آپ میرے پاس تشریف لائے میں بھی سبقت کریں اس لئے بھی کہ رسول اللہ کی ایک حدیث ہے کہ اگر دو مسلمانوں میں ناچاقی ہو جائے تو ان میں جو مصالحت کرنے میں سبقت کرے گا اللہ تعالیٰ اسے پہلے جنت میں داخل کرے گا۔ میری خواہش ہے کہ اپنی فضیلت کی وجہ سے جنت میں داخل ہونے میں بھی آپ ہی سبقت کریں، والسلام“

حضرت امام حسینؑ حضرت محمد بن الحنفیہ کا یہ خط پڑھ کر بہت ہی محظوظ ہوئے اور اسی وقت جا کر اپنے بھائی سے بغل گیر ہو گئے۔

عبادت و ریاضت

سیدنا حضرت امام حسینؑ ان قدسی نفوس لوگوں میں سے تھے جو عبادت الہی کو اپنی زندگی کا مقصد بنا لیتے ہیں اور جن کے نزدیک تمام تعلقات میں تعلق باللہ ہی مضبوط ترین تعلق ہوتا ہے وہ اس تعلق کو استوار کرنے میں اپنی زندگیاں

صرف کر دیتے ہیں اور جو دنیوی تعلقات قائم کرتے ہیں وہ بھی اس لئے تاکہ
 خلق باللہ کی مزید استواری کا موجب ہوں۔ زندگی کی بڑی سے بڑی دلچسپی
 اور دنیا کی بڑی سے بڑی دلکشی کلینتہ انہیں اپنی طرف متوجہ نہیں کر سکتی
 اور انہیں جب بھی موقع ملتا ہے اپنا سر نیاز بارگاہِ ایندی میں جھکا دیتے
 ہیں۔ وہ راتوں کو اٹھ اٹھ کر اللہ کی عبادت کرتے اور اس کی خوشنودی
 حاصل کرنے کی جدوجہد کرتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت امام حسینؑ نے
 بھی اپنی ساری زندگی رضائے الہی کے حصول اور عبادت الہی میں صرف
 کر دی۔ آپ کے دن تندریس دین میں اور راتیں قیام و سجود میں بسر
 ہوتیں۔ ایک روایت کے مطابق ہر نماز سے قبل تجدید و صلوٰۃ کرتے اور
 جب اللہ تعالیٰ کے حضور کھڑے ہوتے تو چہرے کا رنگ بدل جاتا اور
 خوف الہی کی وجہ سے جسم پر عیشہ طاری ہو جاتا۔ لوگوں نے جب آپ سے
 اس کیفیت کا سبب دریافت کیا تو آپ نے فرمایا کہ۔ لیساً من یوم القيمة
 الذی خاف اللہ فی الدنیا یعنی جو شخص دنیا میں خدا سے ڈرتا
 ہے وہ قیامت کے روز مومن ہوگا۔ (شہید الاسلام ص ۹)

دیکھنے والوں کا بیان ہے کہ حضرت حسینؑ اس قدر خشوع و خضوع اور
 تضرع سے عبادت کرتے کہ آپ کی آنکھوں سے آنسوؤں کی جھڑی
 بندھ جاتی اور آواز گلے میں اٹک اٹک جاتی۔ طویل طویل سجدے کرتے

اور گھنٹوں خدا کے حضور کھڑے رہتے۔ آپ کے لشوق عبادت کا اندازہ کرنے کے لئے یہ واقعہ کافی ہے کہ جب میدان کربلا میں سرکرہ کار زاد گرم ہونے میں صرف ایک رات باقی تھی تو آپؐ نے اس فرصت کو غنیمت جان کر یہ وقت عزیز اپنے عزیزوں و دوستوں اور اہل بیت کے ساتھ مل بیٹھنے میں صرف نہیں کیا بلکہ یہ ساری رات عبادت الہی میں گزار دی۔ اور جب مغرب میں غروب ہونے والے سورج نے مشرق سے سر اٹھایا تو سیدنا حسینؑ کو ذکر الہی میں مصروف و مشغول پایا۔

نماز کی طرح روزے سے بھی آپ کو خاص شغف تھا اور نفل روزے بکثرت رکھتے تھے۔ افطار ہمیشہ بہت سادہ طور پر کرتے یعنی کبھی صرف پانی، کبھی نمک اور کبھی خرمے سے روزہ کھول لیتے، ہر سال حج کو تشریف لے جاتے اور پیدل حج کرنے کو بہت بڑی سعادت سمجھتے حالانکہ بعض دفعہ آپ کے پاس اعلیٰ نسل کے گھوڑے ہوتے لیکن اللہ کے گھر کا راستہ پیدل طے کرنے کو مستحسن خیال فرماتے۔ ایک روایت کے مطابق آپؐ نے پایادہ پچیس حج کئے تھے۔

(تہذیب الاسماء جلد دوم ص ۱۶۳)

علم و فضل

جس ہستی نے ”مدینۃ العلم“ کے ہاتھوں میں پرورش پائی ہو ”باب علم“ نے

جسے خود تعلیم دی ہو صحبت رسولؐ کے تربیت یافتگان سے جس نے
براہ راست کسب فیض کیا ہو اس کو اگر علم و فضل کا بحر بکیراں کہا جائے تو
مبالغہ کیوں ہوگا؟ علمائے سیر و تاریخ متفق الرائے ہیں کہ حضرت امام حسینؑ
اپنے دور کے بہت بڑے فاضل انسان تھے۔ رالاستیعاب و اسد الغابہ
آپؑ کے معاصرین بھی آپ کے تبحر علمی کے معترف تھے اور آپؑ
کی فہمی بصیرت کے مدارج حیب کبھی کوئی علمی مشکل پیش آتی تو حل مشکل کے
لئے آپؑ سے رجوع کرتے تھے۔ چنانچہ ایک بار حضرت عبداللہ بن زبیرؓ
نے جو خود بڑے پائے کے عالم تھے اسیر کی رہائی کے سلسلے میں آپؑ
کی طرف رجوع کیا اور آپؑ سے پوچھا کہ "اے ابو عبداللہ! یہ آپؑ کی کنیت
میں قیدی کی رہائی کا ذمہ دار کون ہے؟" آپؑ نے جواب دیا کہ "جن
لوگوں کی حمایت میں لڑتے ہوئے دو گرفتار کیا گیا ان کا فرض ہے کہ
وہ اسے آزاد کرائیں۔" رالاستیعاب جلد اول ص ۱۳۸

ایک بار ایک شخص نے دریافت کیا کہ کھڑے ہو کر پانی پیئے میں
کوئی مضائقہ تو نہیں؟ آپؑ نے اسی وقت اونٹنی کا دودھ کھڑے ہو کر
پیا اور اس طرح اسے بتایا کہ کھڑے ہو کر پیئے میں کوئی مضائقہ نہیں۔

رالاستیعاب جلد اول ص ۱۳۸

ایک مرتبہ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کو دودھ پینے والے بچے کا وظیفہ مقرر

ہونے کے متعلق مسئلہ معلوم کرنے کی ضرورت پیش آئی۔ اس مسئلے میں بھی
 انہوں نے حضرت امام حسینؑ سے استفسار کیا آپؑ نے فرمایا کہ بطنِ ماؤ
 سے نکلنے کے بعد جب بچہ آواز دے اس وقت سے وہ وظیفہ کا
 مستحق ہو جاتا ہے۔ (استیعاب جلد اول صفحہ ۱۴)

علمِ حدیث میں بھی حضرت امام حسینؑ کا پایہ بڑا اونچا تھا چونکہ آپؑ کی
 صغیر سنی ہی میں رسول کریمؐ صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہو گیا تھا اس لئے
 حضورؐ کی صحبت آپؑ کو زیادہ میسر نہیں ہو سکی یہی وجہ ہے کہ آپؑ نے
 ایسی حدیثیں بہت کم بیان کیں جنہیں آپؑ نے براہِ راست حضورؐ سے
 سنا تھا۔ ایک روایت کے مطابق آپؑ نے ایسی سات حدیثیں بیان
 فرمائی ہیں جو براہِ راست رسول اللہؐ سے سنی تھیں۔ (تہذیب الکمال ص ۸۳)
 البتہ آپؑ کی بیان کردہ ایسی حدیثوں کی تعداد بہت کثیر ہے جو آپؑ
 نے مختلف صحابہ سے سنیں تھیں اور پھر علمِ دین کی یہ متاع عزیز و مفسرِ ناک
 پہنچائی۔ رسول اللہؐ کے علاوہ جن بزرگوں سے آپؑ نے حدیثیں سنیں ان
 میں حضرت علیؑ، حضرت فاطمہ الزہراءؑ، ہند بن ابی ہالہ اور حضرت عمر بن الخطابؓ
 کے اسمائے گرامی شامل ہیں۔ جن لوگوں نے آپؑ سے حدیثیں معلوم
 کر کے اپنے بعد آنے والوں کو اس نعمتِ غیر مترقبہ سے متمتع کیا ان میں
 حضرت امام حسنؑ، حضرت امام زین العابدینؑ (رضا جوادؑ) حضرت زیدؑ

ر صاحبزادی حضرت سکینہؓ اور حضرت فاطمہؓ (فرزند زادے) حضرت امام جعفرؓ
 شعبی، عکرمہ، کرزالتیمی، سنان بن ابی سنان والی، عبداللہ بن عمرو بن عثمان
 اور مشہور شاعر فرزدق قابل ذکر ہیں۔ (تہذیب التہذیب جلد دوم ص ۳۳۵)
 مشہور مورخ ابن اثیر کا بیان ہے کہ علم کی تعلیم و تدریس حضرت امام
 حسینؓ کا محبوب مشغلہ تھا۔ آپؓ کی یہ خوبی خاص طور سے قابل ذکر ہے
 کہ آپ ہر شخص سے اس کے مرتبے اور استعداد کے مطابق گفتگو کرتے۔
 اس طرح جو شخص آپؓ کے پاس جاتا آپؓ سے فیض اٹھائے بغیر واپس نہ آتا
 ابن عمرؓ روایت کرتے ہیں کہ حضرت حسینؓ علم کی ترویج و اشاعت اس طرح
 کرتے کہ حق ادا کر دیتے، لوگ بکثرت آپؓ کی خدمت میں حاضر ہوتے اور
 آپؓ کے پر حکمت کلمات اور عارفانہ تعلیم کو حفظ کر لیتے۔

(الحسین ص ۱۳۳ از علی حیدر الحسینی مصری)

آپؓ کی ہر بات سے علم کا چشمہ بھڑکتا اور آپؓ کی گفتگو حقائق و معارف
 کے ساتھ اخلاقی نکات اور سبق آموز حکایتوں سے مملو ہوتی۔ ایک بار آپؓ
 نے حضرت حسن بصریؒ رحمۃ اللہ علیہ سے گفتگو فرمائی یہ گفتگو اخلاقیات پر تھی۔ وہ
 آپؓ کے صلوٰۃ آشنا نہ تھے۔ اس لئے ایک غیر معروف شخص کی زبان سے
 یہ حکیمانہ اقوال سن کر حیران رہ گئے حضرت امامؓ کے تشریف لے جانے کے
 بعد حضرت حسن بصریؒ نے دریافت کیا کہ یہ کون صاحب تھے جب انہیں بتایا

گیا کہ یہ حسین بن علیؑ تھے تو ان کی زبان سے بیسیاختہ یہ الفاظ نکلے کہ تم نے ایک بڑی مشکل سے مجھے نجات دیدی، ان الفاظ سے آپ کا مطلب یہ تھا کہ اگر تم مجھے یہ نہ بتاتے کہ یہ حسین بن علیؑ تھے تو میری حیرت کسی طرح کم نہ ہوتی۔ اب جو تم نے مجھے بتا دیا کہ یہ حسین بن علیؑ تھے تو میری حیرت جاتی رہی کیونکہ انہیں ایسا ہی ہونا چاہیے تھا۔ (یعقوبی جلد دوم ص ۳۹۲)

علم کے ساتھ ساتھ آپ کو معلموں سے بھی بڑی محبت تھی اور ہمیشہ ان کی قدر و منزلت فرماتے تھے۔ عبدالرحمن اسلمی آپ کے بیٹوں کو تعلیم دیا کرتے تھے، ایک بار وہ آپ کے ایک صاحبزادے کو لے کر حاضر خدمت ہوئے اور عرض کیا کہ میں نے انہیں سورۃ فاتحہ حفظ کرا دی ہے۔ اس کے بعد صاحبزادے کو سورۃ سنلے کا حکم دیا حضرت امام حسینؑ سورۃ سن کہ بہت خوش ہوئے اور ایک گراں قدر رقم کے علاوہ بہت سے پارچات بھی انہیں عطا فرمائے۔ بعض لوگوں نے عرض کیا کہ آپ نے صرف ایک سورۃ حفظ کرانے پر اتنا کچھ دیدیا تو آپؑ نے فرمایا کہ "میں نے جو کچھ دیا ہے وہ ہرگز اس کے برابر نہیں ہو سکتا جو عبدالرحمنؑ نے میرے بیٹے کو عطا کیا ہے۔"

تعلیمات وارشادات

عقیدت مندان حسینؑ نے حضرت امام حسینؑ کی زندگی کا یہ پہلو نظر انداز کر دیا کہ آپ صرف پیکر شجاعت و استقلال اور مجسمہ تسلیم و رضا ہی نہ تھے بلکہ بہت بڑے

معلم اخلاق بھی تھے۔ ایک طرف تو آپ نے میدان کا نڈار میں تلواروں کے زیر سایہ
 کھڑے ہو کر دنیا کو یہ تعلیم دی کہ جب حق اور باطل میں مقابلہ درپیش ہو تو حق کی نصرت
 اور باطل کو ہر محبت دینے کے لئے سینہ سپر ہو جاؤ۔ اپنے عیش و آرام تہج دو۔
 اپنے دوستوں، عزیزوں اور انتہائی سہے کہ اولاد تک کو قربان کر دو اور پھر
 اپنی جان بھی راہ حق میں دے دو۔ مگر باطل کے سامنے ہر تسلیم خم نہ کرو۔ اپنے
 اصولوں کی آخری دم تک حفاظت کرو اور اس سلسلے میں کسی قسم کی سودا بازی
 سے کام نہ لو۔

دوسری طرف جب آپ گوشہ عافیت میں بیٹھے ہوئے تھے تو
 اپنے معاشرے کو سر بلند کرنے کی کوشش کر رہے تھے۔ اپنے قول اور
 فعل دونوں کے ذریعہ سے نہ صرف عرب یا عالم اسلام کو بلکہ سارے
 عالم کو ابدی مسرت و شادمانی کا پیغام دے رہے تھے۔
 جب ہم سیدنا حضرت امام حسینؑ کے پیغامات و ارشادات کا مطالعہ
 اور آپؑ کی تعلیمات کا تجزیہ کرتے ہیں تو اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ
 ہمارے معاشرے کا کوئی پہلو ایسا نہیں ہے جسے حضرت حسینؑ نے
 نظر انداز کیا ہو اور جس کے متعلق ہماری رہنمائی نہ کی ہو۔ آپؑ عظیم المرتبت
 روحانی رہنما بھی تھے اس لئے آپؑ کے پیش نظر انسانی زندگی کے دونوں
 پہلو تھے۔ دینی بھی اور دنیوی بھی۔ یہی وجہ ہے کہ آپؑ کی تعلیم زندگی کے

دونوں پہلوؤں کا احاطہ کئے ہوئے ہے۔

حضرت امام حسینؑ نے کوئی نئی تعلیم پیش نہیں کی۔ آپؑ کی تعلیم وہی ہے جو قرآن نے پیش کی جو رسول اللہؐ پیش کرتے رہے اور جو احادیث کی صورت میں آج بھی ہمارے سامنے موجود ہے۔ آپ اسی تعلیم کو لے کر آگے بڑھے اور اپنے منفرد رنگ میں اس کی تشریح و توضیح فرمائی۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حضرت امام حسینؑ نے اپنی زندگی کا مقصد ہی یہ بنالیا تھا کہ رسول اللہؐ کے مشن کو آگے بڑھایا جائے اور اسے کامیاب کرنے کے لئے فضا پیدا کی جائے۔ آپؑ کی یہ تعلیمات ان پر حکمت کلمات کی صورت میں جو آپؑ نے مختلف مجالس میں بیان کئے اور ان خطبات کی صورت میں جو مختلف مواقع پر ارشاد فرمائے۔ آج بھی ہماری رہنمائی کا فریضہ ادا کر رہی ہے۔

سیدنا حضرت حسینؑ اس عالی مرتبت باپ کے فرزند تھے جو فصاحت و بلاغت میں اپنا جواب نہ رکھتا تھا اور جو اعلیٰ تعلیم خطابت کا بادشاہ تھا۔ سیدنا حسینؑ نے اپنے عظیم المرتبت باپؑ کے اس ورثے میں سے پورا حصہ پایا تھا۔ آپؑ کے وہ خطبات جو آپؑ نے میدان جنگ میں ارشاد فرمائے تھے فصاحت و بلاغت، جوش بیان اور جلالت و عظمت کے اعتبار سے عربی ادب میں ہمیشہ زندہ و پابندہ رہیں گے۔ ان خطبات کے علاوہ آپؑ کے اور بھی بہت سے خطبات ہیں جن میں آپؑ نے اسلامی تعلیمات کا مغز پیش کیا

ہے۔ اخلاقیات کا درس دیا ہے۔ لوگوں کو خواب غفلت سے جگھڑا ہے۔ دینی اور مذہبی ترقیوں کے اسرار و رموز بیان کئے ہیں اور لوگوں کو پاکیزہ زندگی گزارنے کے طریقے بتائے ہیں۔ ان خطبات میں آپ کی شخصیت، آپ کے وسیع تجربات اور آپ کے علم تینوں کا بڑا حسین امتزاج پایا جاتا ہے۔ انسانیت کا درد بے غرضی اور عالی ظرفی جو سیدنا حسینؑ کے کردار کی تین بڑی خصوصیات تھیں، ان خطبات میں پورے رکھ رکھاؤ کے ساتھ موجود ہیں۔ یہ خطبات انسانی نفسیات کو براہ راست اپیل کرتے ہیں اور انہیں خطبات میں آپ کی تعلیمات کے گہرے اثرات کے آثار نمایاں ہیں۔ ایک نخلے میں آپؑ ارشاد فرماتے ہیں:-

”اے لوگو! نیکیوں کی جانب متوجہ ہو اور جو مواقع تمہیں ملیں ان سے جتنی جلدی ممکن ہو فائدہ حاصل کرو۔ دیکھو مواقع کو ضائع نہ ہونے دو، اگر تم چاہتے ہو کہ لوگ تمہیں کلمہ خیر سے یاد کریں اور تمہیں عظمت حاصل ہو تو یاد رکھو کہ اعمال نیک اور جو دوسخا اس کے سب سے بہتر ذریعے ہیں، ایک نیک کام خود بخود داد و تحسین حاصل کر لیتا ہے اور اس کا نیک انجام اس کے ساتھ ساتھ رہتا ہے۔“

مان! مرداری اسی کو ملتی ہے جو سعی و عمل اور جد جہد
 سے کام لیتا ہے بخل سے کام لینے والا شخص اپنی ذلت
 کے سامان خود فراموش کرتا ہے تمہیں معلوم ہے کہ سب سے
 بڑا فیاض کون ہے؟ وہ جو ایسے شخص کے ساتھ حسن سلوک
 کرے جس سے اسے کوئی امید نہ ہو کیا تم جانتے ہو کہ معاف
 کرنے والوں میں سب سے پسندیدہ کون ہے؟ وہ جس
 میں ہنر دینے کی طاقت ہو مگر اس کے باوجود بھی وہ معاف
 کر دے تمہیں معلوم ہے کہ صلہ رحمی سے پیش آنے والوں
 میں سب سے بہتر کون ہے؟ وہ جو ان لوگوں سے بھی
 صلہ رحمی کا ہر تاؤ کرے جو قطع رحمی کرتے ہیں! (تاریخ کبیر ص ۳۳۳)
 انسانی معاشرے کی ناہمواری دوز کرتے، دلوں کی کدو دہیں مٹانے
 امن و آشتی کی فضا پیدا کرنے انسان کو انسان کا حقیقی نمکسار بنانے دنیا میں
 کامیاب و بامراد زندگی گزارنے اور انسان کو صالح انسان بنانے کے لئے
 جتنی چیزوں کی ضرورت ہے حضرت امامؑ نے اپنے اس فاضلانہ اور
 پر حکمت خطبے میں سب بڑے موثر انداز سے بیان کر دیں، آپؑ کے اس
 خطبے کو دیکھ کر بلا خوف تردید کہا جاسکتا ہے کہ حضرت امام حسینؑ اپنے دور
 کے بہت بڑے مصلح تھے۔

نیکی کی تلقین

سیدنا حسینؑ کے زمانے میں آپؑ سے زیادہ اس نکتے کو اور کون سمجھ سکتا تھا کہ معاشرے کی فلاح، انسانی زندگی کی پاکیزگی اور روحانی مسرت کا تمام تر راز صرف اور صرف نیکی میں پوشیدہ ہے۔ نیکی اعمال ہی انسان کی دینی اور دنیوی ترقیوں کا سرچشمہ ہیں۔ یہی وہ جذبہ ہے جو تعمیر انسانیت میں بنیاد کا کام دیتا ہے اور یہی وہ ہتھیار ہے جو بدی کی تہذیب کاٹ دیتا ہے۔ سیدنا حسینؑ کے اس ارشاد کا سرچشمہ دراصل کتاب اللہ کی آیت ہے کہ
 إِنَّ الْحَسَنَاتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّئَاتِ ۖ أَفَبَشَكُّ نِعْمَتَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ
 (مُناذرتی ہیں)

نیکی کی تعریف کیا ہے؟ اس سوال کا جواب قرآن حکیم نے اس آیت میں دیا ہے۔

لیس البران تولوا وجوهکم قبل المشرق والمغرب لکن البر من امن باللہ والیوم الآخر والصلیة والکتب والنبیین والی المال علی حبه ذوی القربی والیتیمی والمسکین وابن السبیل	نیکی صرف یہی نہیں کہ تم اپنا منہ مشرق یا مغرب کی طرف کر لو بلکہ نیکی کا کمال تو یہ ہے کہ کوئی شخص اللہ تعالیٰ یوم آخرت ملائکہ واللہ کی کتاب اور تمام نبیوں پر ایمان لائے اور اللہ کی محبت کی وجہ سے رشتہ داروں
--	---

وَالسَّائِلِينَ فِي الرِّقَابِ وَأَقَامَ

قیموں، محتاجوں، مسافروں، سائلوں

الصَّلَاةَ وَآتَى الزَّكَاةَ وَالْمُوفُونَ

اور غلاموں کو آزاد کرانے والے

بِعَهْدِهِمْ إِذَا عَاهَدُوا وَالصَّادِقِينَ

سچے مال دے اور نماز کی پابندی

فِي الْبِائِسَاءِ وَالضَّرَّاءِ

کمرے اور زکوٰۃ ادا کرے اور جب

وَحَسِينَ الْبَائِسِ أُولَئِكَ

کسی سے عہد کرے تو اسے پورا

السَّادِقِينَ صِدْقًا وَأُولَئِكَ

کرے تنگ دستی کے ذمے میں

هَمُّ الْمُتَّقُونَ

اور بیماری میں اور زمانہ جنگ میں

(سورہ بقرہ پارہ ۲)

قوت برداشت سے کام لے یہی

لوگ سچے اور متقی ہیں

اللہ تعالیٰ نے اپنے مندرجہ بالا ارشاد میں بڑے حکیمانہ طریقے سے

مسلمانوں کے سامنے زندگی کا لائحہ عمل پیش کیا ہے اور انہیں بتایا ہے کہ

اسلام حقوق اللہ اور حقوق العباد کا نام ہے۔ ایمان صرف مغرب کی طرف منہ

کر کے سر پر سجود ہو جانے کا نام نہیں ہے اور نہ صرف حقوق العباد ادا کر دینے

سے ایمان کی تکمیل ہوتی ہے بلکہ اس کے لئے اللہ تعالیٰ کی عبادت اور

بندگانِ خدا کی خدمت دونوں ضروری ہیں اور یہی نیکی کا معیار ہے۔

حقوق العباد کے سلسلے میں اللہ تعالیٰ نے مندرجہ ذیل باتوں کو اہمیت دی ہے

رشتہ داروں سے صلہ رحمی کرنا، یتیموں کی دستگیری کرنا، محتاجوں کی

امداد کرنا۔ مسافروں کو مسافرت کی تکلیفوں سے نجات دلانا۔ سائلوں کے دست سوال کو خالی واپس نہ کرنا۔ غلاموں کو غلامی سے آزاد کرنا۔

سیدنا حضرت امام حسینؑ نے بھی اپنے متذکرہ خطبے میں مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ کے اسی ارشاد کی طرف متوجہ کیا ہے۔ آپؑ نے اپنے خطبے میں نیکی کے سلسلے میں جن باتوں کو اہمیت دی ہے وہ مندرجہ ذیل ہیں:-

نیکیوں کی جانب متوجہ ہو۔ نیکی کا کوئی موقع ہاتھ سے نہ جانے دو۔ سخاوت کرو۔ صلہ رحمی کرو۔ عفو و درگزر سے کام لو۔

”نیکی کا کوئی موقع ہاتھ سے نہ جانے دو“ صرف یہ الفاظ کہہ کر حضرت امام حسینؑ نے وہ تمام باتیں کہہ دیں جو قرآن حکیم اور اسلام کی تعلیمات کی رو سے ایک مسلمان کے لئے ضروری ہیں۔ اس میں والدین کی خدمت۔ رشتہ داروں سے صلہ رحمی۔ یتیموں کی دیکھ بھال۔ محتاجوں کی امداد۔ مسافروں کی حمایت۔ سائلوں کی اعانت اور غلاموں کو غلامی سے چھڑانا۔ غرض سارے پہلو شامل ہیں۔ اس قدر اختصار اور پھر اتنی بامعیت؟ یہ کلام حسینؑ کی منفردانہ خصوصیت ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ آپؑ نے انسانی نفسیات کو بھی پیش نظر رکھا ہے۔ آپؑ خوب جانتے تھے کہ انسانی فطرت کچھ اس قسم کی واقع ہوئی ہے کہ اپنے اچھے کاموں کی تعریف چاہتی ہے۔ حوصلہ افزائی انسان سے کام لینے کا سب سے موثر اور کارآمد طریقہ ہے۔ یہ نفسیاتی نکتہ

اُس نے اپنے اس خطبے میں بھی ملحوظ نظر رکھا۔ اسی لئے ارشاد فرمایا کہ ۔
 اگر تم چاہتے ہو کہ لوگ تمہیں کلمہ خیر سے یاد کریں اور تمہیں
 عظمت حاصل ہو تو یاد رکھو اعمال نیک اور جو دوسخا اس
 کے سب سے بہتر فرماتے ہیں :

موقع شناسی

حضرت امام حسینؑ کے اس خطبے میں جو ہم نے گذشتہ صفحات میں تاریخ کیر
 سے اخذ کیا ہے۔ دوسری چیز جس کی طرف ہماری رہنمائی کی گئی ہے وہ دنیوی
 ترقی سے تعلق رکھتی ہے۔ آپ کا یہ ارشاد کہ ۔

”جو مواقع تمہیں ملیں ان سے جتنی جلدی ممکن ہو فائدہ
 حاصل کرو۔ دیکھو مواقع کو ضائع نہ ہونے دو۔“

ان الفاظ سے جہاں نیکی کے مواقع مراد ہیں وہاں مقصود یہ بھی ہے
 کہ دنیوی ترقی کے جو مواقع تمہیں ملیں انہیں ضائع نہ ہونے دو۔ اور
 آپ کا یہ ارشاد ان لوگوں کے لئے تازیانہ ہے جو ہاتھ پیر ہاتھ دھڑکے
 بیٹھے رہتے ہیں حالانکہ ان کی زندگی میں سیکڑوں مواقع ایسے آتے ہیں کہ اگر
 وہ ان سے کام لیتے تو ان کی زندگی میں عظیم الشان انقلاب آجاتا۔ زندگی
 مواقع سے بھری پڑی ہے اور ایک مغربی مفکر کے بقول ”دنیا میں کوئی شخص ایسا
 نہیں جسے زندگی میں کم از کم ایک موقع نہ ملا ہو“ ضرورت موقع شناسی کی ہے

یورپ کا ایک دانشور آسٹن فلیپ کہتا ہے کہ:-

”مواقع کا ہوشیاری سے منتظر رہنا اور غفلندی و جرات کے ساتھ

ان سے کام لینا یقینی کامیابی کی ضمانت ہے“

وہ بات جو آسٹن فلیپ نے آج کہی سیدنا حضرت امام حسینؑ وہی بات

آج سے سو اتیرہ سو سال قبل فرما چکے ہیں جس میں تجربات و مشاہدات

کی ایک وسیع دنیا بند ہے۔ اور حقیقت یہ ہے کہ اگر ہم اس نکتے کو سمجھ

کر اس پر عمل بھی کریں تو ہماری زندگی ناکامیوں کی آماجگاہ بننے کے بجائے

کامیابیوں کا مرکز بن جائے کیونکہ مواقع ہی ہیں جو انسان کو بڑھنے اور ترقی

کرنے کا راستہ دیتے ہیں اور جو مواقع سے فائدہ نہیں اٹھاتا وہ گویا اپنی ترقی

کے راستے خود مسدود کرتا ہے۔ موقع کسی کا انتظار نہیں کیا کرتا وہ بڑی تیزی سے

گزر جاتا ہے اور جب ایک بار گزر جاتا ہے تو پھر کبھی واپس نہیں آتا۔ اس حقیقت

کو ایک مغربی ادیب مندرجہ ذیل تمثیل کے رنگ میں بیان کرتا ہے۔

”ایک شخص جو مجھے دیکھنے کا شائق تھا ایک مجسمہ ساز کے پاس گیا۔ جب

وہ اس کے کمرے میں داخل ہوا جس میں بہت سے مجسمے رکھے ہوئے تھے

تو اس نے دیکھا کہ ایک ایسا مجسمہ ہے جس کا چہرہ بالوں سے ڈھکا ہوا ہے اور

جس کے پیروں میں پوگے ہوئے ہیں۔ مجسموں کے شائق نے مجسمہ ساز سے پوچھا

کہ اس مجسمہ کا کیا نام ہے۔ اس نے جواب دیا کہ ”موقع“

اس شخص نے دریافت کیا کہ ”اس کا پیہرہ بالوں میں کیوں ڈھکا ہوا ہے؟“
 مجسمہ ساز نے کہا ”اس لئے کہ حبیب وہ انسان کو ملتے ہے تو وہ اسے
 بہت کم بچاؤ ہے۔“

تب اس شخص نے تیسرا سوال کیا کہ ”اس کے پیروں میں پیر کیوں لگے ہیں؟“
 مجسمہ ساز نے جواب دیا کہ ”اس لئے کہ وہ ہوا کی طرح غائب ہو جاتا ہے۔“
 اس دیکش تمثیل کے بعد حضرت امام حسینؑ کے اس پر صمت ارشاد کو پڑھئے کہ
 ”جو مواقع تمہیں ملیں ان سے جتنی جلدی ممکن ہو فائدہ حاصل
 کرو۔ دیکھو! مواقع کو ناسخ نہ ہونے دو۔“

ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے مغرب کے اس تمثیل نگار نے حضرت حسینؑ کے
 ارشاد کو تمثیل کے رنگ میں بیان کر دیا ہے۔

جہد و عمل

سیدنا حسینؑ کے اس خطبے کا تیسرا اہم پہلو رزم گاہ حیات میں سعی و
 عمل سے تعلق رکھتا ہے آپ خود جہد و عمل کا پیکر تھے اور آپ نے اپنی
 قوت عمل سے اسلام کی تاریخ کا رخ موڑنے کے لئے وہ کارنامہ انجام
 دیا جس کا اعادہ آپؑ کے بعد شاید ہی ہر سکا ہو۔ سیدنا حسینؑ کے یہ الفاظ کہ
 ”مردادی اس کو ملتی ہے جو سعی و عمل سے کام لیتا ہے“
 وسیع تجربے اور گہرے مشاہدے پر بھی مبنی ہیں۔ آپ کا دور اس دور سے

منصل تھا جب سرزمین عرب ان غیر متدن اور غیر شائستہ لوگوں سے آباد تھی جنہیں کسری کا ایک گماشتہ آکر بھڑوں اور بکریوں کی طرح بانکے سے جانا تھا۔

پھر اسی سرزمین کے باشندوں نے اسی کسری کا تخت و تاج الٹ دیا اور اس کے پرچم شوکت و اقبال کے پرزے پرزے کر دیئے۔ عربوں کی فتح و ظفر کا وہ سیلاب جو عراق و شام و ایران اور مصر کی طرف بڑھا حضرت امام حسینؑ اس کے بھی شاہد تھے اور بعض فتوحات میں آپؑ نے پیش قدمی کی۔ شرکت کی تھی۔ آپؑ نے اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا کہ جہد و عمل کی قوت ہی تھی جس نے ایک بے حقیقت قوم کو سردار می عطا کی۔ سرداری بھی ایسی جس کے سامنے بڑے بڑے جبار و قاهر سردار سرنگوں ہو گئے۔ اس تجربہ و مشاہدہ کے علاوہ قرآن حکیم کا یہ ارشاد بھی آپؑ کے پیش نظر تھا کہ :-

”لَیْسَ لِلْإِنْسَانِ إِلَّا مَا سَعَى (سورۃ النجم پارہ ۳۱)

(انسان کو وہی ملے گا جو اس نے کوشش کی ہوگی)

اللہ تعالیٰ نے بھی ان الفاظ میں بنی نوع انسان کو جہد و عمل کی تلقین کی ہے اور انہیں بتایا ہے کہ اگر تم جہد و جہد کرو گے تو تمہیں دینی اور دنیوی ہر قسم کی عزت و عظمت اور قوت و طاقت حاصل ہوگی لیکن اگر جہد و جہد سے کام نہ لو گے تو ذلت و رسوائی کے سوا کچھ باقی نہ آئے گا۔ ایک اور موقع پر حضرت امام حسینؑ فرماتے ہیں کہ :-

”اسی قدر ملنے کی توقع کرو جتنا کام کیا ہے“ (امیر المومنینؑ)

آپ کا یہ ارشاد بھی قرآن کریم کی اس آیت کی تفسیر ہے کہ :-

لَیْسَ لِلْإِنْسَانِ إِلَّا مَا تَشَاءُ (سورۃ النجم پارہ ۲۷)

۱۔ انسان کو وہی ملے گا جو اس نے کوشش کی ہوگی ،

غرض جہد و عمل کی تلقین کہہ کے آپ نے معاشرے کے ان افراد

کو خواب غفلت سے جھنجھوڑا جو بے کار کاموں میں اپنا وقت ضائع کر رہے

تھے یا جنہیں دولت کی فراوانی نے جہد و عمل کی قوت سے محروم کر دیا تھا۔

بجمل اور فیاضی

اللہ تعالیٰ قرآن حکیم میں فرماتا ہے کہ

الذین یجناون و جو لوگ خود بخود گمراہ ہوتے ہیں اور وہ مومن

یہاں مرون الناس یا بخل کو بخل کرنے کی ترغیب دیتے ہیں

وَسَكَتَ رَمَّا التَّمِيمُ اللَّهُ وَأَوْحَى كَيْدَ اللَّهِ فِي أَمْنِهِ رَمَّا قَتَلَ

[illegible]

من وصلہ را خدا تا کے دے رہا ہے کہ چپاے

لے گا فریت عذابا عہینا۔ ہیں تو ہم نے تا سیر گذاروں کے

رسورۃ النساء پا رہے ہیں۔ لے ذلیل کرنے والا عذاب تیار ہے۔

قرآن حکیم کے اس ارشاد کی رو سے بخل کرنے اور دوسروں کو بخل کی ترغیب

دینے والا دولت ناک عذاب کا مستحق ہے۔ سیدنا حضرت امام حسینؑ نے بھی
اپنے ارشاد میں یہی وعید سنائی ہے۔ آپ فرماتے ہیں :-
”بخل سے کام لینے والا شخص اپنی دولت
کے سامان خود فراہم کر لیتا ہے۔“

حضرت امام حسینؑ کے نزدیک انسان کا تصور بہت بلند تھا۔ آپ انسان
اس نیک دل اور حساس آدمی کو سمجھتے تھے جو دوسروں کو مصیبت میں دیکھ
کر اپنے زر و مال سے ان کی امداد کرے اور اپنی دولت ان پر یوں ٹھائے
جیسے وہ مٹی کی ٹھیکریاں ہیں۔ خود آپؑ نے ساری زندگی دوسروں کو تکالیف
اور مصائب سے نجات دلانے کے لئے روپے کو پانی کی طرح بہایا اور
ضرورت مندوں کو کبھی خالی ہاتھ واپس نہ کیا۔ خیریت یہ ہے کہ اگر کسی معاشرے
میں اس قدر سخی لوگ پیدا ہو جائیں تو اس کی جیبوں الجھنیں باسانی ختم ہو سکتی
ہیں۔ یہی وہ ہے کہ آپؑ نے لوگوں کو سخاوت کی بار بار تلقین کی مگر آپؑ کے
قریب سخاوت صرف اس کا نام نہیں تھا کہ کسی مصیبت زدہ کی مالی امداد
کر دی جائے بلکہ آپؑ سخاوت کا اس سے اعلیٰ اور بلند تصور رکھتے تھے
وہ تصور یہ تھا کہ :-

”تمہیں معلوم ہے کہ سب سے بڑا فیاض کون ہے ؟ وہ جو ایسے
شخص کے ساتھ حسن سلوک کرے جس سے اسے کوئی امید نہ ہو۔“

وہ بے نفسی اور بے غرضی جو حضرت حسینؑ کے کردار کا سب سے بڑا
وصف تھا۔ آپ کی تعلیم میں بھی صاف جھلکتا نظر آتا ہے۔ آپ چاہتے
کہ ایک انسان دوسرے کی مدد ہر قسم کی غرض سے بالا ہو کر کرے۔
کوئی شخص دوسرے کی مصیبت میں کام آئے وقت یہ مقصد پیش
رکھتا ہے کہ کل وقت پڑنے پر یہ بھی میری مدد کرے گا تو حضرت حسینؑ
کے نزدیک وہ حقیقی سخی نہیں ہے کیونکہ اس میں ایک غرض پوشیدہ
لیکن اگر کوئی شخص کسی ایسے شخص کی مدد کرتا ہے جس سے اس کو کوئی فائدہ
ہی نہ ہو تو بلاشبہ وہ سخاوت کی روح سے باخبر ہے اور ایسے ہی لوگوں
معاشرے کی تعمیر ہوتی ہے۔ سیدنا حسینؑ اپنی بلند پایہ اور پاکیزہ تعلیم
ذریعے ایسے ہی قدسی نفس لوگ پیدا کرنا چاہتے تھے۔

عفو و درگزر

اسلامی تعلیم کا بڑا جتنہ عفو و درگزر کی تلقین سے عبارت ہے
حکیم میں اس کی بابت تاکید کی گئی ہے :
وَمِنْ صَبْرٍ وَخَفَرٍ ذَالِكَ مِنْ عِزِّ الْأُمُورِ
جس نے صبر کیا اور عفو و درگزر سے کام لیا تو یہ بیشک بڑی ہمت
کے کاموں میں سے ہے اور رسول اللہؐ نے اپنے بدترین دشمنوں کو
معاف کر کے اس کی عملی تعلیم دی سیدنا حسینؑ جو لو اسے رسولؐ ہونے سے

ماتمہ ساتھ اپنے عہد میں منشاۓ اسلام کو سب سے بہتر طریقے سے
 سمجھنے والوں میں سے تھے اس نفسیاتی نکتے سے بخوبی واقف تھے کہ انتقام
 دلوں کو عبرت ضرور دلاتا ہے اور وقتی طور پر خوفزدہ بھی کر دیتا ہے مگر اس
 سے قلبی تبدیلی نہیں آ سکتی بلکہ انتقام کا یہ جذبہ انتقام لینے والے کی خلاف
 احساس تنفر بھی پیدا کرتا ہے۔ معاف کرنا اور درگزر سے کام لینا دوسروں
 کے دل موہ لینے کا سب سے موثر طریقہ ہے اور آپؐ نے خود بھی اسی
 طریقے پر عمل کیا چنانچہ ایک بار اپنے چند عقیدت مندوں کے ساتھ آپؐ
 کہیں تشریف لے جا رہے تھے کہ راستے میں ایک بدو سے ملاقات
 ہوئی۔ اس نے دریافت کیا کہ تم ابو طالب کے پوتے ہو، آپؐ نے
 فرمایا "ہاں" یہ سن کر وہ سیدنا حضرت علیؑ کی شان میں نازیبا کلمات
 استعمال کرنے لگا۔ آپؐ کے سامنے اسے اس گستاخی کی سزا دینے کے
 لئے جھپٹے مگر آپؐ نے کئے بڑے کمزور اُنہیں روک دیا اور اس کے
 ساتھ اس قدر حسن اخلاق کا مظاہرہ کیا کہ وہ شرمسار ہو کر آپؐ کے پیروں پر
 گر پڑا۔ حالانکہ اس وقت آپؐ کے ساتھ عقیدت مندوں کی ایک کثیر تعداد
 تھی جو بغیر آپؐ کے اشارے کے اس بدو کی طرف بڑھی تھی تاکہ اسے
 اس کی گستاخی کا مزہ چکھائے مگر سیدنا حضرت حسینؑ نے طاقت رکھتے ہوئے
 بھی انتقام نہیں لیا اور عفو و درگزر کو ترجیح دی پھر آپؐ نے اس عفو و درگزر

کا خوش گوار نتیجہ بھی دیکھا غرض قرآن کے وسیع مطالعے اس پر تدبیر و تدبیر اور ذاتی مشاہدات و تجربات سے متاثر ہو کر آپؐ نے فرمایا کہ :-
 "کیا تم جانتے ہو کہ معاف کرنے والوں میں سب سے زیادہ
 پسندیدہ کون ہے؟ وہ جس میں ہنر دینے کی طاقت ہو مگر
 اس کے باوجود بھی وہ معاف کر دے" (تاریخ کبیر ص ۳۳۳)

ایک اور خطبے کا اقتباس ذیل میں درج کیا جاتا ہے :-
 "اے بندگِ ابنِ خدا! جب تمہیں معلوم ہو کہ فلاں شخص کسی
 کی عزت و آبرو کے درپے ہے تو اس سے محفوظ رہنے کا
 سب سے بہتر طریقہ یہ ہے کہ اس سے دور دور رہو۔ یاد رکھو
 تمہاری عزت و ناموس کئے لئے زیادہ خطرہ انہیں لوگوں سے
 ہے جو تمہارے معاملات کے محرم راز ہیں۔"

ایسے کام کی ذمہ داری نہ اٹھانا جس کے انجام دینے
 کی اہلیت تمہارے اندر نہ ہو اور کبھی ایسی چیز حاصل کرنے
 کی کوشش نہ کرو جس کا سمجھنا اور حاصل کرنا تمہارے بس
 کا روگ نہ ہو۔ کبھی ایسا وعدہ نہ کرو جس کا ایفا تم سے ممکن
 نہ ہو۔

خرج کہتے وقت اپنی گنجائش اور ضرورت کا خیال رکھا کرو

اسی قدر صلے کی توقع کرو جتنا کام کیا ہے۔

سب سے زیادہ سکون اطاعت الہی میں خوش رہنے

سے حاصل ہوتا ہے۔ (امرار الحکماء ص ۹)

اس سے پہلے خطبے میں حضرت امامؑ نے اجتماعی جدوجہد اور اجتماعی
تواجد کے سلسلے میں عالم انسانیت کی رہنمائی فرمائی تھی لیکن مندرجہ بالا
بہ تمام تر شخصی یا انفرادی جدوجہد اور انفرادی عزت و شرف کے بارے
میں ہے اور اس خطبے میں آپؑ نے فرد کی ذاتی کامیابی اور معاشرے میں اس
کی عزت و عظمت کے متعلق بعض بڑے بلیغ نکات بیان فرمائے ہیں۔ یہ نکات
بھی آخر کار پورے معاشرے کی بہبود پر منتج ہوتے ہیں۔

ازدواں کا انتخاب

انسان کو اکثر اوقات سب سے زیادہ نقصان انہیں اشخاص سے
پہنچتا ہے جن سے اس کی راہ و رسم ہوتی ہے۔ راہ و رسم ہی لوگ فاش کرنے
میں جو راہزواں ہوتے ہیں۔ جو محرم راہ و رسم ہوں وہ راہ کیسے فاش کر سکتے ہیں۔
یہ وہ حقائق ہیں جنہیں انگریزی میں (UNIVERSAL TRUTH) کہتے
ہیں جو کسی ملک، قوم یا نسل سے مخصوص نہیں ہوتے بلکہ وہ آفاقی حقائق
کہلاتے ہیں۔ حضرت امامؑ کی تعلیم کی ایک بڑی خصوصیت یہ ہے کہ آپؑ ملک
قوم اور نسل سے بلند ہو کر تعلیم دیا کرتے تھے۔ چنانچہ اس خطبے میں بھی آپؑ کی خصوصیت

بدلتے آتم پائی جاتی ہے اور آپ کے اس ارشاد سے کہ :-

”یاد رکھو تمہاری عزت و ناموس کے لئے سب سے زیادہ خطرہ

ان لوگوں سے ہے جو تمہارے معاملات کے محرم راز ہیں۔“

بلا امتیاز مذہب و ملت ہر شخص استفادہ کر سکتا ہے یہ نکتہ تبلیغ بیان فرما کر

آپ نے لوگوں کو بتایا ہے کہ اپنے معاملات کا راز دہاں صرف ان ہی لوگوں کو بتانا

جن کے متعلق تمہیں سو فی صد یقین اور جن کی شرافت و نیکی پر مکمل اعتماد ہو۔

انتخابِ کار

دنیا کے ناکام و نامراد انسانوں کی زندگی کا اگر غور سے جائزہ لیا جائے تو

ان میں سے اکثر کی ناکامی کی ایک وجہ یہ بھی نظر آئے گی کہ انہوں نے ایسے

کاموں میں ہاتھ ڈالا جن کے لئے وہ پیدا نہیں کئے گئے تھے۔ ہر شخص کو اللہ

تعالیٰ نے مخصوص صلاحیتیں دے کر پیدا کیا ہے۔ رجحان طبع اور فطری صلاحیت

کو نظر انداز کر کے زندگی کے کسی شعبے میں ترقی ممکن نہیں۔

حضرت امامؑ نے اپنے خطبے میں دوسرا نکتہ یہ بیان کیا ہے کہ ہر کام شروع

کرنے سے پہلے دیکھ لو کہ تم میں اس کام کو انجام دینے کی قوت و اہلیت

بھی موجود ہے یا نہیں ایسا نہ ہو کہ تمہاری عمر عزیز بھی ضائع ہو جائے اور

کام بھی پائیہ تکمیل کو نہ پہنچ سکے۔ اور اسی خطبے کے یہ الفاظ کہ :-

”اور کبھی ایسی چیز حاصل کرنے کی کوشش نہ کرو جس کا سمجھنا اور

حاصل کرنا تمہارے بس کا روگ نہ ہو۔“
 دراصل اسی نکتے کی تفسیر ہے حقیقت یہ ہے کہ اگر آپ نذر سے لکھنے
 کے قابل اس نکتے کو ہم گزرا ہوا دیکھ لیں تو ناکامی کا لفظ واقعی ہماری لغت
 سے خارج ہو جائے۔

اس خطبے کا ایک اہم حصہ آپ کا وہ ارشاد ہے جس میں آپ نے خانگی
 کشمکش اور اقتصادی بد حالی پر قابو پانے کا راہ بیان فرمایا ہے۔ آج ہمیں یہ
 باتیں شاید اتنی اہمیت کی حامل نظر نہ آئیں کیونکہ سماجی اور اقتصادی علوم پر ہر
 زبان میں بیش از بیش کتابیں لکھی جا چکی ہیں لیکن تصور کیجئے اس زمانے کا جب
 نہ ٹریچر تھا اور نہ درس و تدریس کی عظیم الشان یونیورسٹیاں نہ تعلیم کے وہ جامع
 نصاب تھے جو آج ہمارے سامنے ہیں اور نہ معاشرتی علوم کی تعلیم و تعلم کا کوئی
 انتظام تھا بلکہ لوگ ان علوم سے آشنا بھی نہ تھے۔ اس دور میں حضرت امام حسینؑ
 نے فرمایا کہ:-

اسراف بیجا

”خرچ کرتے وقت اپنی گنجائش اور ضرورت کا خیال رکھا کرو۔“
 حقیقت یہ ہے کہ ہماری بہت سی مشکلات آمد و خرچ میں عدم توازن کی
 بنا پر پیدا ہوتی ہیں اور ہماری یہ خواہش کہ دنیا کی ساری آسائشیں ہمیں
 حاصل ہو جائیں اور ہماری ہر آمد و پوری ہو جائے یہیں ایک بڑے اقتصادی

بحران سے دوچار کر دیتی ہے جس سے نہ صرف گھر کا امن و سکون برباد ہو جاتا ہے بلکہ رفتہ رفتہ ہماری شخصی عزت و وقار بھی بخر و برباد ہوتا ہے اور دل و دماغ بھی ماؤف ہو کر رہ جاتے ہیں لیکن اگر ہم خرچ کرنے وقت اپنی گنجائش کو مد نظر رکھیں اور یہ بھی سوچیں کہ آئندہ بھی کچھ ضروریات پیش آنے والی ہیں تو نہ صرف یہ کہ گنجائش کے مطابق خرچ کریں بلکہ کچھ آئندہ کے لئے پس انداز بھی کر لیں۔ قرآن حکیم میں بھی اللہ تعالیٰ نے اس نکتے کی طرف واضح الفاظ میں اشارہ فرمایا ہے۔

کُلُوا وَاشْرَبُوا وَلَا تُسْرِفُوا إِنَّهُ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِينَ (سورۃ الاعراف پارہ ۱)
 رکھاؤ اور پیو مگر اسراف بیجا نہ کرو۔ اللہ اسراف بیجا کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا
 گو یا اللہ تعالیٰ نہ اپنی جان پر سختی کرنے اور بخل سے کام لینے کی اجازت دیتا ہے اور نہ اس قدر کشادہ دستی کہ انسان دوسروں کے سامنے ہاتھ پھیلاتے پر مجبور ہو جائے بلکہ میانہ روانی کی تعلیم دیتا ہے اور سیدنا حضرت امام حسینؑ نے بھی اپنے ارشاد و استاد اور خود اپنے مل سے قرآن کریم کی اس تعلیم کی تفسیر و تشریح فرمائی۔ یہ حضرت امام حسینؑ کی تعلیم کے چند پہلو ہیں۔ ورنہ یہ سفینہ پابھیے اس بحر بیکاروں کے لئے

اب آپ کے پر حکمت کلمات کے اقتباس و انتخاب پر یہ مضمون ختم کیا جاتا ہے۔ آپ فرماتے ہیں۔

محمل اور بردباری انسان کی سیرت میں شائستگی اور راستگی پیدا کرتی ہے۔ مروت کی تعریف ایقانے عہد ہے۔ صلہ رحمی خدا تعالیٰ کی بہت بڑی نعمت ہے جو شخص اس نعمت سے محروم ہے وہ انسانیت سے محروم ہے۔

حرص اور بسیار طلبی ناپسندیدہ ہی نہیں باعثِ ہلاکت بھی ہے۔ ہر کام میں عجلت بیوقوفی ہے اور بیوقوفی انسان کی سب سے بڑی کمزوری کا نام ہے۔ برائیوں کا سرچشمہ رذیل اور پست ذہنیت انسانوں کی صحبت ہے اور ایسے لوگوں کے ساتھ اٹھنا بیٹھنا خود تمہارے کیریکٹر کو بھی مشکوک کر دیتا ہے۔^{۲۵}

شاعری

سیدنا حضرت امام حسینؑ نے شاعری کو بحیثیت فن کبھی اختیار نہیں فرمایا اور نہ کبھی اپنے کلام کو حج کرنے کا التزام کیا مگر چونکہ فطرت کی طرف سے طبع موزوں اور ذہن رسالے کو لے تھے اور شدتِ احساس کی دولت سے مالا مال تھے۔ اس لئے حسینؑ واقعات و مناظر سے متاثر ہو کر آپ پر شاعرانہ کیفیت طاری ہو جایا کرتی تھی۔ اس عالم میں زبان پر بے ساختہ کلام موزوں جاری ہو جاتا تھا۔ یہ کلام انتہائی پاکیزہ اور فصاحت و بلاغت کے اعتبار سے اتنا بلند پایہ ہوتا تھا کہ بڑے بڑے قادر الکلام اور نازک خیال

شاعر بھی اُسے سن کر سرد مہنت تھے۔ حضرت امام کی شاعری ادب برائے
ادب کی نہیں بلکہ ایسے ادب کی علمبردار تھی جس کا مقصد انسانیت کی سر بلندی
تھا۔ آپ نے اپنی شاعری کے ذریعہ سے اخلاق و عادات کی اصلاح کا
فریضہ ادا کیا۔ اس قدر سرمایہ جمع کرنے سے جو انسان کو خدا سے غافل کر دے
اور بندگانِ خدا کے حقوق سلب کرنے کا موجب ہو آپ نے اپنے حکیمانہ
اشعار کے ذریعہ سے روکا۔ موت کے پوہیت مناظر سے ڈرا کر پاکیزہ اور
اور رضاے الہی کے مطابق زندگی گزارنے کی تعلیم دی۔ کہیں جنت کے
مناظر کو شاعرانہ رنگ میں بیان کر کے لوگوں کو اعمالِ نیک انجام دینے کی
تلقین فرمائی۔ کبھی میدانِ جنگ میں اپنے رجزیہ اشعار سنا کر اپنے ساتھیوں
میں شجاعت پیدا کی۔ کبھی اپنے تاثر انگیز اشعار کے ذریعے سے دشمن کو مظالم
سے باز رہنے کی تنبیہ فرمائی۔ پھر کمال یہ ہے کہ کسی جگہ شعریت کو مجروح نہیں
ہونے دیا۔ جو ش بیان نزاکتِ خیال اور شدتِ احساس آپ کے کلام کی
ایسی خوبیاں ہیں جن کا انکار ممکن ہی نہیں۔ ان خوبیوں کے امتزاج سے وہ
خوبی پیدا ہوتی ہے جسے اثر پذیری کہتے ہیں اور جو شعر کی جان ہے جس کے
بغیر شعر ایک ایسا قالب ہے جو روح سے محروم ہو۔ قادرِ الکلامی آپ کے
ہر شعر سے ظاہر ہوتی ہے بلاشبہ سیدنا حسینؑ کا کلام عربی ادب کے سرمایے میں
بلند ترین جگہ پائے کا مستحق ہے۔

افسوس کہ امتدادِ زمانہ کے ہاتھوں آپ کا پاکیزہ و پر حکمت کلام ضائع ہو گیا اور اس کا بہت قلیل حصہ ہم تک پہنچ سکا۔ ذیل میں اس قلیل کا ایک مختصر انتخاب درج کیا جاتا ہے۔

مصائب کے موقع پر بندوں کے بجائے اللہ تعالیٰ سے رجوع کرنے اور اسی پر توکل کرنے کے متعلق فرمایا۔

اذا ما عضك الدهر تنجيم الى خلق ولا تسل سوى الله تعالى قاسم الرزق
دنیا کی طرف سے جب تمہیں تکلیف پہنچائی جائے تو سوائے اللہ تعالیٰ کے جو روزی رساں ہے اور کسی کے سامنے دست سوال دراز نہ کرو۔

فلو عشت وطوت من الغرب الى الشرق لما صادفت من يقدر ان يعيد اولي شقي
اگر تمہیں زندگی بھی مل جائے اور مشرق سے لیکر مغرب تک ہو بھی آؤ تب بھی تمہیں کوئی ایسا نہیں ملے گا جو خوش بخت یا بد بخت بنائیکی قدرت رکھتا ہو۔

فقر واستغنى کے متعلق فرماتے ہیں۔

دع المحرم عن الدنيا وفي العيش فلا تطمع ولا تجمع من المال
دنیا کی حرص و ہوس اور زندگی کی آرزوؤں میں مبتلا نہ ہو اور صرف مال زرا اکٹھا کرنے میں مصروف نہ رہ

فلا تدري لمن تجتمع
منان الرزق مقبوم
وسوء الظن لا تنفع

کیا معلوم تیرا جمع کیا ہوا کس کے کام
اُسے گا (یعنی تو اس سے فائدہ اٹھا بھی
سکے گا) تیرے حصہ کا رزق تو مقدم
کو دیا گیا پھر بدظنی سے کیا فائدہ۔

ففتیر" کل ذی حرص
عنی کل من یقتنع

فقیر وہ ہے جو حرص میں اسیر ہے
اور امیر وہ ہے جو مستغنی ہے

ذیل کی نظم اسلام کی تعلیمات کا پتہ دے ہے اور اس میں حضرت امامؑ
نے وہ خصوصیات بیان کی ہیں جو انسان کو بہت سے فتنوں سے بچاتی اور
اسے دنیا میں سربلند اور عقبیٰ میں سرخرو کرتی ہے۔

ما یحفظ الله یمن ما یضع الله یجمن جس چیز کی حفاظت اللہ تعالیٰ کرے
وہ ان ہی چیزوں کے ذریعہ سے
اخی اعتبار لا تعد رکیف تری صرف لرفن محفوظ ہو جاتی ہیں جو اللہ نے مقرر
تجری مما ۱تی من فعل قبیح او حسن کر دی ہیں جسے اللہ تعالیٰ نیک بنادے
افلح عند کشف لخطا عند ففطن اس کے لئے زمانے کی ناموافقت
وقر عینا من رائے ان البلاء فی اللسن موافقت میں تبدیل ہو جاتی ہے۔

فما من الفاظہ فی کل وقت و وزن اے بھائی عبرت حاصل کرو صو کے
وخاف من لسانہ عند یا حدیداً فحزت میں نہ آئے زمانے کے نشیب و فراز

ومن یکن معتصماً باللہ ذی العرش الملقن کو دیکھو افعال قبیح کا بدلہ قبیح اور
 یضرہ شی ومن یندی علی اللہ ومن افعال نیک کا بدلہ نیک ملا کر یہ ہے
 من یا من اللہ یخف و خائف اللہ امن جس کی نظروں کے سامنے سے حجاب
 وما لما بثمرۃ الخوف من اللہ شمن اٹھ گئے اور اس نے عقل و خرد سے
 یاء الہم السرکما یعلم حقاً ما علمن کام پیا تو جان سے کہ وہ فلاح پیا
 صلی علی عبدی ابی القاسم ذی النور الملقن بھی ہو گیا اور اس حقیقت کو بھی
 اکرم من الحی ومن لفتہ عینا من کفن سمجھ گیا کہ بسیار گوئی ایک مسعیت
 وامن علینا بالرحمۃ وانت اهل للمن سب را ایسا شخص، جب گفتگو کر بیجا
 واعفنا فی دیننا من کل شیء وامن تو مرد واپس الفاظ کے نتائج و
 ما خاب من خاب من یوما الی الدنیا لیکن عواقب کو پر کرے گا اور اپنی زبان
 طوبی لعبد کشف عنہ عنایات الرسن کی کاٹ سے خوف کھاتا رہے گا۔
 الموعد اللہ ما یقضی بہ اللہ لیکن اور جو شخص اللہ تعالیٰ سے جو عرش
 کا مالک ہے معتصم رہے گا اسے کوئی چیز نقصان نہیں پہونچا سکے گی اور
 ایسا کون ہے جو خدا کے لئے بناوت کرے۔ دنیا کے خوف میں گرفتار وہی ہوگا
 جو خدا سے ڈرنا چھوڑ دے گا اور وہ امن میں رہے گا جو خدا سے ڈرتا رہے گا
 اسے ظاہر و باطن سے باخبر ہمارے جبر علی ابوالقاسم صلعم پر جو صاحب نور
 ہیں رحمت نازل فرما زندہ شخص پر اور اس پر جو کفن میں لیٹا گیا اپنا کرم نازل فرما

اور اپنی رضا مندی کے ذریعے سے ہم پر احسان فرما کیونکہ تو ہی احسان کرنے والے
 ہے اور ہمیں ہر برائی اور نقصان سے محفوظ کر سب سے زیادہ محروم وہ
 ہو ا جس نے دنیا پر اختیار کیا۔ کیسی اچھی حالت ہے اس کی جس کے سامنے
 سے حجاب غفلت اٹھا دیئے گئے نیک لوگوں کیلئے اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے
 اور ہوتا ہی ہے جو اللہ تعالیٰ کرنا چاہتا ہے۔

جنت کی خوبصورتی اور حصول جنت کی تحریک کے متعلق آپ نے
 شاعرانہ اور حکیمانہ انداز میں فرمایا۔

ستورہا النور والارکان من ذهب اس کے پردے نور سے بنائے
 والفرش استبرق خضر حواشیرھا گئے ہیں اور ستون سونے کے۔
 فمن یرد شراھا مع تقتلھا اس کا فرش استبرق کہے اور
 فلیس یدتر بد و اہم الصبح یسیرھا اس کے کنارے سبز ہیں اگر کوئی
 شخص غریب ہوئے کے باوجود اسے خمیدہ ناچاہتا ہو تو اسے چاہیئے کہ
 راتیں عبادت میں گزار دے یہاں تک کہ صبح ہو جائے۔

اپنی صاحبزادی سکینہ اور اپنی بیوی ربائبہ کی محبت میں فرماتے ہیں

لعمرك اننی لاحب دارا قسم ہے تیری جان کی کہ مجھے اس گھر سے
 تكون نبھا سکینۃ والرباب محبت ہے جس میں سکینہ اور ربائبہ کا سکنا
 احبہما وابدل حبل مالی ہو میں ان دونوں سے محبت کرتا ہوں اور

ولایہ لعاتب عندی عتاب ان کے لئے اپنی ساری فرائض سے
سکتا ہوں اور میں کسی کی غلامت کی کوئی پرواہ نہیں کرتا۔

اپنی زندگی کے آخری دن میدانِ کربلا میں مندرجہ ذیل اشعار نظم فرمائے
وان تکتب الاموال للترك جہرہا اور اگر مال دنیا اس لئے جمع کیا جاتا ہے کہ
فما بالی متروک بہ المرء یجئل آخر کار انسان اسے چھوڑ کر دنیا سے چلا
وان تکتب الاجساد للموت الشئت جاسے تو کیوں اس چیز کو دینے میں بخل
فقتل الفتی بالنسیت فی اللہ اجمل کرتا ہے جو اس سے لے لے لی
جاٹے گی۔ اگر سارے جسم مرنے کے
لئے پیدا کئے گئے، گئے ہیں تو
سب سے اچھا وہ جو اس مرد ہے
جو خدا کی راہ میں قتل ہو جائے۔

کہ بلا کا معرکہ کا رزا گرم ہونے سے پہلے نماز فجر کے بعد اپنی تلوار
صاف کرتے ہوئے مندرجہ ذیل شعر ارشاد فرمائے۔

یاد ہر آنک من خلیل اے دنیا تو کیسی بے وفادوست ہے۔
کہ لک بالاشراق والاصیل صبح و شام تیرے ہاتھ سے کتنے لوگ
من صاحب او طالب قتیل قتل ہوئے ہیں اور دنیا کسی سے کوئی

والدھر لا یقنع بالبدیل
 واسما الامر الی الجلیل
 وکل حتی سالک السبیل
 جہزہ ہے دراصل موت کے جادے
 چو گامزن ہے۔

میدان کربلا میں جب آپؐ کا جاں نثار شہید ہو گیا تو اس کی لاش پر پہنچ کر آپؐ نے مندرجہ ذیل شعر پڑھے۔

نعم الحُرَّ حُرِّ بَنی رِیاح
 صبور عند مشبک الرماح
 ونعم المحرِّفی ریح المِنا یا
 اذ الابطال تخطر بالاصفا ح
 ونعم الحرَّ اذ واسا حسینا
 وفاد بالهدایة والفلاح
 ونعم الحرَّ اذ نادى حسینا
 فجاد بنفسه عند الصباح
 فیارب اصفیٰ فی جنات
 وزوجیر مع الحور الملاح
 اور یلح حوروں کو اس کی زوجیت میں عطا کیجئے۔

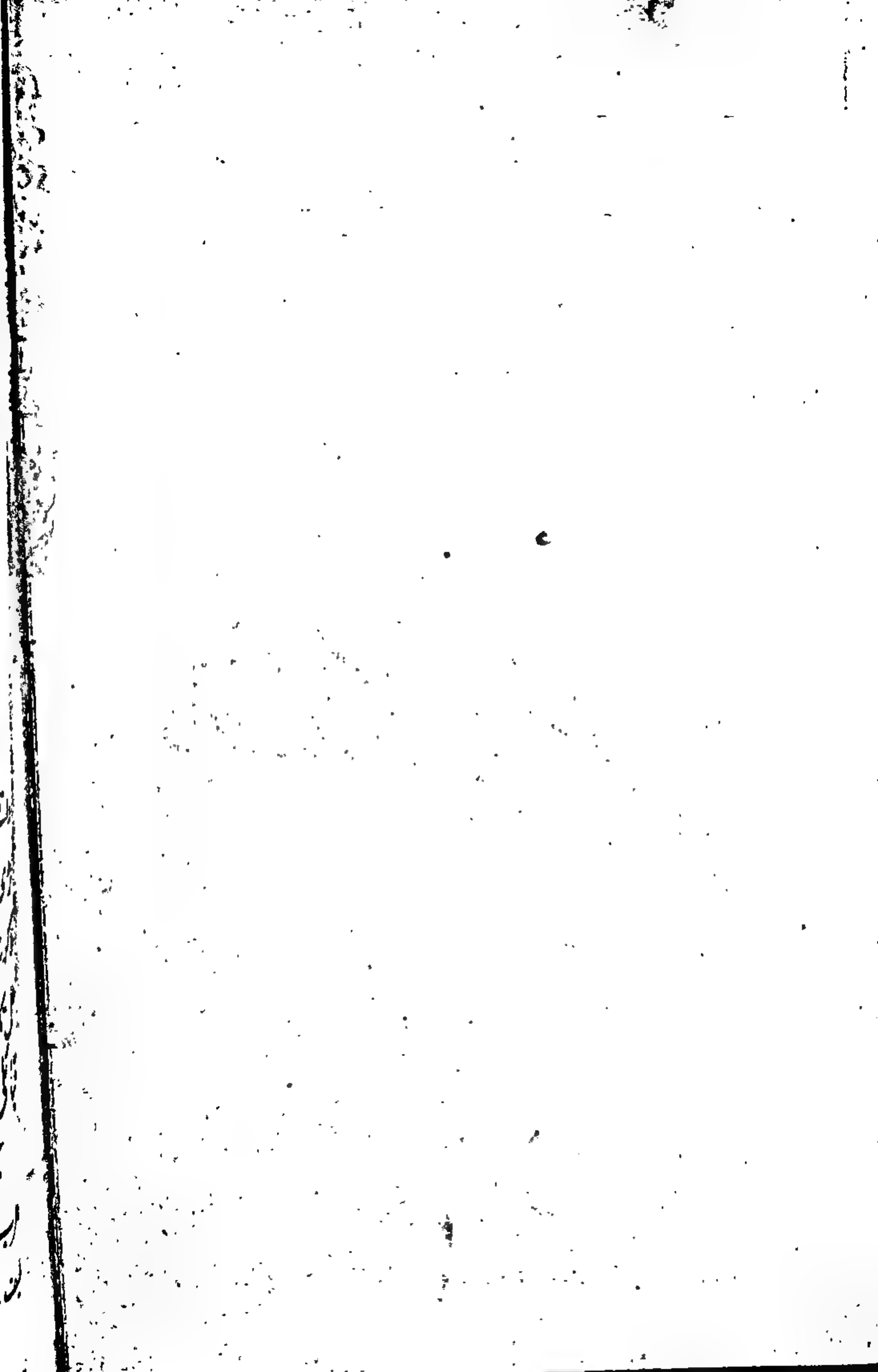
محمد بن بلیح کیسا اچھا حُر ہے جو تیروں سے
 چمدا ہوا ہونے کے باوجود صبر کرنے والا
 ثابت ہوا۔ اور کیسا اچھا ہے حُر جو موت
 کے ترغے میں یوں جاگرا جیسے بہادر شخص اپنے
 آپؐ کو خطرہ میں ڈال دیتا ہے اور کیسا اچھا
 ہے حُر جس نے حسینؑ کی حمایت کی اور
 ہدایت و فلاح پائی۔ اور کیسا اچھا ہے
 حُر کہ حب حسینؑ نے آواز دی تو یہ نفس
 نفیس لبیک کہتا ہوا آگیا۔

جب سیدنا حضرت حسینؑ کے تمام ساتھی آپ پر سے قربان ہو گئے اور آپؑ
فرض شہادت ادا کرنے کے لئے میدان میں نکلے تو مندرجہ ذیل رجزیہ اشعار
پڑھ رہے تھے۔

انا ابن علی المطهر من آل ہاشم
کفافی بہذا مختار حین الفخر
وحدی رسول اللہ اکرم من مشی
و نحن سراج اللہ فی الارض یدھر
و اطاعتی سلا لہ احمدا
و غنی یدئی ذوالجناحین جعفر
و فیہ کتاب اللہ انزلہ و دلت
و فیہا الہدیٰ والوحنی و الخیرۃ کر
و نحن امان اللہ للناس کاسرہم
لہ یہذا فی الانام و تہذیبہ
و نحن و الایۃ الجوعنی جریہ
بکلام رسول اللہ من لیس ینکر
میں علیؑ مطہر ہا بیٹا ہوں جو ہاشم کی اولاد
ہیں اور جب میں فخر کرنا چاہوں تو
یہی فخر میرے لئے کافی ہے اور
رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم —
جو ساری دنیا سے اکرم ہیں میرے
جدا مجاہد ہیں اور ہم لوگ دنیا میں
حسن و اکار و روشن چہرے ہیں
اور رسول اللہ کی عاصی و سداوی
حضرت فاطمہؑ میری ماں ہیں اور
حضرت جعفرؑ ذوالجناحین میرے چچا
ہیں ہمارے ہی گھر میں خدا کی سچی
کتاب اتی ہے اور ہمارے یہاں ہدایت
ذیلی کا ذکر ہوتا رہتا ہے اور ہم ظاہر و
باطن ہر لحاظ سے لوگوں کے لئے

امان الہی ہیں۔ اور ہم لوگ ہی جو حق کو نثر کے مالک ہیں اور ہماری محبت
 کی وجہ سے رسول اللہ کے ماتحتوں کو لوگوں کو ساغر کوثر ملے گا جس کا کوئی منکر نہیں
 (اس باب کے تمام اشعار تاریخ ابن اثیر جلد چہارم مقتل ابی مخنف
 مجموعۃ القصائد الحسینین مصنفہ علی جلال الحسینی مصری و کتاب النعانی
 سے ماخوذ ہیں)

واقعہ کربلا کا پس منظر



واقعہ کر بلا کا پس منظر

۱۰ محرم ۱۱۰۰ھ کو ریگ زار کو بلا میں جو ہنگامہ جدال و قتال گرم ہوا وہ کسی ذریعہ واقعے کا نتیجہ نہیں تھا یہ ہولناک سانحہ دراصل طویل سلسلہ واقعات کی ایک کڑی تھی اور جب تک واقعات کی ساری کڑیوں کو ایک دوسرے سے ملا کر نہ دیکھا جائے اس وقت تک اس زہرہ گداز سانحے کے حقیقی اسباب و علل تک پہنچنا نہ صرف دشوار بلکہ ناممکن ہے۔

قبائلی رقابت

جن لوگوں نے عرب کی قدیم تاریخ کا مطالعہ کیا ہے وہ جانتے ہیں کہ عرب میں مختلف قبائل آباد تھے۔ یہ قبائل جہاں ایک دوسرے کے حلیف تھے وہاں ان میں سے بعض ایک دوسرے کے خون کے پیاسے

بھی تھے۔ کچھ قبائل ایسے تھے جن میں سکڑوں سال سے دشمنی چلی آرہی تھی۔
 اور ان کے درمیان بڑی ہولناک جنگیں بھی ہو چکی تھیں۔ مکہ کے مشہور قبیلہ قریش
 کی دو شاخیں بنو ہاشم اور بنو امیہ بھی اسی نسلی عصبیت کا شکار اور ایک دوسرے
 کی حریف تھیں اور اتفاق یہ کہ اس عصبیت کی بنیاد اقتدار کی کشمکش پر پڑی
 تھی۔ کون نہیں جانتا کہ مکہ کی سیادت قریش کو حاصل تھی اور قصی کے نامور
 بیٹے عبد مناف مکہ کے سردار اعظم تھے۔ عبد مناف کے بعد یہ منصب ان
 کے بیٹے ہاشم کو ملا مگر ہاشم کے بیٹے امیہ بن عبد الشمس نے اپنی فطری
 رنج روی اور ہوس اقتدار کی بنا پر ان سے بغاوت کی اور ہاشم کی سیادت تسلیم
 کرنے سے انکار کر دیا۔ قریب تھا کہ ہزاروں تلواریں بے نیام ہو کر سروں
 اور جسموں میں جھڑائی ڈال دیں کہ قریش کے بعض عقیل و فہیم لوگوں نے صورت
 حال کی نزاکت کو محسوس کر لیا اور ہاشم اور امیہ دونوں کو اس امر پر آمادہ کرنے
 میں کامیاب ہو گئے کہ وہ ثالثی کے ذریعہ سے اس معاملے کو سلجھالیں۔ چنانچہ
 ایک کامن کنج بنایا گیا اور اس نے یہ فیصلہ دیا کہ سرداری کا منصب جلیلہ ہاشم
 ملنا چاہیئے۔ امیہ نے مجبوراً یہ فیصلہ تسلیم تو کر لیا مگر اس کے دل میں ہاشم کے
 خلاف ایسی گرہ بیٹھ گئی جو کسی کے کھولنے نہ کھل سکی۔ یہ دشمنی نسل بعد نسل
 دونوں میں منتقل ہوتی رہی۔ دونوں میں بڑی بڑی خوں ریزیوں ہوئیں اور ان
 سب کی بنیاد یہی واقعہ ہے۔ رسول اللہ کے دادا عبد المطلب کے زمانے تک

قریش کی سیادت بنو ہاشم کے پاس رہی مگر عبدالمطلب کے انتقال کے بعد یہ سیادت بنو ہاشم کے ہاتھ سے نکل گئی۔

رسول اللہ کی مخالفت کا سبب

بنو امیہ کے بعد قریش کا دوسرا قبیلہ بنو مخزوم بنو ہاشم کا حریف تھا اور جب رسول اللہ کی بعثت ہوئی تو بنو امیہ اور بنو مخزوم اور ان کے حلیف قبائل ہی کا مکہ پر تسلط تھا اور وہی کعبے کے نگہبان تھے۔ صرف ایک شعبہ ایسا تھا جو بنو ہاشم کے قبضے میں تھا جب رسول اللہ نے دعویٰ نبوت فرمایا تو بنو امیہ اور بنو مخزوم کو خیال پیدا ہوا کہ اگر رسول اللہ کا مشن کامیاب ہو گیا تو ہم ہمیشہ کے لئے بنو ہاشم کے غلام ہو جائیں گے اور وہ منصب جو بنو ہاشم کے قبضے سے نکل کر ہمارے قبضے میں آیا ہے، پھر انہیں کے پاس واپس چلا جائے گا۔ اپنی شکست اور ذلت کے احساس نے انہیں اسلام اور ہادی اسلام دونوں کا دشمن بنا دیا اور وہ نادان اتنا نہ سمجھ سکے کہ محمد رسول اللہ تو مبعوث ہی اس لئے ہوئے ہیں کہ ان قبائلی امتیازات کا قلع قمع کر دیا جائے جو تعصب کی آخری حدوں کو چھو رہے ہیں اور دشمنی کی اس آگ کو سرد کر دیا جائے جو سیکڑوں سال سے دلوں میں بھڑک رہی ہے۔ قریش کے کم فہم سردار یہ سمجھ ہی نہ سکے کہ رسول اللہ کی تعلیم اور حضور کی شخصیت حصول اقتدار کی خواہشات سے بہت رفیع و اعلیٰ

ہے۔ اور اس کا ثبوت حضورؐ نے بعد کی زندگی میں دیدیا جب کہ سالہ عرب کے مطلق العنان حکمران ہونیکے باوجود آپؐ نے حکومت کے مناصب میں سے ایک یا دو عہدوں کے سوائے باقی سارے عہدے غیر ہاشمیوں کو دیئے اور باوجودیکہ ہاشمیوں میں حضرت علیؑ اور حضرت عباسؑ جیسے بہادر صاحب علم و فضل با اثر اور مدبر لوگ موجود تھے مگر وصال کے وقت ان میں سے کسی کو اپنا جانشین مقرر نہ فرمایا۔

ابو جہل کی ایک تقریر

بہر حال خواہ کچھ ہو قبائل قریش نے رسول اللہ کے دعویٰ نبوت کو منسلک شکمش کا رنگ دیدیا۔ ابو جہل کی ایک تقریر سے اس خیال کو مزید تقویت پہنچتی ہے۔ ایک شخص نے جس کا نام احنس بن شریق تھا ابو جہل سے پوچھا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بابت تمہارا کیا خیال ہے ابو جہل نے جواب دیا کہ ہمارے اور بنو ہاشم کے درمیان ہمیشہ رقابت رہی مگر انہوں نے مہمان نوازی میں نام پایا تو ہم نے بھی بڑی بڑی مہمان نوازیاں کیں، اگر انہوں نے خوں بہا دیئے تو ہم نے بھی دیئے۔ اگر انہوں نے سخاوت کی تو ہم نے ان سے بڑھ کر فیاضی دکھائی اور جب ہم بالکل ان کے دوش بدوش آگئے تو اب انہوں نے پیغمبری کا دعویٰ کو دیا۔ خدا کی قسم ہم اس پیغمبر پر کبھی ایمان نہیں لائیں گے۔ دیرت ابن مشام

ایک ماہر نفسیات صرف ابو جہل کی یہ تقریر پڑھ کر ہی اس مہم کے اسباب و علل اور تشریش مکہ کی ذہنیت کا اندازہ لگالے گا جس کا مظاہرہ رسول اللہ کی مخالفت کی صورت میں کیا جا رہا تھا اور صرف اسی تقریب سے اس سیاست کے اسباب بھی معلوم ہو جائیں گے جس کا گھناؤنا کھیل رسول اللہ کے مقابلے میں کھیل جا رہا تھا اس لئے اگر یہ کہا جائے تو حقیقت کے عین مطابق ہوگا کہ رسول اللہ کی مخالفت کا بڑا سبب قبائلی اور نسلی تعصب تھا اور اس تعصب کی آگ کو ہوا دینے والوں میں بنو امیہ اور بنو مخزوم پیش پیش تھے جیسا کہ ابھی عرض کیا جا چکا ہے کہ بنو امیہ ہی نے بنو ہاشم سے منصب سیادت حاصل کیا تھا اس لئے رسول اللہ کو اقتدار حاصل ہو جانے کی صورت میں بنو امیہ ہی کو اپنی شکست کا سب سے زیادہ خطرہ تھا اور وہ اسے اپنی بہت بڑی ذلت سمجھتے تھے۔ ابو جہل کے بعد قریش مکہ میں سب سے زیادہ با اثر اموی سردار ابوسفیان تھا اور تاریخ شاہد ہے کہ اس ابوسفیان کے ہاتھوں رسول اللہ کو بڑی بڑی تکلیفیں اٹھانی پڑیں۔ مولانا شبلی نعمانی مرحوم لکھتے ہیں۔

بنو امیہ کی مخالفت

”آں حضرت صلعم کی نبوت کو جانداران بنو امیہ اپنے رقیب رہا شتم کی فتح خیال کرتا تھا۔ اس لئے سب سے زیادہ اسی قبیلے نے آنحضرت صلعم کی مخالفت کی۔ بدر کے سوا باقی تمام لڑائیاں ابوسفیان ہی نے برپا کیں اور

وہی ان لڑائیوں میں رئیس لشکر رہا۔ غصبتہ بن ابی معیط جو سب سے زیادہ
 اُس حضرت صلح کا دشمن تھا اور جس نے نماز پڑھنے کی حالت میں آپ کے
 دوش مبارک پر اونٹ کی اوجھ لاکر ڈالی تھی اموی تھا۔ "دست النبی جلد اول ص ۱۳۱
 میدان جنگ میں رسول اللہ کو شہید کرنے کے لئے عتقی کوششیں کی
 گئیں ان سب کا بانی بھی ابوسفیان تھا۔ غزوہ احد میں قریش کی بیخاد کی وجہ سے
 جب حضور پہاڑ کی چوٹی پر تشریف لے گئے تو یہ ابوسفیان ہی تھا جو ایک دستہ
 لے کر پہاڑی پر چڑھ گیا تاکہ آپ کو شہید کر دے مگر ناکام رہا (طبرانی جلد دوم ص ۱۴۱)
 پھر یہ ابوسفیان ہی تھا کہ جو غزوہ احد میں پکا تا پھرتا تھا کہ "محمد کہاں ہیں؟"
 جب قریش تکہ کا لشکر جنگ احد کے لئے روانہ ہوا تو اس لشکر کے آگے
 آگے جو چودہ عورتیں فوج کو جوش دلانے والے اشعار پڑھتی چل رہی تھیں
 ان کی قائد اسی ابوسفیان کی بیوی ہندہ تھی۔ وہ اشعار یہ ہیں۔

خُن بنات طادق ہم ستاروں کی بیٹیاں ہیں۔ ہم

نمشى على المنارق وہ ہیں جو قالیبنوں پر چلتی ہیں۔

ان تقبلوا نحائق اگر تم جنگ میں سبقت کرو گے

اوتدبروا انفارق تو ہم تم سے بغل گیر ہو جائیں گی اور

اگر پیچھے ہٹے تو ہم تم سے دور ہو جائیں گی۔

پھر یہی وہ ہندہ زوجہ ابوسفیان ہے جس نے رسول خدا کے پیارے

چچا سید الشہداء حضرت حمزہؓ کا پیٹ چاک کر کے آپؐ کا کلیجہ چپایا۔ شہدار کی
 نعشوں پر جا کر ان کے کان اور ناک کاٹ کر ہار بنایا اور وہ ہار اپنے گٹھے میں
 حامل کیا۔ اس کی سرکشی اور گستاخی اس وقت بھی کم نہ ہوئی جب مکہ فتح
 ہو گیا اور یہ مجبور ہو کر بیعت کرنے کے لئے رسول اللہؐ کی خدمت میں
 حاضر ہوئی۔ اس موقع پر رسول اللہؐ اور ہندہؓ میں جو مکالمہ ہوا وہ یہ تھا۔

ہندہ۔ آپؐ ہم سے کن امور کا اقرار کرتے ہیں۔

حضورؐ۔ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھیراؤ۔

ہندہ۔ مگر آپؐ نے مردوں سے تو اس کا اقرار نہیں کر لیا بخیر ہمیں منظور ہے
 (جسارت دیکھئے کہ رسول اللہؐ پر بھی اعتراض کوئی ہے)

حضورؐ۔ چوہی نہ کرو۔

ہندہ۔ کبھی کبھی میں اپنے شوہر کی جیب میں سے کچھ لے لیا کرتی ہوں۔ خبر

نہیں یہ بھی جائز ہے یا نہیں (رسول اللہؐ کی تعلیم کا مذاق اڑا رہی ہے)

حضورؐ۔ اپنی اولاد کو قتل نہ کرو۔

ہندہ۔ ہم نے تو اپنی اولاد کو پالا پوسا بڑا کیا مگر آپؐ نے جنگِ بدر میں ان

کو ہلاک کر دیا۔ اب آپؐ اور وہ ایک دوسرے سے سمجھ لیں (کس

قدر زہر میں بچھا ہوا طنز ہے اور پھر دھمکی بھی)۔

جب بنو امیہ اور بنو مخزوم کی ساری کوششیں ناکام ہو گئیں اور اسلام کا

سورج اپنی پوری تمازت کے ساتھ مکہ پر طلوع ہوا یعنی مسلمانوں کا لشکر جو کہ
 رسول اللہ کی قیادت میں فتح مکہ کے لئے روانہ ہوا تو مکہ کے قریب پہنچ کر
 ابوسفیان گرفتار کر لیا گیا۔ یہ قریش مکہ طرف سے مسلمانوں کے لشکر اور ان کی
 جنگی تیاریوں کا حال معلوم کرنے کے لئے آیا تھا۔ گرفتاری کے بعد اسے
 رسول اللہ کی خدمت میں پیش کیا گیا۔ اگرچہ اس کے جرائم تو اتنے سنگین تھے کہ
 اس کے جسم کا بند بند الگ کر دیا جاتا مگر رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے
 عضو کرم کا بے مثال مظاہرہ کرتے ہوئے اسے معاف کر دیا لیکن ساتھ
 ہی حضرت عباسؓ سے ارشاد فرمایا کہ اسے لے جا کر پہاڑ کی چوٹی پر کھڑا
 کر دے تاکہ یہ اپنی آنکھوں سے خداوند تعالیٰ کے جلال و جبروت کو اسلامی
 افواج کی شکل میں دیکھ سکے۔ ابوسفیان پہاڑ کی چوٹی پر عالم حسرت و یاس میں
 کھڑا تھا اور نیچے سے اسلامی افواج کے دستے عجیب شان و تمکنت سے
 گذر رہے تھے۔ (بخاری کتاب المغازی باب غزوہ فتح)

فتح مکہ کے انقلاب آفریں واقعہ نے قریش خصوصاً بنو مخزوم اور بنو امیہ
 دونوں کی امیدوں پر پانی پھیر دیا اور ابوسفیان مع اپنے بیٹے یزید اور معاویہ کے
 اسلام لے آیا مگر جس طرح اندجن حالات میں اسلام لایا گذشتہ سطور سے
 اس کا اندازہ کیا جاسکتا ہے لیکن واقعات شہادت دیتے ہیں کہ ابوسفیان کے
 دل سے اسلام کے خلاف دیوبینہ کینہ آخر وقت تک نہ نکل سکا چنانچہ

ایک روایت ہے کہ رسول اللہ کے وصال کے بعد جب حضرت ابو بکرؓ کے ہاتھ پر بیعت خلافت کی گئی تو ابوسفیانؓ حضرت علیؓ کے پاس آیا اور ان سے کہا کہ ”لوگوں نے ابو قحافہؓ (حضرت ابو بکرؓ کے والد کے بیٹے کے ہاتھ پر بیعت کر لی حالانکہ تم ان سے کہیں زیادہ اس کے مستحق ہو۔ اگر تم تیار ہو تو میں تمہاری انداد کے لئے مدینہ کو پیادوں اور سواروں سے بھر دوں۔“ مگر حضرت علیؓ نے کمال استغناء سے اس کے مفیدانہ مشورے کو پاؤں چھانے سے ٹھکرا دیا اور فرمایا کہ ابو بکرؓ ہم سب میں افضل اور امر خلافت کے زیادہ مستحق ہیں۔“

ابن سعد نے اپنی طبقات میں ایک واقعہ درج کیا ہے۔ اس سے ابوسفیانؓ کی افتادِ طبع کا صحیح اندازہ ہو سکتا ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ ایک روز کا ذکر ہے کہ ابوسفیانؓ چند قریشی امراء کے ساتھ حضرت عمرؓ کے دولت کدے پر بیٹھا اندر جانے کا انتظار کر رہا تھا کہ اتنے میں حضرت بلالؓ اور حضرت خبابؓ آئے اور نہایت بے تکلفی سے بیعتِ خلافت میں داخل ہو گئے۔ یہ واقعہ ابوسفیانؓ کو نہایت ناگوار گذرا اور اس نے دوسرے سرداروں سے کہا کہ کیسے تعجب کی بات ہے کہ ہم قریش کے سردار ہو کر اندر جانے کے لئے اجازت کے منتظر بیٹھے رہیں اور یہ آزاد کردہ غلام اس بے تکلفی سے اندر چلے جائیں (طبقات ابن سعد تذکرہ حضرت بلالؓ)

گویا اسلام لانے کے بعد اپنی گزشتہ سرداری اسے رہ رہ کر یاد آتی تھی اور اس کی نظر میں عزت و عظمت کا معیار اسلام نہیں تھا زمانہ جاہلیت کی سرداری تھی مسلمان ہو جانے کے بعد بھی اس کی نظر میں غلام غلام ہی رہتا تھا اور ایک آزاد کردہ غلام کے مقابلے میں سردار کا مرتبہ وہ کہیں اونچا سمجھتا تھا خواہ اپنے اعمال کے لحاظ سے وہ سردار کتنا ہی پست اور گھٹیا دے کا شخص کیوں نہ ہو اس قسم کی ذہنیت کے لوگوں سے خدائی کے سوائے اور کس چیز کی توقع کی جاسکتی تھی ؟

رسول اللہ کے وصال کے بعد عرب میں ایک خطرناک آتش فساد بھڑک اٹھی اور آگ بھڑکنے والوں میں اکثریت ان لوگوں کی تھی جنہیں نہ رسول اللہ کی صحبت نصیب ہوئی تھی نہ انہوں نے اسلامی تعلیم کو سمجھ کر قبول کیا تھا بلکہ وہیں بہہ کر مسلمان ہو گئے تھے۔ ان میں بیشتر ایسے لوگ تھے جنہوں نے رسول اللہ کو دیکھا تک نہ سنا۔ کچھ ابن الوقت اور خود غرض لوگ تھے جنہوں نے سوچا کہ رسول اللہ کو یہ اقتدار و عظمت نبوت کی وجہ سے حاصل ہوا۔ لاؤ کیوں نہ ہم بھی نبوت کا دعویٰ کر کے عرب کی سرداری حاصل کر لیں اور بلاشبہ ان فتنوں کی تہہ میں کسی قدر نسلی تعصب کا جذبہ بھی کار فرما تھا لیکن حضرت ابو بکرؓ نے اپنی حیرت انگیز پامردی و استقلال اور غیر معمولی فراست و تدبیر سے کام لے کر اس آگ کو سردا کر دیا۔

اس فتنے کا قلع قمع کر دیا اور مسلمان پھر برق رفتاری سے ترقی کی منزلیں طے کرنے لگے۔

حضرت ابو بکر صدیق کے انتقال کے بعد حضرت عمر فاروق مسند خلافت پر متمکن ہوئے۔ آپؓ میں اپنے پیش رو کی ساری صفات موجود تھیں۔ خدائی احکام کو نافذ کرانے میں سخت گیری اور انتظامی صلاحیتوں کے اعتبار سے آپؓ جیسی شخصیت عالم اسلام تو کیا دنیا میں اپنا جواب نہیں رکھتی۔ آپؓ کے عہد میں کسی فتنے نے سر نہیں اٹھایا۔ اور آپؓ کی جلالت و جبروت کی وجہ سے بڑے بڑے سرکش سرنگوں ہو گئے۔ اسلامی فتوحات کا دائرہ بھی وسیع سے وسیع تر ہوا اور اسلامی لشکر نے شام، عراق، اردن، فلسطین، ایران اور مصر تک پہنچ کر پرچم توحید کو بلند کیا۔

حضرت عمرؓ کا زمانہ اسلامی مملکت کی توسیع۔ عدل و انصاف، امن و امان اور معاشی ترقی کے اعتبار سے اسلام کا سنہری زمانہ ثابت ہوا۔

حضرت عمرؓ کی شہادت کے بعد حضرت عثمانؓ غنی خلیفہ ہوئے۔ حضرت موصوف کے تقویٰ۔ بے نفسی اور اسلام کی عظیم الشان خدمات انجام دینے میں مجال گفتگو ممکن نہیں اور بلاشبہ چھ سال تک کارہائے خلافت کو بھی آپؓ نے بڑی خوبی سے سرانجام دیا لیکن آپؓ کی خلافت کے آخری چھ سال کا زمانہ مشکلات اور فتنوں کی آماجگاہ ثابت ہوا جس کی تفصیل کا یہ موقع نہیں۔

اس موضوع پر انشاء اللہ ائذہ کتاب عثمانؓ اور ان کی خلافت میں تفصیل سے روشنی ڈالی جائے گی، لیکن اجمالاً حالات کا ایک خاکہ بیان کر دینا ضروری ہے۔

حضرت عثمانؓ کی مخالفت

حضرت عثمانؓ کی مخالفت میں بصرہ، کوفہ اور مصر کے لوگ پیش پیش تھے ان لوگوں کا پہلے تو یہ مطالبہ تھا کہ عثمانؓ کو رندوں کو معزول کر دیا جائے کیونکہ انہیں حضرت عثمانؓ کے گورندوں سے کچھ شکایتیں تھیں، جب ان میں سے بعض گورندوں کو معزول کر دیا گیا تو انہوں نے ایک اور سازش کی اور ایک جعلی خط پیش کیا، یہ خط گورندہ مصر کے نام تھا، اس پر حضرت عثمانؓ کی مہر تھی اور اس میں لکھا تھا کہ مصر کے مفسدوں کو جو تمہارے پاس آ رہے ہیں گرفتار کر لو اور ان کو سخت سزاؤں دو۔ بعض کو قتل کر دینے کا بھی حکم تھا، جب حضرت عثمانؓ نے حلیہ بیان کیا کہ یہ خط میرا لکھا ہوا نہیں ہے بلکہ کسی دوسرے شخص نے لکھ کر اس پر جعلی مہر لگا دی ہے تو صحابہ خصوصاً حضرت علیؓ نے حضرت عثمانؓ کی پوری تائید کی، اس پر مفسدوں نے کہا کہ پھر یقینی طور پر یہ حرکت مروان کی ہے اس لئے آپؓ اسے ہمارے حوالے کر دیجئے لیکن چونکہ مجرم کو اگر وہ مجرم ہو تو کسی گروہ کے حوالے کر دینے کی اجازت دنیا کا کوئی قانون نہیں دیتا ہاں اس پر عدالت میں مقدمہ چلایا جاسکتا ہے

س نے حضرت عثمانؓ نے ایسا کرنے سے انکار کر دیا۔ اس پر انہوں نے دوسرا مطالبہ یہ کیا کہ پھر آپ خلافت کے اہل نہیں ہیں اس لئے اس بار گمراہوں سے دست بردار ہو جائیے لیکن حضرت عثمانؓ نے یہ مطالبہ تسلیم کر نیسے بھی انکار کر دیا آخر حالات اور زیادہ خراب ہو گئے اور ایک روز چند مفسدوں نے حضرت خلافت میں داخل ہو کر حضرت عثمانؓ کو بڑی بے دردی سے شہید کر دیا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔ اس طرح اسلام میں پہلی بار داخلی فتنے کا دروازہ کھلا جو آج تک بند نہ ہو سکا۔

بیعت علیؓ اور مخالفت معاویہؓ

حضرت عثمانؓ کی شہادت کے بعد لوگ حضرت علیؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان سے درخواست کی کہ آپ ہماری بیعت لے لیں۔ آپ نے انکار کیا اور فرمایا کہ میں امیر ہونے سے ذمہ ہونے کو بہتر سمجھتا ہوں مگر حب انصاف و مہاجروں نے بہت اصرار کیا تو آپ نے خلافت قبول فرمائی۔ دُعا کا علیؓ اور امیر معاویہؓ آپ کے خلیفہ ہوتے ہی نبو امیہ کے پرانے کینے پھر عود کر آئے اور اس موقع پر سب سے زیادہ قابل اعتراض نمونہ ابوسفیان اور ہند مکے امور فرزند حضرت معاویہؓ نے دکھایا۔

حضرت معاویہؓ عرصہ دراز سے شام کے گورنر تھے۔ ان کے بڑے بھائی یزید بن ابوسفیان کو حضرت ابو بکرؓ نے دمشق کا گورنر مقرر فرمایا تھا۔ یزید کے

انتقال کے بعد حضرت معاویہؓ کو ان کی جگہ گورنر مقرر کیا گیا۔

حضرت عمرؓ کے زمانے تک وہ صرف دمشق کے گورنر رہے لیکن حضرت عثمانؓ نے انہیں سارے شام کا گورنر مقرر کر دیا۔ اس طرح حضرت معاویہؓ طویل عرصے تک اس علاقے پر حکمران رہنے کا موقع ملا۔ اس عرصے میں انہوں نے اپنی طاقت کو خوب مستحکم کر لیا اور بزمائیرہ کی ایک کثیر تعداد کو عرب سے جا کر شام میں آیا دیا۔ اہل شام کے ساتھ انہوں نے خاص طور پر حسن سلوک کا مظاہرہ کیا اور انعام و اکرام سے اپنا گرویدہ بنالیا۔ وہ بڑے ذریعہ اور نہایت دوراندیش آدمی تھے اور یہ ساری پیش بندیاں دراصل اس لئے دلے حالات کا مقابلہ کرنے کے لئے تھیں۔ لیکن ان کے طور پر کو دین واد لوگ پسندیدگی کی نظر سے نہ دیکھتے تھے اور بعض صحابہ بھی ان کے طرز عمل کے شاکی تھے۔ یہ بات بہت کم لوگوں کو معلوم ہو گی کہ حضرت معاویہؓ کے شاہانہ انداز اور ان کے تیور دیکھ کر بعض صحابہ نے حضرت عمرؓ کو دیا تھا کہ آپ معاویہؓ کو شام سے کسی دوسری جگہ تبدیل کر دیں اور بعد واقعات سے ثابت کر دیا کہ بلاشبہ وہ صحابہ بڑے روشن ضمیر تھے مگر حضرت عمرؓ نے ان کا یہ مشورہ تسلیم نہ فرمایا۔ مشہور صحابی حضرت ابوذر غفاریؓ بھی حضرت معاویہؓ کے بعض افعال کی وجہ سے ان پر معترض تھے اسی لئے حضرت معاویہؓ نے حضرت عثمانؓ سے ان کی شکایت کی کہ انہیں شام

سے مدینہ بھجوا دیا تھا۔

جب حضرت علیؑ خلیفہ ہوئے تو جس شخص کو سب سے زیادہ دکھ ہوا وہ یہی حضرت معاویہؓ تھے۔ انہوں نے حضرت علیؑ کے خلاف پوری قوت سے اپنی سرگرمیاں شروع کر دیں۔ پیشتر اس سے کہ انکی مخالفت نہ کرے گروہوں کا تذکرہ کیا جائے ایک واقعہ درج کر دینا بہ محل نہ ہو گا جو حضرت معاویہؓ کی افتاد طبع اور ذہنی کیفیت کو سمجھنے میں مدد دیتا ہے۔ ایک بڑا مورخ بیان کرتا ہے کہ ایک بار حضرت امام حسینؑ نے اپنی ایک لونڈی کو آزاد کر کے نکاح کر لیا۔ جب حضرت معاویہؓ کو اس واقعہ کا علم ہوا تو انہوں نے حضرت حسینؑ کو لکھا کہ ”مجھے معلوم ہوا ہے کہ آپ نے اپنے خاندان اور کفو کو چھوڑ کر اپنے برابر کی عورتوں کو نظر انداز کر کے ایک لونڈی سے نکاح کر لیا ہے اگر یہ درست تو آپ نے اپنے اور اپنی اولاد دونوں کیلئے برا کیا“ جب حضرت معاویہؓ کا یہ خط حضرت امام حسینؑ کو ملا تو آپ نے انہیں جواب میں لکھا۔ ”آپ نے لونڈی سے نکاح کرنے پر مجھے طعنہ دیا ہے کیونکہ آپ کے خیال کے مطابق میں نے اپنے کفو کو نظر انداز کر دیا۔ آپ پر واضح ہو کہ رسول خداؐ سے بڑھ کر اعلیٰ نسب اور کسی کا نہیں ہو سکتا یہ لونڈی میری ملکیت تھی میں نے خدا کی خاطر اسے آزاد کر دیا اور رسول خداؐ کی سنت کے مطابق اس سے نکاح کر لیا۔ یہ ملامت کی بات نہیں ہے، مسلمان کو صرف اسی کام پر ملامت کی جاسکتی ہے جو گناہ کا ہو یا جاہلیت کی باتوں پر“ عقد النکاح جلد سوم ص ۲۲۹

حضرت معاویہ کا خط اور حضرت امام حسینؑ کا جواب دونوں دو شخصیتوں کے ذہنی رجحانات و کیفیات اور دو مکاناتِ فکر کی نمائندگی کرتے ہیں ان سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ حضرت امیر معاویہؓ بہت سی خوبیوں کے حامل ہونے کے باوجود خاندانی اور نسلی عصبیت کا شکار تھے اور حضرت علیؓ کے مقابلے میں ان کی سرگرمیوں کی تہہ میں یہی عصبیت کا جذبہ کام کرتا تھا۔ بہر حال حب الصار و مہاجرین اور اہل مدینہ نے حضرت علیؓ کے پاس پر بیعت کر لی اور حضرت علیؓ کی خلافت قائم ہو گئی تو حضرت معاویہؓ نے حضرت علیؓ کی بیعت کرنے سے انکار کر دیا اور جواز یہ پیش کیا کہ پہلے حضرت عثمانؓ کے قاتلوں سے انتقام لیجئے حالانکہ حضرت معاویہؓ کو خوب معلوم تھا کہ مجرموں کو گرفت کرنے کے معاملے میں حضرت علیؓ بے حد سخت گیر ہیں اور جرم ثابت ہو جانے کی صورت میں وہ کسی کو نہ چھوڑیں گے، دوسرے قصاص لینے کے مطالبے کا صحیح طریق وہ نہ تھا جو حضرت معاویہؓ نے اختیار کیا تھا اگر اپنے مطالبے میں مخلص ہوتے تو انہیں چاہیے تھا کہ وہ مدینہ جا کر حضرت علیؓ کے ہاتھ پر بیعت کرتے اور پھر ان کی خدمت میں یہ معاملہ پیش کرتے۔ اگر ہی نہیں بلکہ یقین ہے کہ اس طرح سب کے باہمی مشورے سے اس معاملے کا بڑی خوش اسلوبی سے فیصلہ ہو جاتا مگر انہوں نے بجائے ان کے حضرت عثمانؓ کی خون آلود قمیض اور حضرت نائلہؓ زوجہ عثمانؓ کی کٹی ہوئی

بلیاں دمشق کی جامع مسجد میں نمائش کے لئے رکھوا دیں تاکہ اس واقعہ
 خوب تشہیر ہو جائے ظاہر ہے کہ پروپیگنڈہ کا یہ طریق خالص دنیا دار لوگوں
 کو زیب دیتا ہے اور اسے حکمت عملی سے تعبیر کیا جاسکتا ہے۔ مگر اسے
 رسول اللہ کی صحبت یافتہ افراد کے شایان شان قرار نہیں دیا جاسکتا۔ اس
 نتیجہ یہ ہوا کہ لوگ مسجد میں آئے اور یہ چیزیں دیکھ کر دھاڑیں مار مار کر مارتے
 اس طرح اطراف و جوانب میں حضرت علیؑ کے خلاف ایک آگ سی
 ل گئی اور لوگ یہ سمجھنے لگے کہ شہادت عثمانؓ میں حضرت علیؑ کا بھی ہاتھ
 ہے یا کم از کم قاتلان عثمانؓ کو حضرت علیؑ کی پشت پناہی حاصل ہے حضرت
 علیؑ نے بار بار خون عثمانؓ سے بریت کا اظہار کیا اور حلفاً بیان کیا کہ میرے
 ہاتھ خون عثمانؓ سے پاک ہیں جہاں تک قصاص کا تعلق ہے موقع کا کوئی
 گواہ موجود نہ تھا حضرت نائلہؓ سولہؓ نے محمد بن ابوبکرؓ کے اور کسی کو نہ پہچان
 سکی تھیں جب حضرت علیؑ کو معلوم ہوا کہ محمد بن ابوبکرؓ بھی اس فتنے میں شامل
 تھے تو انہوں نے فوراً انہیں طلب کیا اور سختی سے باز پرس کی مگر انہوں نے
 بتایا کہ میں حضرت عثمانؓ کے گھر میں ضرور داخل ہوا تھا مگر جب میں نے ان
 کی دائرہ صی بکھڑی تو انہوں نے فرمایا کہ "اے میرے بھتیجے اگر آج تیرا باپ
 زندہ ہوتا تو وہ اس فعل کو کبھی پسند نہ کرتا" ان کے اس جملے سے میں سخت
 نادوم ہوا اور باہر چلا آیا میرے آنے کے بعد انہیں شہید کیا گیا حضرت علیؑ

نے حضرت عائشہؓ سے اس واقعہ کی تائید یا تردید چاہی۔ انہوں نے محمد بن ابوبکرؓ کے بیان کی پوری تصدیق کی۔ ظاہر ہے کہ ان حالات میں حب قاتلوں کی نشاندہی کرنے والا کوئی موجود ہی نہ تھا۔ اور حکومت کا سارا نظام بگڑا ہوا تھا تو قصاص کس سے اور کیوں کر لیا جاسکتا تھا۔ مگر حضرت معاویہؓ کو ان باتوں سے کوئی غرض نہ تھی۔ انہیں تو اپنے مطلب سے کام تھا اور مطلب صرف یہ تھا کہ حضرت علیؓ کے خلاف نفرت اور دشمنی کی آگ بھڑکاتے رہو تاکہ ان کی دشواریوں میں اضافہ ہو۔

حضرت عائشہؓ کی غلط فہمی

ابھی حضرت علیؓ حضرت معاویہؓ سے منٹنے کی فکر کر رہے تھے کہ مدینہ سے بھاگے ہوئے لوگوں نے جن میں بنو امیہ کی بھی ایک بڑی تعداد تھی اور مروان ان کا سرخیل تھا حضرت عائشہؓ کو بھڑکایا اور ان کے سامنے معاملے کو اس رنگ میں پیش کیا کہ وہ غلط فہمی کا شکار ہو گئیں اور انتقام کا نعرہ لگا کر بصرہ روانہ ہو گئیں۔ بصرے پہنچ کر ان کے لشکر نے شہر پر قبضہ کر لیا۔ جب حضرت علیؓ کو ان واقعات کی اطلاع ہوئی تو آپ مدینے سے ایک لشکر جرائے لے کر روانہ ہوئے۔ آپ کا لشکر شہر سے باہر خمیہ زن ہوا اور پیشتر اس کے کہ تلواریں بے نیام ہو کر مسلمانوں کا خون بہا میں حضرت علیؓ نے قاصد بھیج کر حضرت عائشہؓ سے ملاقات کی درخواست کی۔ یہ ملاقات بڑی مبارک ثابت ہوئی اور حضرت علیؓ سے گفتگو کرے کے بعد حضرت عائشہؓ

واضح ہو گیا کہ ان کے سامنے معاملات کو غلط صورت میں پیش کیا گیا تھا نہ
 حضرت علیؑ کا شہادت عثمانؓ سے کوئی تعلق ہے نہ قاتلین عثمانؓ سے انتقام
 لینے میں انہوں نے دانستہ اغراض پر تیا ہے اور انہیں انصار و مہاجرین نیز
 صحابہ کی اکثریت نے بہ اتفاق خلیفہ منتخب کیا ہے یہی وجہ ہے کہ آپؑ
 نے حضرت علیؑ سے صلح کر لی اور فیصلہ ہو گیا کہ اگلی صبح کو نماز فجر کے بعد
 صلح کا اعلان کر دیا جائے گا۔ اس مصالحت سے جہاں عام مسلمانوں کے
 دل جذباتِ مسرت سے بھر رہے تھے وہاں لشکرِ علوی کے بعض مفسد
 اور بنو امیہ کے شریک عناصر سخت برا فروختہ تھے۔ چنانچہ رات کی تاریکی میں جب
 لوگ بے خبر پڑے سو رہے تھے حضرت عائشہؓ کے لشکریوں میں سے بنو امیہ
 نے حضرت علیؑ کے لشکر پر اور حضرت علیؑ کے لشکر میں سے مفسدین نے
 حضرت عائشہؓ کے لشکر پر حملہ کر دیا اور اس طرح جنگ شروع ہو گئی ہر چند کہ
 حضرت علیؑ اور حضرت عائشہؓ دونوں نے اپنی فوجوں کو روکا مگر ایک تو
 رات کی تاریکی دوسرے تلواریں بے نیام ہو چکیں تھیں اور لوگ ایک دوسرے
 سے گھٹ چکے تھے آخر کار ایک شدید اور خون ریز جنگ کے بعد حضرت
 عائشہؓ کے لشکر کو شکست ہوئی اور حضرت علیؑ نے ام المومنین کو بڑی
 عزت و احترام کے ساتھ بصرے کے ایک رئیس کے گھر بھیج دیا جہاں
 چند روز قیام کرنے کے بعد وہ مدینہ چلی گئیں۔

واقعہ تحکیم

جنگ اہل کے بعد حضرت علیؑ کو حضرت معاویہؓ سے برسرِ پیکار ہونے پر
 مجبور ہونا پڑا۔ اس سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ حضرت معاویہؓ سیاست و تدبیر میں
 اپنا جواب نہ رکھتے تھے مگر وہ میدان شجاعت کے مرد نہیں تھے کم از کم
 حضرت علیؑ کی گرد کو بھی نہیں پہنچ سکتے تھے جنگ صفین نے تو یہی
 ثابت کر دیا حضرت علیؑ اور آپ کے ساتھی اس شجاعت سے ڈٹ کر
 لڑے کہ امیر معاویہؓ کی فوج کے پیر اکھڑ گئے۔ خود امیر بھی میدان جنگ سے
 فرار ہونے والے تھے کہ عرب کے مشہور مدبر حضرت عمرو بن العاصؓ نے ان
 کی مشکل آسان کر دی اور انہیں مشورہ دیا کہ آپ اپنی فوج کو حکم دیجئے کہ وہ
 نیروں پر قرآن اٹھالے اور علیؑ کی فوج کو مخاطب کر کے اعلان کرے کہ ہمارے
 اور تمہارے درمیان خدا کا کلام حکم ہے آؤ اس کا فیصلہ تسلیم کر لیں۔
 عمرو بن العاصؓ اور معاویہؓ کی یہ چال کامیاب ثابت ہوئی، یا وجہ دیکھ حضرت
 علیؑ نے اپنی فوج کو لا کہ سمجھایا کہ یہ ایک فریب ہے اب تم غالب آ رہے
 ہو اور دشمن کو اپنی شکست کے آثار نظر آ رہے ہیں اس لئے وہ اس
 ذلت سے بچنے کے لئے کلام اللہ کا واسطہ دے رہا ہے مگر آپ کی
 فوج کے ایک حصے کی سمجھ میں یہ بات نہ آئی اور اس نے کہا کہ امیر المؤمنین
 یہ بات سخت قابلِ اعتراض ہے کہ ہمیں کلام الہی کا واسطہ دیا جائے اور ہم نہ

مانیں اس میں ہرج بھی کیا ہے اگر وہ کوئی ایسی بات کہیں گے جو ہمارے مقاصد کے خلاف ہوئی تو ہم نہیں مانیں گے لیکن اس وقت تو ہمیں ان کی بات مان لینی چاہیے۔ دوسرا گروہ حضرت علیؑ کا ہم خیال تھا اور اس نازک مرحلے میں جنگ بند کرنے کو سم قاتل سمجھتا تھا حضرت علیؑ نے سوچا کہ اگر پہلے گروہ کی منشا کے خلاف جنگ کی گئی تو حملے میں استقامت پیدا نہ ہو سکے گی۔ دوسرے اس کا بھی امکان ہے کہ خود میری فوج ہی میں اختلاف پیدا ہو جائے۔ معاویہؓ اس صورت حال سے فائدہ اٹھائیں گے اور جیتی ہوئی بازی شکست میں تبدیل ہو جائے گی اس لئے انہوں نے نہایت دوراندیشی سے کام لیتے ہوئے صلح کی پیش کش قبول کر لی۔

طے یہ پایا کہ ایک ثالث حضرت معاویہؓ کی طرف سے اور ایک حضرت علیؑ کی طرف سے مقرر کیا جائے یہ دونوں ثالث قرآن کے مطابق فیصلہ کر دیں حضرت علیؑ کی طرف سے مشہور صحابی حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ اور حضرت معاویہؓ کی طرف سے عمرو بن العاصؓ حکم مقرر ہوئے ان دونوں نے تباہ خیال اور خود من کے بعد فیصلہ کیا کہ علیؑ اور معاویہؓ کی وجہ سے امت کا خون بہ رہا ہے اس لئے دونوں کو معزول کر دیا جائے اور مسلمان کسی تیسرے شخص کو خلیفہ منتخب کر لیں چنانچہ ایک مقررہ تاریخ کو یہ اعلان کر دیا گیا مگر چونکہ یہ اعلان اس اعتبار سے غلط تھا کہ اعلان کنویلوں نے اپنے

دائرہ کار سے باہر ہو کر کام کیا تھا۔ انہیں کسی کے سزل یا نصب کا اختیار نہیں
 دیا گیا تھا اور نہ یہ مسئلہ زیر بحث تھا کہ علی خلافت کے مستحق ہیں یا معاویہ یا
 کوئی تیسرا، بلکہ مسئلہ تو یہ تھا کہ تاملین عثمان کا قصاص نہ لینے میں حضرت علیؑ کی
 طرف سے تاخیر کیوں ہوئی اور حضرت معاویہؓ و حضرت علیؑ کے مابین
 ہونے والی جنگ کو ختم کر کے دونوں میں مصالحت کن بنیادوں پر کرائی جائے
 چونکہ یہ فیصلہ کلام اللہ کے مطابق نہ تھا اس لئے حضرت علیؑ نے اسے تسلیم
 کرنے سے انکار کر دیا اور اندر سر جو جنگ کی تیاری کرنے لگے۔ اس دوران
 میں ملک کا انتظام بھی خراب ہو گیا تھا اس لئے آپؑ نے نظام حکومت
 کی اصلاح کی۔ سرحدوں کو محفوظ کیا۔ گورنروں کو ہدایات دیں۔ خارجیوں کی
 گوشمالی کی اور جنگ نہروان میں عبرت ناک شکست دے کر انہیں راہ فرار
 اختیار کرنے پر مجبور کر دیا۔ آپؑ جس برق رفتاری اور تدبیر و فراست سے
 حالات کو رو بہ اصلاح کر رہے تھے اس کے پیش نظر کہا جاسکتا ہے کہ
 اگر تھوڑی سی مہلت اور مل جاتی تو نہ صرف یہ کہ امیر معاویہؓ کو شکست دے
 کہ شام پر قبضہ کر لیتے بلکہ آپؑ کا عہد تاریخ اسلام کا مثالی عہد قرار پانا مگر
 افسوس کہ ایک شقی القاب کے ہاتھوں جس کا نام عبدالرحمن بن ملجم تھا آپؑ
 شہید کر دیے گئے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُونَ

امام حسنؑ کی دست برداری

حضرت علیؑ کی شہادت کے بعد مسلمانوں نے آپ کے صاحبزادے حضرت امام حسنؑ کو خلیفہ منتخب کیا۔ حضرت معاویہؓ کے کردار کے امتحان کا یہ ایک اور موقع تھا مگر نہایت افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ اس موقع پر بھی انہوں نے کوئی اچھا نمونہ نہیں دکھایا اور مخالفانہ سرگرمیاں بدستور جاری رکھیں نہ صرف یہ بلکہ خاص طور پر اعلان جنگ کر دیا اور ایک بڑے لشکر کے ساتھ حضرت امام حسنؑ پر حملہ کرنے کے لئے روانہ ہو گئے۔ یہ صورت حال حضرت امام حسنؑ کے لئے بڑی پریشان کن تھی ایک طرف سے امارت و خلافت کا جاہ و جلال تھا اور دوسری طرف ہزاروں لاکھوں مسلمانوں کی جانوں کے اتلاف کا اندیشہ۔ حضرت امام حسنؑ نے ٹھنڈے دماغ سے اس مسئلے کے پرہیز پر غور کیا اور بالآخر اس نتیجے پر پہنچے کہ حضرت عثمانؓ کی شہادت سے لیکر اس وقت تک جنگ و جدل اور باہمی خونریزی کا ایک سیلاب ہے جو تھمنے کا نام ہی نہیں لیتا۔ ہزاروں مسلمان تلواروں کے گھاٹ اتربچکے ہیں نفاق اور بغض و حسد کی آہنی دیواریں حائل ہوتی چلی جا رہی ہیں۔ ان حالات میں مناسب یہی ہے کہ جنگ سے احتراز کیا جائے کیونکہ جنگ مقصد نہیں۔ اس سے تو اسلام کے مقاصد کا خون ہو رہا ہے یہ بھی واضح تھا کہ جن اہم مقاصد کے لئے مجبوراً جنگ شروع کی گئی تھی وہ

وقت گزرنے کے ساتھ بڑی حد تک نظروں سے اوجھل ہو گئے تھے اور مختلف گروہ ایک دوسرے سے ذاتی انتقام لینے کے لئے سرگرم تھے یہ سوچ کر حضرت امام حسنؑ خلافت سے دست بردار ہو گئے اور حضرت امیر معاویہؓ بلا شرکت غیرے دنیا کے اسلام کے حکمران بن گئے مگر ان کی اس حکمرانی کے متعلق اکابر امت کی رائے کیا تھی۔ ذیل کے بیان سے اس کا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔ ابن جریر طبری لکھتے ہیں کہ :-

”جس نے بھی معاویہؓ سے بیعت کی انہوں نے اس پر اس سے قسمیں لیں۔ سب سے پہلے جس نے قسم کھائی اور ان کے پاس آیا وہ سعد بن مالک تھے انہوں نے کہا: ”اَلْسَّلَامُ عَلَیْکُمْ یَا اَلسَّهْمُ الْمَلِکُ“ دے بادشاہ تم پر سلام ہو) معاویہؓ غضب ناک ہوئے اور کہا تم نے ”اَلْسَّلَامُ عَلَیْکَ یَا امیر المومنین“ کیوں نہیں کہا، سعد نے جواب دیا کہ یہ توجب ہوتا کہ ہم لوگوں نے تم کو امیر بنایا ہوتا، تم تو محض جھپٹ پٹنے والے ہو۔“

خلافت سے دست برداری کے بعد حضرت امام حسنؑ مدینہ منورہ تشریف لے گئے اور باقی عمر وہیں بسر کر دی۔ انتقال کے وقت آپؑ نے وصیت کی کہ حضرت عائشہؓ سے اجازت لے کر مجھے حجرہ رسولؐ میں دفن کرنا لیکن مجھے اندیشہ ہے کہ بنو امیہ ایسا نہیں کرنے دیں گے اگر یہ صورت پیدا

ہو جائے تو پھر مجھے جنت البقیع میں دفن کر دینا۔ مروج الذهب جلد سوم ۳۸۰
 آخر وہی ہوا جس کا اندیشہ تھا یعنی مروان بن ابی امیہ کی ایک جماعت کے ساتھ
 آپہونچا اور کہنے لگا کہ یہ نہیں ہو سکتا کہ عثمانؓ تو بقیع کے قبرستان میں دفن
 ہوں اور حسنؓ جو اہل رسول میں جگہ پائیں مجبوراً حضرت حسنؓ کو بھی قبرستان بقیع
 میں سپرد خاک کر دیا گیا۔

نزدیکی ولی عہدی

جب حضرت معاویہؓ کی راہ کے سارے کانٹے دور ہو گئے اور وہ یک
 طویل مدت تک حکومت بھی کر چکے تو انہیں ایک نیا خیال پیدا ہوا اور
 وہ یہ کہ خلافت کی لذتوں سے میں نے تو اپنے کام و دہن کو شاد کام کر لیا
 اب کسی طرح اسے اپنی اولاد کے لئے بھی محفوظ کر جاؤں چنانچہ انہوں
 نے اپنے معتمد ترین رفیق حضرت مغیرہ بن شعبہ سے اس کا ذکر کیا۔ انہوں
 نے اس جہدِ خیال پر سبحان اللہ و مرجبا کے پھول بچھا دے کئے اور
 معاویہؓ سے وعدہ کیا کہ ان کی اس خواہش کو جائزہ عمل پہنچانے کی ہر ممکن
 کوشش کریں گے۔ چنانچہ مغیرہؓ نے کوفہ جاکر جہاں کے وہ گورنر تھے
 رؤسا و عمائدین میں نزدیک کی ولی عہدی کی تحریک کی اور اپنے اثر و رسوخ
 سے کام لے کر بہت سے لوگوں کو بیعتِ یزید پر آمادہ کر لیا جہاں اثر و
 رسوخ سے کام نہ چلا وہاں انہوں نے روپے سے کام لیا اور بڑی بڑی

نہیں دے کر سرداران قبائل کو اپنا ہم خیال بنا لیا۔ اسی طرح بصرہ کے
 گورنر نے جس کا اہل بصرہ پر بڑا اثر تھا اور اس کے مظالم کی وجہ سے
 لوگ اس سے خوف کھاتے تھے۔ روٹے بصرہ کو یزید کی ولی عہدی پر
 مجبور کیا جن لوگوں نے اختلاف کیا ان پر تشدد کیا گیا۔ اس طرح کوفہ
 اور بصرہ میں یزید کی بیعت ہو گئی حجاز کا معاملہ درانازک تھا کیونکہ کوفہ اور
 بصرہ کے مقابلے میں یہاں کے لوگ زیادہ دیندار تھے اور اس
 سرزمین پر ابھی ایسے لوگ بقید حیات تھے جنہوں نے رسول اللہ کی آنکھیں
 دیکھی تھیں۔ یہاں حضرت عبداللہ بن عمرؓ۔ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ۔ حضرت
 عبدالرحمن بن ابوبکرؓ۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ اور حضرت حسین بن علیؓ جیسے
 بزرگ موجود تھے جن میں سے ہر شخص اپنے خاندانی عز و شرف اپنے زہد
 و تقویٰ اور اپنی حق گوئی و سبب باکی کے اعتبار سے یکساں روزگار تھا۔ اس
 لئے حضرت معاویہؓ کو سب سے زیادہ فکر حجاز کی طرف سے تھی۔ پہلے
 تو انہوں نے حجاز کے گورنر مروان کو لکھا کہ تم بیعت یزید کی کوشش کرو
 چنانچہ اس نے ان بزرگوں کے سامنے یہ معاملہ پیش کیا اور کہا کہ امیر معاویہؓ
 چاہتے ہیں کہ جس طرح حضرات ابوبکرؓ و عمرؓ اپنے جانشینوں کا فیصلہ کر گئے
 تھے اس طرح وہ بھی اپنے بیٹے کو جانشین مقرر کر جائیں۔ حضرت عبدالرحمن
 بن ابوبکرؓ نے جواب دیا کہ ایسا نہ کہو یہ ابوبکرؓ و عمرؓ کا طریقہ نہیں ہے یہ تو

قیصر و کسری کا طریقہ ہے۔ ان دونوں بزرگوں میں سے کسی نے بھی اپنے بیٹے کو اپنا جانشین نہیں بنایا نہ صرف یہ بلکہ اپنے خاندان کے کسی فرد کو بھی ولی عہد مقرر نہیں کیا۔ زنا ریح الخلفاء امام سیوطیؒ (۱۹۵)

جب حضرت معاویہؓ نے دیکھا کہ حجاز کے لوگ ان کے گورنر کے قابو میں نہیں آتے ہیں تو وہ خود شامیوں کا ایک لشکر جوار لے کر حجاز کو روانہ ہوئے مدینہ پہنچ کر انہوں نے ابن زبیرؓ ابن عمرؓ اور حضرت امام حسینؓ کو بلایا۔ ان حضرات نے حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کو اپنا نمائندہ بنا کر ان کے پاس بھیج دیا۔ دوسری روایت کے مطابق یہ سب معاویہؓ کے پاس گئے مگر سب کی طرف سے گفتگو ابن زبیرؓ نے کی۔ حضرت ابن زبیرؓ اور حضرت معاویہؓ میں جو گفتگو ہوئی وہ یہ تھی:-

معاویہؓ نے کہا کہ میں آپ لوگوں کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آتا ہوں۔ صلہ رحمی کرتا ہوں اور آپ لوگوں کی ساری باتیں برداشت کرتا ہوں آپ کو بھی میرے ساتھ ایسا ہی سلوک کرنا چاہیئے۔ یزید آپ کا بھتیجا ہے۔ میں صرف یہ چاہتا ہوں کہ آپ اسے نام کا خلیفہ بنا دیں۔ جہاں تک گورنروں کے تقریر یا معزول کرنے اور خراج وغیرہ کی معمولی کا تعلق ہے وہ سب آپ کی مرضی سے انجام پائے۔

حضرت عبداللہ بن زبیرؓ نے فرمایا کہ آپ رسول اللہ یا حضرات

ابوبکرؓ و عمرؓ میں سے کسی ایک کی سنت کی پیروی کیجئے ان میں سے جس کا طریقہ آپ اختیار کر لیں گے ہم بھی اس سے اتفاق کریں گے اول یا تو اس طرح کیجئے جس طرح رسول اللہؐ نے کیا تھا کہ اپنی وفات تک کسی کو خلیفہ مقرر نہیں فرمایا۔“

حضرت معاویہؓ نے کہا کہ ”آپ نے سچ فرمایا لیکن یہ بھی تو دیکھئے کہ آج ہم لوگوں میں ابوبکرؓ کی طرح کون ہے جسے سب لوگ یہ اتفاق خلیفہ مان لیں۔“

حضرت عبداللہ بن زبیرؓ نے کہا ”اچھا پھر آپ حضرت ابوبکرؓ کی سنت کی پیروی کیجئے کہ انہوں نے خلیفہ تو مقرر کیا لیکن ایسے شخص کو جو ان کا رشتہ دار بھی نہ تھا یا پھر حضرت عمرؓ کا طریقہ اختیار کیجئے کہ انہوں نے چھ افراد کی ایک کمیٹی بنا کر امر خلافت کو ان کے لئے مختص کر دیا۔ ان میں سے کوئی شخص حضرت عمرؓ کی اولاد میں سے نہ تھا۔“

حضرت معاویہؓ نے لا جواب ہو کر پوچھا کہ اس کے علاوہ بھی کوئی صورت ہے حضرت عبداللہ بن زبیرؓ نے جواب دیا کہ اس کے علاوہ کوئی صورت ممکن نہیں نہ (الکامل ابن اثیر جلد سوم ص ۴۲۲)

باوجود اس کے کہ حجاز کے اکابر نے کھلم کھلا بیعت یزید کی مخالفت کی اور اپنے اختلاف کے حق میں مسکت دلائل دیئے لیکن حضرت معاویہؓ اپنی

خند سے باز نہ آئے انہوں نے حجاز کے ان اکابر کا مشورہ قبول نہ کیا اور جو سوچا تھا وہ کر کے چھوڑا۔ زمانہ حال کا ایک نامور عربی مؤرخ عمر ابو النصر حضرت معاویہ کے کردار اور بیعت یرید کے واقعہ پر اظہار خیال کرتے ہوئے لکھتا ہے۔

”اس کتاب میں امیر معاویہ کے موقف اور آپ کے اعمال و

افعال پر تنقید کرنا مقصود نہیں لیکن میں یہ کہنے سے باز نہیں سکتا

کہ امیر معاویہ نے حضرت علیؓ کی جو بلا شک و شبہ امام وقت اور

خلیفۃ المسلمین تھے مخالفت کر کے اور ایک قائم شدہ حکومت

کے خلاف کھلم کھلا بغاوت کر کے اسلام کے اصولوں پر کاری

ضرب لگائی۔ انہوں نے اپنی سیاست کو کامیاب بنانے اور

اپنے اقتدار کو قائم رکھنے کے لئے مسلمانوں کے خزانے کو جس

بے دردی سے خرچ کیا کوئی شخص بھی اس کی تعریف نہیں کرے گا

خلافت اور شریعت کے بجائے ملوکیت کی بنیاد ڈال کر انہوں

نے اسلام کو شدید ضعیف پہنچایا۔ اسلام ملوکیت کو کسی طرح

بھی جائز نہیں ٹھہراتا۔ رسول اللہ کا اپنا عمل اس بات کو ثابت کر رہا

ہے۔ آپؐ نے خلافت کے لئے یہ طور خود کسی شخص کو نامزد

نہیں فرمایا بلکہ یہ امر مسلمانوں پر چھوڑ دیا کہ وہ ایسے شخص کو خلافت

کے لئے منتخب کر لیں جو سب سے زیادہ نیک اور پرہیزگار ہو

اور حکومت کا بوجھ اپنے کاندھوں پر اٹھانے اور حق و انصاف کو
پورے طور پر قائم کرنے کا اہل ہو۔

اپنی زندگی میں یزید کی بیعت لینے کا واقعہ اور وہ بھی اس
حالت میں کہ انہیں یزید کی اوباشانہ زندگی کا اچھی طرح علم تھا۔
ان عظیم مصائب میں سے ہے جو امیر معاویہ کے ہاتھوں اسلام کو
برداشت کرنا پڑے۔

اصل بادشاہت اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے اور وہ اپنے
بندوں میں سے جسے چاہتا ہے اس انعام سے سرفراز کرتا ہے
کسی بندے کی طاقت نہیں کہ اللہ تعالیٰ کی مرضی کے بغیر وہ یا اس کا
بیٹا بادشاہت پر قائم رہ سکے۔ اس بادشاہت کا حشر جو امیر معاویہ نے
اپنے بیٹے کو دی سب کے سامنے ہے۔ امیر معاویہ یہ سمجھتے تھے
کہ انہوں نے اپنی زندگی میں سلطنت کو اس قدر مضبوط کر دیا ہے کہ
ان کے بعد کسی شخص کی یہ مجال نہیں ہوگی کہ وہ ان کے بیٹے یزید
کے اقتدار کو چیلنج کر سکے۔ لیکن خدا تعالیٰ آسمان پر کچھ اور ہی تدبیر
کر رہا تھا۔ امیر معاویہ کی آنکھیں بند ہوتے ہی ان کی چھوڑی ہوئی
سلطنت کا شیرازہ درہم برہم ہونے لگا۔ حضرت امام حسینؑ کی
شہادت نے علویین کے دلوں میں ایسی آگ لگا دی تھی جو

کسی وقت بھی بچہ نہ سکی۔ آخر ایک صدی سے بھی کم عرصے
 میں نہایت دروناک طوطہ پر بنو امیہ کی حکومت کا خاتمہ ہو گیا۔
 (والعین ترجمہ شیخ محمد احمد پانی پتی صفحہ ۵۲)

مجلس
العلماء
الاسلاميين

الاسلام

یزید بن معاویہؓ

مكتبة

1

نزدین معاویہ

تاریخ اسلام میں جس قدر متضاد بیانات نزدیک معاویہ کے متعلق ملتے ہیں
 اتنے شاید ہی کسی کی نسبت ملتے ہوں حقیقت یہ ہے کہ موافق و مخالف
 بیانات کے گرنے غبار نے اس شخص کی تصویر کے خدو خال کو بالکل بگڑ دیا
 تاریخ کی دوسری شخصیتوں کی طرح نزدیک کے ساتھ بھی اس کے مداحوں اور
 مخالفوں نے طرح غارت کی زیادتیاں کیں (چونکہ اس کے عہد نامہ مسمود میں
 سیدنا حضرت امام حسینؑ کی شہادت کا المیہ جاں کاہ پیش آیا اور اس کا ذمہ دار
 بھی وہی ثابت ہوتا تھا اس لئے جوں جوں اس حادثے کی تشہیر کی گئی
 اسی قدر لوگ اس کے دشمن ہوتے گئے اور نزدیک دشمنی میں ایسی ایسی
 افسانہ پردیاں کی گئیں کہ پڑھنے والے کی عقل دنگ رہ جاتی ہے۔

بے گمرو باروائتیں

سب سے پہلے اس کے حسب نسب کو مورد طعن قرار دیا گیا جو اہل مشرق کا خاصہ ہے اور کسی کو بدنام کرنے کا سب سے زیادہ آسان نسخہ ہے مشہور کیا گیا کہ اس کی ماں کا شادی سے قبل اپنے باپ کے ایک غلام سے ناجائز تعلق تھا اور جب وہ بیاہ کر معاویہؓ کے حرم میں آئی تو حاملہ تھی اور یزید اسی حمل کے نتیجے میں پیدا ہوا یعنی وہ معاویہؓ کے نطفے سے نہیں بلکہ اپنی ماں کے آشنا کے نطفے سے تھا۔ اس پر دوسرا الزام یہ لگایا گیا کہ اس نے ایک عورت کو گراں قدر انعام و اکرام اور اپنی بیوی بنانے کا لالچ دے کر حضرت امام حسنؑ کو زہر دلویا۔ لیکن دوسری طرف بعض روایتوں سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت امام حسنؑ کو حضرت معاویہؓ نے زہر دلویا تھا۔ اگر یزید نے زہر دلویا تو معاویہؓ پر الزام غلط ہے اور اگر معاویہؓ نے دلویا تو یزید پر الزام غلط ہے۔ اس تضاد بیانی سے اس روایت کی حقیقت آشکار ہو جاتی ہے۔ پھر یہی نہیں اس کی شکل و صورت کو بھی انتہائی مضحکہ خیز ثابت کر نیکی کوشش کی گئی۔ اس کا رنگ بیاہ نام چہرہ چمک زدہ اور ناک باحتی کی سونڈ کی طرح بیان کی گئی۔ اس کے کیر مکیڑ کو جس قدر قبیح بتایا جاسکتا تھا بنایا گیا۔ یہاں تک کہہ دیا گیا کہ اس نے اپنی ماؤں، بیٹیوں اور بہنوں تک سے زنا کیا۔ ایک روایت یہ وضع کی گئی کہ اس نے ام المومنین حضرت

مابینہ صدیقہ کی خدمت میں اپنے نکاح کا پیغام بھیجا۔ لا حول ولا قوۃ الا باللہ۔
 کیا کوئی صحیح العقل شخص کبھی تسلیم کر سکتا ہے کہ ایک پچیس تیس سال کا نوجوان
 ایک ساٹھ سال کی بوڑھی عورت سے شادی کا خواہشمند ہو گا جب کہ وہ
 ایک بہت بڑے حکمران کا بیٹا ہے اور اس کے لئے حسین سے حسین شیریں
 مہیا ہو سکتی ہیں جنہیں وہ اپنے حرم میں لاکر اپنی شہوانی خواہشات پوری کر سکتا ہے۔
 راولیوں کا مدعا

نظاہر ہے کہ جو شخص والد الزنا ہو شکل و صورت کے لحاظ سے کو یہ النظر ہو
 دوائے رسول کو بلا کسی وجہ کے زہر دلو اچکا ہو۔ اپنی ماؤں، بیٹیوں اور مہنوں
 تک سے زنا کرتا ہو۔ اپنے پیغمبر کی بیوی سے نکاح کرنے کی کوشش کرے
 جس سے نکاح حرام قرار دیا گیا ہے) تو کون سا شریف، غیرت دار اور مومن
 شخص ہو گا جو اس سے نفرت کرنے کو جزو ایمان نہ سمجھے گا۔ یہ تھا ان
 روایتوں کو مشہور کرنے کا سارا مقصد و مدعا لیکن ان بھلے لوگوں نے اس
 حقیقت کو نظر انداز کر دیا کہ ایک شخص کی حقیقی برائیاں بھلے خود اس و متاثر
 ہوتی ہیں کہ اس سے نفرت کی جائے اور اس کے قبیح اعمال خود ہی لوگوں
 کو اس سے متنفر کر دیتے ہیں اگر اس کی حقیقی برائیوں کے علاوہ کچھ اور برائیاں
 بھی جو اس میں موجود نہ ہوں اس سے وابستہ کر دی جائیں تو اس کا نتیجہ یہ ہوتا
 ہے کہ اس کی حقیقی برائیاں بھی لوگوں کی نظروں میں مشکوک ہو جاتی ہیں اور
 لہٰذا یہ بزرگ کے خلاف الحاقی روایتوں میں سے چند ہیں۔

یہ جو پستہ شیریں تر مرہ خند شیریں ہے سر کی دولت بہار
 ہے اس کی خیر کسب اور تہنیر کسب یہ چاند شیریں قیاس کی دولت
 تھکے ہوئے خوش بہار تہنیر کسب یہ کسب عبادت خوش و خوش
 دین کی دولت کی کسب دین کی دولت کی دولت کی دولت کی دولت
 جس سے خوش شیریں مرہ خند شیریں ہے سر کی دولت بہار
 اور کسب کسب کسب کسب کسب کسب کسب کسب کسب کسب کسب
 گیارہ سو تہنیر کسب کسب کسب کسب کسب کسب کسب کسب کسب
 خوش کسب کسب کسب کسب کسب کسب کسب کسب کسب کسب کسب

عین آئینہ

یہ تو ان کسب کسب کسب کسب کسب کسب کسب کسب کسب کسب کسب
 و سر کی دولت ہے کسب کسب کسب کسب کسب کسب کسب کسب کسب
 پہلے نہیں ہے کسب کسب کسب کسب کسب کسب کسب کسب کسب کسب
 سے پاک خوش کسب کسب کسب کسب کسب کسب کسب کسب کسب کسب
 کسب کسب کسب کسب کسب کسب کسب کسب کسب کسب کسب کسب
 کسب کسب کسب کسب کسب کسب کسب کسب کسب کسب کسب کسب
 کسب کسب کسب کسب کسب کسب کسب کسب کسب کسب کسب کسب
 کسب کسب کسب کسب کسب کسب کسب کسب کسب کسب کسب کسب

وامن پرنت نئے داغ لگانے اور موخر الذکر گروہ نے ضد میں آکر اس کے حقیقی و غیر حقیقی داغوں کو دھونے کا فرض اس طرح ادا کیا کہ اس کی شکل ہی بدل گئی اور اب اس کا پہچانا نہایت مشکل ہے۔

ابتدائی حالات

بہر حال جہاں تک تاریخ ہماری رہنمائی کرتی ہے صحیح واقعات یہ ہیں کہ یزید ۶۵ھ مدینہ میں بہ عہد حضرت عثمان دمشقی میں پیدا ہوا۔ اس کی ماں کا نام میسون تھا جو قبیلہ بنو کلب کے سردار بحدل بن انیف کی بیٹی اور نہایت حسینہ جمیل اور ہوشیار خاتون تھی۔ یزید نے اپنے نانہال میں پرورش پائی تھی اور اس کے نانہال کا قبیلہ شام و حجاز کی سرحد پر ایک صحرا میں آباد تھا۔ صحرائی آب ہوا کا اثر تھا کہ اس کے طور طریقوں میں وہ شائستگی اور ملائمت نہ تھی جو شہر کے متمدن و مہذب لوگوں میں پائی جاتی ہے لیکن اس آب و ہوا اور ماحول نے اس میں بعض خوبیاں بھی پیدا کر دی تھیں جن میں سے فصاحت و بلاغت اور شعر گوئی خصوصیت سے قابل ذکر ہیں۔ وہ اعلیٰ درجے کا شاعر تھا اور اس کے بعض خطبے اس کی ملائمت لسانی کے شاہد ہیں بعض راویوں سے معلوم ہوتا ہے کہ اس نے مجبوراً ایک جنگوں میں بھی حصہ لیا تھا۔ وہ فیاض بھی تھا اور باپ کے اس ورثے سے اس نے کافی حصہ پایا تھا۔

قص و سرود سے شغف

شعر گوئی کے ساتھ ساتھ اسے قص و سرود سے شغف تھا اور اسے
نوشی جو اکثر اوقات قص و سرود کا لازمیہ ثابت ہوتی ہے اس کا محبوب شغل
تھی۔ اس کی قص و سرود سے رغبت کو انسائیکلو پیڈیا آف اسلام کا مقالہ
نگار بھی نہ چھپا سکا جس نے اس کی تعریف میں یہ باب سپرد قلم کیا ہے اور
اسے نہایت نیک شریف النفس قابل اور مدبر حکمران ثابت کیا ہے۔ وہ
لکھتا ہے کہ وہ دیزید شاعر بھی تھا اور موسیقی کا دلدادہ نیز آریٹ کا قدردان
مے نوشی و شہوت رانی

اس کی شراب نوشی کے متعلق مایہ ناز مورخ علامہ بلاذری حضرت عبداللہ
بن زبیر کا بیان نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں یہ
"ابن زبیر نے یزید پر تنقید و تنقیص کی اور بیان کیا کہ مجھے معلوم
ہوا ہے کہ وہ شام کو شراب پیتا ہے اس حالت میں کہ صبح
ہو جاتی ہے اور صبح کو شراب پیتا ہے اس حالت میں کہ شام
ہو جاتی ہے" (الشیاب الاشراف جلد چہارم ص ۱۲)
وہ پیر و شکار کا بھی دلدادہ تھا اور شکاری کتوں کی کثیر تعداد اس کے
پاس تھی مشہور ہے کہ اکثر اوقات نماز بھی فضا کر دیا کرتا تھا اس کے علاوہ
اس پر شہوانی خیالات کا بھی غلبہ رہتا تھا ایک مشہور مورخ ابن کثیر لکھتا ہے

اس کی طبیعت شہوت کی طرف مائل رہتی تھی اور کبھی کبھی نمازیں بھی ترک کر دیتا تھا۔
(البدایہ والنہایہ جلد ہشتم ص ۲۳)

افتادِ طبع

مزاج میں سخت گیری کا مادہ بہت زیادہ تھا اور کمزوروں پر ظلم کرنا اس کی فطرت کا خاصہ تھا۔ اپنے غریب ملازموں کو بھی زود کو ب کرنے سے باز نہ آتا تھا۔ چنانچہ ایک روز اپنے کسی ملازم یا غلام کو مار رہا تھا کہ حضرت امیر معاویہ آگئے انہوں نے اس کی یہ حرکت دیکھ کر سرزنش کی اور کہا کہ :-

”خدا تیرا بڑا کرے تو اس پر ظلم کرتا ہے جو تجھ سے مقابلہ کرنے کی طاقت نہیں رکھتا۔“
(البدایہ والنہایہ جلد ہشتم ص ۲۲)

اخلاق کا یہ حال تھا کہ اور تو اور اپنے استاد کے ساتھ بھی بدزبانی اور سخت کلامی کرنے میں کوئی باک محسوس نہ کرتا تھا۔ یزید کے سرگرم مداح جناب محمود احمد عباسی اپنی کتاب ”خلافت معاویہ و یزید“ میں بلا فدی کے حوالے سے ایک واقعہ لکھتے ہیں کہ ایک روز اُن یزید کے تابع نے کسی خطا پر سرزنش کی۔ استاد شاگرد میں یہ گفتگو ہوئی :-

یوزید کے تابع نے کہا :- اے
رکھ کے تو نے خطا کی۔

فقال یزید: ان الجواد یحضر یزید نے کہا: اہل گھوڑا ہی ٹھوکر کھاتا ہے۔

فقال المودب: اے واللہ یضرب اہل اللہ کوڑا کھاتا ہے فیستقیم ہے تو سیدھا ہو جاتا ہے

فقال یزید: اے واللہ فیضرب یزید نے کہا: اہل اللہ تو پھر اپنے سائیس کی ناک بھونک (خلافت معاویہ و یزید ص ۲۸۶) ڈالتا ہے۔

یہ ہے اس شخص کا اخلاق کہ اپنے استاد کی ناک اور منہ توڑنے پر آمادہ تھا۔ اس کی ناک توڑنے پر جو بنزیر باپ کے تمنا۔ دواصل یزید کے بچپن کا یہ واقعہ اس کی سیرت کا آئینہ ہے اور اس واقعے سے اس کی فطرت کی رومی اور سرکشی و خود سری کا اندازہ ہوتا ہے۔ اسلامی تعلیم کی رو سے ایسا شخص مست خلاف پرہیزگار ہونا تو درکنار اس قابل بھی نہیں کہ اسے کوئی عہدہ عہدہ دیا جائے مگر حضرت امیر معاویہؓ نے صرف محبت پدری سے مجبور ہو کر سلطنت و امارت کو اپنے خاندان میں محفوظ رکھنے کے خیال سے اسے جانشین بنایا اور بڑے زور شور سے بنایا۔ اپنے انتقال سے پہلے اسے بلا کر میت سی نصیحتیں کیں۔ دوسری روایت کے مطابق حضرت معاویہؓ کی وفات کے وقت یزید دمشق سے باہر گیا ہوا تھا۔ اس لئے آپ نے اس کے نام

بک وصیت نامہ لکھوایا جو درج ذیل ہے۔

معاویہ کی وصیت

اے میرے فرزند! میں نے تیرے رستے کی ساری مشکلیں
آسان کر دی ہیں اور بڑے بڑے سرکشوں کی گردنیں تیرے
سلمانے جھکا دی ہیں اور میں نے تیرے لئے وہ چیزیں جمع کر دیں
جو کسی نے نہ کی ہوں گی۔ مجھے اس بات کا اندیشہ ہے کہ ان شخصوں
کے سوا اور کسی سے تیرے ساتھ نزاع ممکن نہیں ہے۔ حسین بن
علیؑ، عبداللہ بن عمرؓ، عبداللہ بن زبیرؓ۔ ان میں سے عبداللہ بن عمرؓ
عبادت گزار آدمی ہیں اور انہیں دنیا سے کوئی غرض نہیں۔ جب
وہ دیکھیں گے سب نے تیری بیعت کر لی ہے تو وہ بھی کر لیں
گے البتہ اہل عراق حسینؑ کو تیرے خلاف خروج پر آمادہ کئے بغیر
نہ رہیں گے۔ اگر وہ تیرے خلاف نکلیں تو قابو پانے کے بعد ان
کے ساتھ درگزر سے کام لینا کیونکہ وہ رسول اللہ کے قرابت دار
ہیں اور ان کا ہم پر پڑا حق ہے۔ اگر ان جیسا کوئی شخص میرے خلاف
کچھ کرتا تو میں بھی اسے معاف کر دیتا۔ ہاں جو شخص لومڑی کی طرح
تیری گھات میں رہے گا اور شیر کی طرح حملہ کرے گا وہ ابن زبیرؓ
ہے اگر وہ تیرے مقابلے میں آئے اور تو اس پر قابو پا جائے

تو اس کے ٹکڑے اڑا دینا۔

(الکمال ابن اثیر جلد چہارم مستنیر تاریخ طبری جلد اول جلد دوم)

نیزد کی تخت نشینی

اس دعیت کے چند روز بعد حضرت معاویہ انتقال فرما گئے اور جب تک
 میں نیزد اپنے باپ کی جگہ مسند نشین حکومت ہوا۔ حکمران ہوتے ہی اس نے
 سب سے پہلا کام یہ کیا کہ مدینہ کے گورنر ولید بن عقبہ کو ایک خط کے ذریعہ
 اپنے والد گرامی کے انتقال اور اپنی مسند نشینی کی اطلاع دی اور ہدایت کی
 کہ جتنی جلد ہو سکے ابن عمرؓ، ابن زبیرؓ اور حسینؓ بن علیؓ سے بیعت لے لے ولید
 بن عقبہ فطرنا صلح جو آدمی تھا اور کشت و خون ریزی کو پسند نہ کرتا تھا۔ دوسرے
 اس کے دل میں اہل بیت رسولؐ کا احترام بھی تھا اس لئے وہ نیزد کا یہ حکم نامہ
 پڑھ کر عجیب شش و پنج میں پڑ گیا۔ اس نے مروان بن الحکم کو مشورے کے
 لئے بلایا اور نیزد کا فرمان سنا کر پوچھا کہ تمہاری رائے میں مجھے کیا کرنا چاہیے
 مروان نہایت مفسد بد باطن اور برا سخت گیر آدمی تھا۔ اس نے مشورہ
 دیا کہ ابن زبیرؓ اور حسینؓ دونوں کو بلا کر بیعت کا مطالبہ کرو اور ان میں سے
 جو بھی انکار یا کوئی عذر کرے اس کی فی الفور گردن اڑا دو کیونکہ اگر انہیں
 امیر معاویہ کی موت کا علم ہو گیا تو دونوں اپنے اپنے حلقوں میں مدعی خلافت
 جائیں گے اگر ایسی صورت پیدا ہوئی تو بڑی مشکل کا سامنا کرنا پڑے گا۔

حسینؑ سے بیعت کا مطالبہ

ولید کے لئے سولے اس کے اور کوئی چارہ کار نہ تھا کہ جس طرح بھی ہو
 دونوں حضرات کو بلا کر بیعت کا مطالبہ کرے۔ چنانچہ اس کا فرستادہ حضرت حسینؑ
 و حضرت ابن زبیر کے پاس پہنچا۔ اس وقت دونوں حضرات مسجد نبوی میں
 بیٹھے ہوئے تھے چونکہ یہ رات کا وقت تھا۔ دوسرے حضرت معاویہؓ کی
 علالت کی اطلاعات مدینہ پہنچ چکی تھیں۔ اس لئے ان دونوں حضرات
 نے اپنی ذہانت سے اندازہ کر لیا کہ اس بے وقت کی طلبی کا مطلب
 یہی ہے کہ معاویہؓ فوت ہو گئے ہیں اور ہم سے بیعت کا مطالبہ ہو گا۔ چنانچہ
 حضرت امام حسینؑ مسجد سے گھر آئے اور مسلح نوجوانوں کی ایک جماعت کو لے
 کر دیہ کے مکان پہنچے۔ انہوں نے اپنے ساتھیوں کو دروازے پر
 متعین کر دیا اور ہدایت کر دی کہ اگر اندر سے تند و تلخ گفتگو کی آوازیں سنو
 تو فوراً مکان میں داخل ہو جانا ورنہ یہیں ٹھہرے رہنا۔

اندر پہنچ کر وہی ہوا جس کا اندیشہ تھا یعنی ولید نے حضرت امام حسینؑ کو
 معاویہؓ کے انتقال اور یزید کی تخت نشینی کی اطلاع دی اور مطالبہ کیا کہ آپ
 یزید کی بیعت کر لیجئے۔ حضرت امام حسینؑ نے حضرت معاویہؓ کے انتقال کی
 خبر سن کر انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھا اور اظہارِ افسوس فرمایا
 لیکن بیعت یزید کے بارے میں معذرت کی۔ اس مختصر گفتگو کے بعد آپ

تیزی سے اٹھ کر باہر آگئے۔ آپ کے جانے کے بعد مروان نے ولید سے کہا کہ تم نے میرا مشورہ نہ مانا اور حسینؑ کو بغیر بیعت لئے چلا جانے دیا۔ اب یاد رکھو جب تک تم میں اور ان میں اچھی طرح خوں ریزی نہ ہو لے تم ان پر قابو نہ پاسکو گے۔

ولید نے جواب دیا کہ تم پر ہزار افسوس ہے کہ مجھے بنتِ رسولؐ کے فرزند کو قتل کرنے کا مشورہ دیتے ہو۔ خدا کی قسم حشر کے روز وہ شخص سب سے زیادہ خسارے میں رہے گا جس سے خون حسینؑ کی باز پرس ہوگی۔

(اخبار الطول ص ۲۷۱ وابن اثیر جلد چہارم)

اگلے دن رات کو آپ اپنے اہل بیت کو لے کر مدینے سے نکل گئے۔ عبداللہ بن زبیرؓ نے بھی مدینہ میں قیام کرنا مناسب نہ سمجھا اور وہ بھی مکہ چلے گئے۔

اگر زبید میں باپ کی سی عالی ظرفی اور وسیع قلبی ہوتی اور کچھ بھی زیرک ہوتا تو جس طرح حضرت معاویہؓ نے ابن ابی بکرؓ ابن عمرؓ ابن زبیرؓ اور ابن علیؓ کو زبید کی بیعت سے اختلاف کرنے کے باوجود کچھ نہ کہا اور ان بزرگوں سے کوئی تعرض نہ کیا اسی طرح وہ بھی ان حضرات کو ان کے حال پر چھوڑ دیتا مگر اس نے سنت عاقبت اندیشی اور جلد بازی کا مظاہرہ کیا اور حکمران ہوتے ہی عبداللہ بن عمرؓ عبداللہ بن زبیرؓ اور حضرت امام حسینؑ سے

بیعت کا مطالبہ شروع کر دیا۔ اس کا جواب خاتم ہوا وہ سب کے سامنے ہے۔
 دنیا میں یزید سے کہیں زیادہ بدتماش اور بدکردار حکمران پیدا ہوئے مگر ان میں
 سے کوئی بھی اس قدر پھسکار کا مورد نہیں بنا جتنا یزید کو بننا پڑا قتل حسینؑ
 کے واقع نے عاقبت المسلمین کی نگاہوں میں اسے ہمیشہ کے لیے مردود و
 مستہود بنا دیا۔ اپنی حکومت کے پہلے سال اس نے حضرت امام حسینؑ کو قتل
 کرایا۔ تیسرے سال مدینہ پر حملہ کرایا اور ارض پاک کی وہ بے حرمتی کی گئی کہ خدا
 کی پناہ۔ بڑے بڑے بزرگ صحابیوں اور زہاد امت کو قتل کیا گیا۔ عورتوں
 کی آبروریزی کی گئی۔ اس کے سپہ سالار نے کعبہ پر بھی سنگ باری کی اور
 خلافت کعبہ میں کر خاک ہو گیا۔ تخت نشینی کے چوتھے سال یعنی ۴۰ھ بیچ الاول
 کو ۳۹ یا ۴۰ سال کی عمر پاکر تاریخ اسلام کا یہ بدترین حکمران فوت ہو گیا اور
 اپنے بعد امت کو ایک ایسے دہل میں پھینکا گیا جس میں وہ اب تک
 مبتلا ہے اور شاید قیامت تک مبتلا رہے گی۔

اہل عرق کی دعوت



اہل عراق کی دعوت

ولید بن عتبہ سے نصحت ہو کر حضرت امام حسینؑ گھر آئے اور اپنے آئندہ اقدام کے بارے میں غور و خوض کرنے لگے۔ اس سلسلے میں آپؑ نے اپنے بھائی محمد بن الحنفیہؑ سے ملاقات کی اور وہ سارا ماجرا بیان کیا جو ولید بن عتبہ کے ساتھ پیش آیا تھا۔ حضرت محمد بن الحنفیہؑ اپنے زمانے کے جید عالم بہت بڑے مدبر اور بزرگ انسان تھے۔ انہوں نے حضرت امام حسینؑ کی خدمت میں عرض کیا کہ :-

”بھائی صاحب! ساری مخلوق میں آپ سے بڑھ کر مجھے کوئی عزیز نہیں اور آپ سے بہتر اور کوئی نہیں کہ میں جس کے حق میں کلمہ خیر کہوں میرا خیال تو یہ ہے کہ آپ فی الحال نہ تو یزید کی بیعت کیجیے اور نہ

اسکے کسی شہر کی طرف جانے کے لئے اپنے دامیوں کو بھیج کر لوگوں کو اپنی
 بیعت کی اذیت دیکھئے اگر آپ کی بیعت ہو جائے تو یہ خدا کا احسان
 ہوگا اور اگر لوگ کسی اور کی بیعت پر متفق ہو جائیں تو اس سے
 آپ کے دین عقل اور فضیلت کو کوئی نقصان نہ پہنچے گا لیکن
 اگر آپ کسی ایسے شہر کی طرف گئے جہاں کوئی جہالت آپ کے
 حامیوں کی موجودہ ہو تو مجھے اندیشہ ہے کہ اس طرح اختلاف کی
 صورت نہ پیدا ہو جائے کچھ لوگ آپ کے ساتھ ہو جائیں اور کچھ
 آپ کے خوف اس طرح بڑی کشت و خون دہری ہوگی برپا ہوں
 کے درخ سب سے پہلے آپ کی طرف ہوں گے اور آپ جیسی
 شخصیت جو خاندانی اور ذاتی عزت و شرف کے اعتبار سے افضل و علاؤ
 ہے خاک دشمن میں نہانے کی اور اس کے اہل و عیال پر سخت
 تباہی پہنچانے کی ۔

حضرت امام حسینؑ نے اپنے دراندیش اور بوجہائی سے دریافت
 کہ تمہارے خیال میں پھر مجھے کہاں جانا پائیے حضرت محمد بن الحنفیہؑ نے
 جواب دیا کہ ۔

آپ کہہ چکے ہیں کہ اگر وہاں سکون نہ ہو تو حاصل ہو جائے تو بیت
 ہی اچھا ہے ایسا اگر پریشانی کی کوئی صورت پیدا ہو تو سحر اؤں باور

پھاڑوں کی طرف چلے جائیے۔ ایک مقام سے دوسرے مقام
کی طرف منتقل ہوتے رہیے۔ یہاں تک کہ حالات کا اونٹ کسی
کروٹ پیو جیسے اس وقت آپ جو رائے قائم کریں گے وہ
زیادہ صحیح ہوگی۔ (اکمال ابن اثیر جلد چہارم ص ۸)

حضرت محمد بن الحنفیہؒ کی یہ رائے سن کر حضرت امام حسینؑ نے فرمایا کہ
”مجاہد! تم نے کلمہ نیر خواہی کہا اور تمہاری رائے درست ہے۔“ (طبری جلد ہفتم ص ۲۲)
اس کے بعد حضرت امام حسینؑ نے سامان سفر باندھا اور اپنے اہل بیت
اور اہوان و انصار کے ساتھ شعبان ۶۰ھ میں مدینہ سے مکہ کی طرف روانہ
ہو گئے۔ روانگی کے وقت آپ اس آیت مبارک کی تلاوت فرما رہے تھے
فخرج منها خائفًا يترقب
رب فنجني من القوم الظالمين
(موسیٰ) امید و بیم کے عالم میں شہر
سے نکلے۔ کہا اسے میرے رب!
مجھے ظالم قوم سے نجات دیجئے۔
جس وقت آپ مکہ میں داخل ہوئے تو اس آیت مبارک کی تلاوت
فرما رہے تھے۔

فلما توجه تلقاء مدين
عسى ربي ان يهديني
سواء السبيل
جب (موسیٰ) مدین کی طرف متوجہ
ہوئے تو کہا کہ امید ہے کہ خدا تعالیٰ
مجھے راہ راست پر دگادے گا۔

حضرت امام حسینؑ ۳ شعبان ۶۰ھ کو مکہ پہنچے اور شعب ابی طالب
 میں اترے جہاں کسی زمانے میں قریش مکہ نے رسول اللہ اور بنو ہاشم کو محصور ہونے
 پر مجبور کر دیا تھا جب اہل مکہ کو آپؐ کے آنے کی اطلاع ملی تو وہ جو ق در جو ق آپؐ کی خدمت
 میں حاضر ہونے لگے۔ اور کوفہ میں بھی یہ خبر پہنچ گئی کہ حضرت امام حسینؑ نے
 بیعت ینبیس سے انکار کر دیا ہے اور مدینہ سے مکہ چلے گئے ہیں چنانچہ کوفہ
 کے بعض سربراہ اور وہ لوگ سلیمان بن صرد کے مکان میں جمع ہوئے اور ہاتھ
 مشورے کے بعد فیصلہ کیا کہ حضرت امام حسینؑ کو کوفہ تشریف لائے
 دعوت دی جائے اور جب وہ آجائیں تو ان کے ہاتھ پر بیعت کر کے
 کی فتح و نصرت کی کوشش کی جائے۔ اس مشورے کے بعد مندرجہ ذیل
 خط حضرت امام حسینؑ کی خدمت میں تحریر کیا گیا۔

کوفہ سے دعوت

”بسم اللہ الرحمن الرحیم“

حسینؑ بن علیؑ کی خدمت میں سلیمان بن صرد۔ مسیب بن نجبه
 رفاعہ بن شداد۔ حبیب بن مظاہر اور کوفہ کی جماعت مومنین کی
 طرف سے۔ ہم اس مجبور و حقیقی کی حمد کرتے ہیں کہ جس کے
 سوائے اور کوئی پرستش کے قابل نہیں ہے اس کے
 بعد خداوند تعالیٰ کا شکر ادا کرتے ہیں کہ جس نے آپؑ

کے ... بلکہ ... دشمن سے آپ کو نجات دیدی رہیں اب
کوئی ہدایت دینے والا نہیں ہے۔ آپ تشریف لے
آئیے کہ خدا آپ کے ذریعہ ہمیں حق پر جمع کر دے نعمان
بن بشیر اگرچہ (کو فہ کے گورنور ہیں) مگر ہم نہ انکے پیچھے نماز جمعہ
پڑھتے ہیں اور نہ نماز عید۔ ہمیں صرف اتنی خبر مل جائے کہ آپ
ہمارے پاس تشریف لارہے ہیں تو ہم انہیں نکال باہر کر دیں
والسلام علیک (اکمال ابن ابیہر جہاد ص ۷۸)

عبداللہ بن مسیح ہمزانی اور عبداللہ بن وال اہل کو فہ کا یہ خط لے کر عازم مکہ
ہوئے اور رمضان کی دس تاریخ کو حضرت امام حسینؑ کی خدمت میں پیش
کیا۔ اس کے دو روز بعد ایک اور خط قیس بن مسہر صیداوی عبدالرحمن
بن شداد رجبی اور عمارہ بن عبید سلولی کے ہاتھ حضرت امامؑ کی خدمت میں
بھیجا گیا جس میں جلد تشریف لانے کی درخواست کی گئی تھی۔ دو روز
توقف کرنے کے بعد پھر ایک خط اور بھیجا گیا یہ خط ہانی بن ہانی سبیعی اور
سعید بن عبداللہ الحنفی لے کر گئے تھے۔ اس میں بھی جلد پہنچنے کی
درخواست کی گئی تھی، اس کے چند روز بعد ایک اور خط ثابت بن ربعی۔

۱۔ یہاں سے چند فقرے اس لئے حذف کر دیے گئے ہیں کہ ان سے ایک
فرقے کے جذبات کو نہیں لگنے کا احتمال تھا۔ (مؤلف)

حجاء بن ابیجر - یزید بن حارث - یزید بن دویم - عزہ بن قیس - عمرو بن حجاج
اور محمد بن عمر مسمی کے ہاتھ حضرت امام حسینؑ کی خدمت میں بھیجا گیا جس
لکھا تھا کہ ۔

”کوفہ کے نواح ہلہلہ رہے ہیں ۔ میوے پک چکے ہیں“

چشمے جھلک رہے ہیں جس وقت جی چاہے آجائے آپ

کی مدد کے لئے لشکر تیار ہیں“

اہل بصرہ کا بلادہ

اہل کوفہ کے علاوہ اہل بصرہ کو بھی حضرت امام حسینؑ کے انکار بیعت

اور مدینہ سے مکہ چلے آنے کی اطلاع مل چکی تھی چنانچہ بصرہ کے

معززین نے بھی ماریہ بنت سعد کے گھر میں جمع ہو کر حضرت حسینؑ

بیعت کے متعلق گفتگو کی اور یہاں سے بھی ایک وفد جو یزید بن معاویہ

عبداللہ بن یزید اور عبید اللہ بن یزید پر مشتمل تھا حضرت امام حسینؑ کی

میں حاضر ہوا۔ اس وفد کی حاضری کا مقصد بھی حضرت امام کو اہل بصرہ کی

کا یقین دلانا تھا اور اس امر پر آمادہ کرنا کہ یزید کی غیر اسلامی حکومت

سجائے آپ خلافت الہیہ کا احیاء کیجئے۔ اہل بصرہ آپ کی بیعت

خواہشمند ہیں۔ حضرت امامؑ نے اہل کوفہ کے وفد کی طرح اہل بصرہ

وفد کی عرضداشت کو بھی توجہ سے سنا اور اہل بصرہ کو مندرجہ ذیل خط لکھا

کا آزاد کردہ غلام سلیمان یہ خط لے کر واپس گیا۔
 ”اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ کو کلِ خلائق عالم میں بزرگ ترین
 بنایا۔ ان کو نبوت کے لئے منتخب فرما کر انہیں اکرام عطا فرمایا۔
 اور جب آپ اللہ تعالیٰ کا پیغام اس کے بندوں تک پہنچا کر
 ان کی خیر خواہی کر چکے تو اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنے حضور
 میں بلا دیا۔ ہم ان کے اہل بیت اور وارث تھے مگر رسول اللہ
 کے بعد قوم کے لوگوں نے اپنے بعض کو ہمارے بعض پر
 ترجیح دی۔ ہم نے بھی بہ رضا و رغبت اس (ان کی خلافت)
 سے اتفاق کر لیا۔ ہم نے تفرقہ اندازی سے نفرت کی اور
 امن و عافیت کو اچھا چاہا۔ انہوں (خلفائے ثلاثہ) نے
 حسن و احسان کا مظاہرہ کیا۔ اصلاح امت کے کام کئے
 اور طالب حق رہے۔ خدا ان پر رحم فرمائے اور ہماری اور
 ان کی خطاؤں کو معاف کرے۔

میں تمہارے پاس اپنے قاعدہ کو یہ خط دے کر روانہ
 کر رہا ہوں۔ میں تمہیں کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کی
 دعوت دیتا ہوں۔ کیونکہ رسول اللہ کی سنت مثالی جا رہی ہے
 اور بدعت زور پکڑ رہی ہے اگر تم لوگ میری بات مان کر میری

اطاعت کرو گے تو میں تمہیں ہدایت کے راستے پر لگا دوں گا

والسلام علیکم ورحمۃ اللہ

حمایتِ حسینؑ میں اہل بصرہ کی تقریریں

جس وقت یہ خط معرزمین بصرہ کے پاس پہونچا تو انہوں نے بصرہ کے

قبائل بنو تمیم۔ بنو حنظلہ اور بنو سعد کو جمع کر کے حمایتِ حسینؑ پر ابھارا اور مشہور

مروارید بن مسعود نے ایک پر جوش و ولولہ انگیز تقریر کی۔ پہلے اس نے

قبیلہ بنو تمیم سے سوال کیا۔

”اے بنو تمیم! تمہارے خیال میں میرا مرتبہ اور حسب کیا ہے؟ انہوں نے

ایک زبان ہو کر کہا۔

”اے ہمارے مروارید! یہ کوئی پوچھنے کی بات ہے۔ کون نہیں جانتا کہ

عرو مشرف اور حسب میں آپ لاثانی ہیں۔“

اس کے بعد بنو یزید بن مسعود نے کہا کہ۔

”تمہیں یہاں جمع کرنے سے میرا مقصد یہ ہے کہ بعض امور کی بابت

تم سے تبادلہ خیال کروں اور امداد و طلب کروں۔“

حاضرین نے کہا۔ ”آپ بڑے شوق سے فرمائیے ہم آپ کی نصیحت

اور ہر رائے کو قبول کریں گے۔“ اس کے بعد بنو یزید بن مسعود نے حسب

ذیل تقریر کی۔

”معاویہ انتقال کر گئے اور ان کی وفات
سے ظلم و گناہ کا دور وازہ منہدم ہو گیا
اور قصر حید و ستم زمین پر گر پڑا وہ سمجھنے
مختے کہ انہوں نے اپنی حکومت کو
مستحکم کر دیا ہے لیکن یہ نکی حام خیالی تھی۔
انہوں نے یزید کو خلیفہ المسلمین بنانے کی کوشش کی
لیکن یہ کوشش ناکام ثابت ہوئی انہوں نے
مشورہ بھی کیا لیکن مشورہ بھی نہیں اس نے
ایا۔ ان کے انتقال کے بعد ایک شرابی اور
فاسق و فاجر نے دعویٰ خلافت کیا ہے
اور مسلمانوں کو انکی خلافت منشا اپنا محکوم
بنانا چاہتا ہے نہ اس میں تحمل و بردباری ہے
اور نہ دوزخ و عذاب سے آراستہ ہے بخدا اس کے
خلافت علم جہاد بلند کرنا مشرکین کے ساتھ جہاد
کو پیسے بہتر ہے و یکمویہ امیر المؤمنین علیؑ کے
صاحبزادے اور رسول خدا صلی اللہ
علیہ وسلم کے نواسے حسینؑ کا خط ہے جن

ن معاویہ مات فاهون به
لله هالکاً ومفقوداً بالذواھنه
مدانکسر باب الجور والاشم
لضعفحت اركان الظلم. وكان
مدانحدث بیعت عقد بسها
لراطن انه قد اكلمه وهیجات
لذی الاد اجتهاد واللہ ففشل
یشاور فخذل وقتقام یزید
شادب الخمور ورائش الفجور
یدعی الخلافۃ علی المسلمین
یتأمر علیہم بخیر رضی منہم
مع تصرحلم وتلقۃ علم الا یعرف
من الحق مرطی قد میر فاقسم
باللہ قسماً مبروراً لجہادہ
علی الذین افضل من جہاد
المشرکین وھذا الحسنین بن
علی امیر المؤمنین و ابن

رسول الله ذو الشرف الاصيل
والداعي الاثيل، لم فضيل
لا يوصف وعلم لا ينزوهو
اولى بهذا الامر لسابقته و
سنه وقدمه وقرابته يعطف
على الصغير ويحسن الى الكبير
فاكرم به راعي رعيته وامام
قوم، وجبت لله به الحجة
وبلغت به الموعظة، فلا
تعشوا عن نور الحق ولا
تسكنوا في دمدمد هذا
الباطل، فقد كان صخر
بن قيس اخذك بكم يوم الجمل
فاغسلوها بخروجكم الى ابن
رسول الله صلى الله عليه وسلم
ونصرته، والله لا يقصر
احد عن نصرته والا

سے زیادہ صاحب عز و شرف
اور کوئی نہیں ہے، ان کے علم و
فضل کو بیان کرتا سورج کو چراغ
دکھانے کے برابر ہے اپنی شرافت
فضیلت، عمر، اسلام کے
قربانیاں دینے اور قرابت رسول
کے اعتبار سے صرف وہی خلافت
کے مستحق ہیں۔ وہ چھوٹوں کے
ساتھ لطف و کرم اور بڑوں کے
ساتھ عزت کا سلوک کرتے ہیں
تم اس نور حق سے حصہ لینے پر
پیش قدمی کرو اور باطل کی گمراہی
میں مبتلا ہو کر اپنی بربادی کے
سامان نہ پیدا کرو۔ تم جنگ جمل میں
صخر بن قیس کے پیچھے لگ کر
میدان جنگ سے علیحدہ ہو گے
تھے، اب اللہ تعالیٰ کی طرف

اور مشی اللہ تعالیٰ الذل فی
ولده والقتلہ فی عشیہ متہ
وہا انا ذاقہ لبست للحرب
لامتہا وادعت لہا بد رعہا
من لم یقتل عینہ ومن
یہرب لم یقت

(الحسین از عمر ابو نصر ۵۹)

تمہیں ایک موقع اور میسر آگیا ہے
اس موقع سے فائدہ اٹھاؤ اور
فرزند رسول کی نصرت کے لئے
میدان میں آجاؤ اور اس طرح بذامی
کے (گذشتہ) داغوں کو دھو ڈالو۔
خدا کی قسم جو حسین کی امداد نہیں کریگا
خدا اس کی آل اولاد کو ذلیل و رسوا
کر دے گا اور اس کے گھر لے کر

برباد کرے گا۔ میں جنگ کے لئے تیار ہو چکا ہوں اب جو شخص جنگ
سے پہلو تہی کرے گا وہ سن رکھے کہ وہ اپنے آپ کو ہلاک کئے بغیر نہ رہیگا۔
اس تقریر نے حاضرین کی رگ و پے میں بجلیاں بھردیں اور ان میں
سے جو حنظلہ نے جوش و خروش کے عالم میں کہا کہ :-

اے ابو خالد! ہم آپ کے ترکش کے تیر ہیں۔ ہم آپ کے قبیلے کے
گھوڑے ہیں اگر آپ ہمارے ذریعہ سے جہاد کریں گے تو فتح یاب ہوں
گے۔ ہم ہر جگہ آپ کے ساتھ جائیں گے اور ہم ہر اس جنگ میں آپ کے
پہلو پہلو لڑیں گے جس میں آپ حصہ لیں گے۔ ہماری تلواریں آپ کی
امداد کیلئے بے نیام ہوں گی اور ہم آپ کی حفاظت کے لئے اپنی جانیں تک

قربان کر دیں گے۔

اس کے بعد نوسعد اور پھر بنو تمیم نے تقریر کی۔ انہوں نے کہا:

”اے ابو خالد! ہم تیرے معاون اور حلیف ہیں۔ ہم تیرے غصے اور ناز و خلیگی کی تاب نہیں لاسکتے۔ تو ہمیں بلائے گا تو ہمارے زبانیں لبیک لبیک کہیں گی اور ہم تیری جانب دوڑ کر آئیں گے۔ تو ہمیں جو حکم دے گا ہم اس کی پوری پوری تعمیل کریں گے۔“ ہر طرف سے امداد و اعانت کی آوازیں سن کر یزید بن مسعود نے حضرت امام حسینؑ کو مندرجہ ذیل خط لکھا:

اما بعد، فقد وصل الی کتابک اما بعد۔ آپ کا خط ملا جس بات

وفہمت مانند بتنی السیر کی آپ نے مجھے دعوت دی ہے

ودعوتنی لہ من الاخسار اسے میں نے سمجھ لیا۔ آپ کی فرمانبرداری

بخطی من طاعتک، والصورہ و اعانت کرنا میں اپنی خوش بختی سمجھتا

بنصیبی من نصرتک، و ہوں واللہ تعالیٰ نے روئے زمین

ان اللہ لم یخل الارض قط کو نیک دل حکمران سے کبھی خالی

من عامل علیہا بخیر، ودلیل نہیں رکھا۔ موجودہ زمانے میں آپ

علی سبیل مخاۃ وانتم حجتہ اللہ خلق خدا پر حجتہ اللہ اور امانت الہی

علی خلقہ، وود یعتر فی ارضہ ہیں۔ آپ ایک ایسے زیتون کی

لقرعتم من زیتونہ احمدیۃ شاخ ہیں جو نہایت خوبصورت ہے

عمل کرے۔ عادل ہو اور دین حق پر قائم ہو۔

(الکامل ابن اثیر جلد چہارم ص ۷۳۱ و جلال العیون ص ۳۱)

اس کے بعد آپ نے اپنے چچا زاد بھائی حضرت مسلم بن عقیلؓ کو تحقیق
حال کے لئے کوفہ بھیجا اور انہیں ہدایت کردی کہ جب اہل کوفہ میری بیعت پر
متفق ہوں اور حالات سازگار پائے تو مجھے اطلاع دے دینا۔

حضرت مسلم کا ورد کوفہ

حضرت مسلم بن عقیلؓ حضرت امام حسینؓ کی ہدایت کے مطابق کوفہ پہنچ
گئے اور ستر کے ایک رئیس مختار بن ابی عبید ثقفی کے مکان میں اترے آپ
کی آمد کی خبر مشہور ہوتے ہی لوگ جو فوج و جو ق حاضر خدمت ہوئے اور آپ کے
ہاتھ پر حضرت حسینؓ کی بیعت کرنے لگے۔ ایک روایت کے مطابق اٹھارہ ہزار
اور دوسری کے مطابق تیس ہزار آدمیوں نے حضرت حسینؓ کی بیعت کی۔ ایک
بڑے مجمع میں حضرت مسلمؓ نے حضرت امام حسینؓ کا وہ خط پڑھ کر سنایا جو آپ
نے اہل کوفہ کے نام لکھا تھا۔ یہ خط سن کر مجمع میں عجیب جوش و خروش پیدا ہوا
اور کوفہ کے بعض سرکردہ لوگوں نے حضرت امام حسینؓ کی حمایت میں بڑے
پرائر تہنیریں کیں۔ عابس بن ابی شیبہ نے کہا :-

ہا اور لوگوں کے متعلق تو میں کچھ نہیں کہہ سکتا۔ کیونکہ مجھے کیا
معلوم کہ ان کے دلوں میں کیسا ہے۔ بخدا میں ان کی طرف سے

آپ کو دھوکے میں نہیں رکھوں گا میں تو آپ سے وہ بات
 کہوں گا جس پر پیر اول آمادہ ہو چکا ہے اور وہ یہ ہے کہ خدا کی
 قسم جب آپ مجھے گواہ دیں گے تو میں ایک بہتا ہوا دروٹنگا
 آپ کے ساتھ ہو کر آپ کے دشمن سے جنگ کروں گا اور
 اس وقت تک شمشیر زنی کرتا رہوں گا جب تک کہ اللہ تعالیٰ
 سے نہ جا ملوں۔ اور یہ خدمت میں صرف رضائے الہی کے
 لئے انجام دوں گا۔ (طبری حصہ اول جلد دوم)
 اس کے بعد حبیب بن مظاہر کھڑے ہوئے اور عباس بن ابی شیبہ
 کی تائید کرتے ہوئے کہا کہ:-

”تم پر اللہ تعالیٰ کی رحمت نازل ہو کہ تم نے اپنا مافی الضمیر بڑے
 سلیقے سے بیان کیا۔ اس خداوند تعالیٰ کی قسم جس کے سوائے
 اور کوئی لائق عبادت نہیں میرے بھی یہی خیالات ہیں جو تم نے
 بیان کئے۔“ (طبری حصہ اول جلد دوم)

ان دونوں نے اپنا وعدہ کمال وفاداری سے پورا کیا اور حضرت حسینؑ کی نصرت
 میں میدان کو بلا میں شہادت پائی۔

بعض اور لوگوں نے بھی نصرتِ مسلمہ اور حضرت حسینؑ کی حمایت میں
 شہر میں کیں اور حضرت امام حسینؑ کی تشریف آوری کا انتظار کرنے لگے۔ چونکہ

اہل کوفہ حضرت مسلمؓ کے ساتھ بغیر معمولی شہنشاہی کا اظہار کر رہے تھے اور روزانہ
 کھانے پینے اور میزبانوں کے ہاتھ پر حضرت امام حسینؓ کی بیعت کر کے احیاء
 خلافت الہیہ کی قسمیں کھا رہے تھے۔ اس لئے حضرت مسلمؓ نے حضرت
 حسینؓ کو لکھا کہ فضا سازگار ہے آپ فوراً تشریف لے آئیں۔
 حضرت مسلمؓ کے تشریف لانے کے بعد اہل کوفہ نے یہ یہ کہ خلافت
 کھلم کھلا جس نفرت و حقارت کا اظہار شروع کر دیا تھا وہ ایسی نہ تھی کہ اگر کچھ
 حکومت سے پوشیدہ رہتی۔ چنانچہ رفتہ رفتہ کوفہ کے گورنر نعمان بن بشیر کو
 ان حالات کا علم ہو گیا۔ چنانچہ ایک روز وہ جامع مسجد کوفہ میں آئے اور
 لوگوں کو انقلاب سے باز رکھنے کے لئے مندرجہ ذیل تقریر کی۔
 اے خلیفہ کے بند و افساد سے دور رہو کہ اس میں ہلاکت کے
 سامان پوشیدہ ہیں۔ اس کے نتیجے میں بڑی فتنے برپا ہوتی ہیں
 اور ہر دست مالی اتلاف کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ جو شخص مسجد سے
 عدال و قتال نہیں کرے گا میں بھی اس پر تلوار نہیں اٹھاؤں گا
 میں تم پر کسی قسم کی سختی نہیں کروں گا نہ بیتان طرازی و بدگمانی
 کی بنا پر کسی کو پکڑوں گا۔ ہاں اگر تم نے عہد شکنی کی اور خلافت امامؓ
 پر آمادہ ہو گئے تو اس خدا کی قسم جس کے سوا کسی اور کو فی الواقع
 عبادت نہیں ہیں اس وقت تک تم پر اپنی تلوار بردھنا نہیں گا۔

جب تک اس کا قبضہ میرے ہاتھ میں رہے گا۔ امید ہے کہ تم
 میں حق پرست لوگ بہ نسبت ان لوگوں کے زیادہ ہوں گے جو
 باطل کی پیروی کر کے نباہ ہو رہے ہیں۔ (اکمال ابن اثیر علیہ السلام ذیاریح طبری)
 چونکہ نعمان رسول اللہ کے صحابی اور نہایت نیک نفس و نرم دل آدمی تھے
 اس لئے وہ حضرت مسلم اور حضرت امام حسین کے خلاف جدال و قتال کو سخت
 ناپسند کرتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ انہوں نے مصالحانہ رنگ کی تقریر کی۔ چونکہ
 ان کی اس تقریر میں بعض جملے ایسے تھے جن سے ان کی نرم دلی ظاہر ہوتی تھی
 اس لئے نزدیک کے ہوا خواہوں نے یہ تقریر پسند نہ کی اور ان میں سے بعض
 نے نعمان سے کہا کہ ایسے نازک موقع پر آپ کو ایسی نرم تقریر نہیں کرنی
 چاہئے تھی۔ یہ بہت کمزور طریقہ ہے۔ اس موقع پر سختی سے پیش آنے
 کی ضرورت تھی۔ اس اعتراض کے جواب میں نعمان نے کہا کہ اللہ تعالیٰ کی امانت
 میں رہتے ہوئے کمزور کہلوانا مجھے اللہ تعالیٰ کا گنہگار بن کر طاقت کہلوانے سے
 زیادہ پسند ہے۔ مطلب یہ تھا کہ میں طاقت ور کہلوانے کی خاطر مسلم بن عقیلؓ اور
 ان کے ساتھیوں کا خون نہیں بہاؤں گا۔

ابن زیاد کا تقریر

نعمان تو یہ کہہ کر اترے اور قصر امارت میں چلے گئے مگر نزدیک کے خبر طلب
 لوگوں میں سے عبداللہ بن مسلم، عمارہ بن الولید بن عقبہ اور عمرو بن سعد نے

یزید کو ایک خط کے ذریعہ حضرت مسلمؑ کی سرگرمیوں سے مطلع کیا اور نعمان بن بشیرؓ کی
 کمزور یا ایسی کی شکایت کرتے ہوئے لکھا کہ اگر آپ کو فہرہ اپنا قبضہ رکھنا چاہتے
 ہیں تو کسی مضبوط آدمی کو حاکم بنا کر بھیجیے۔ چنانچہ یزید نے عبید اللہ بن زیاد کو
 جو اس وقت بصرہ کا گورنر تھا ایک فرمان بھیجا جس میں اس نے لکھا کہ :-
 کو فہ سے میرے شیعوں نے مجھے اطلاع دی ہے کہ وہاں
 مسلم بن عقیل مسلمانوں میں تفاق پیدا کر رہے ہیں اس لئے میرا
 خط پڑھتے ہی کو فہ چلے جاؤ اور وہاں پہنچ کر مسلم کو اس طرح
 تلاش کرو جسے ٹکینہ کو تلاش کیا جاتا ہے۔ جب انہیں پالو تو
 یا شہر سے نکال دینا یا قتل کر دینا (تاریخ طبری جلد اول جلد دوم)
 یہ خط پڑھ کر ابن زیاد نے اپنے بھائی عثمان کو بصرہ میں اپنا نائب مقرر کیا اور
 خود کو فہ روانہ ہو گیا۔ جب ابن زیاد کو فہ میں داخل ہوا تو اس نے اپنا منہ ایک
 کپڑے سے چھپا رکھا تھا اور اس کے ساتھ بصرہ کے بعض عمائدین بھی تھے
 چونکہ انہیں دنوں کو فہ میں حضرت امام حسینؑ کی تشریف آوری کی توقع کی
 جا رہی تھی۔ اس لئے لوگوں نے ابن زیاد کو دیکھ کر یہی سمجھا کہ حضرت امام حسینؑ
 تشریف لارہے ہیں۔ چنانچہ وہ جس طرف سے گذرا اس طرف مسرت کی
 ایک لہر دوڑ گئی اور لوگ "مرحبایا ابن رسول اللہ" کے نعرے لگاتے ہوئے
 اس کے پیچھے پیچھے چلنے لگے۔ جب وہ کو فہ کے قصبات کے دروازے

پڑھ سچا تو لوگوں کا ایک جم غفیر اس کے ساتھ تھا۔ امیر کوفہ نعمان بن بشیر بھی یہ سمجھے کہ حضرت امام حسینؑ تشریف لے آئے ہیں اور قصر امارت میں داخل ہو ا چاہتے ہیں چنانچہ انہوں نے حکم دیا کہ دروازہ بند کر دیا جائے اور خود چھت پر پڑے کر ابن زیاد کو حسینؑ سمجھ کر یوں خطاب کیا ۔

”بخدا قصر امارت جو میرے پاس ایک امانت کے طور پر ہے ہرگز آپ کے حوالے نہیں کروں گا۔ میں آپ سے خباثت کرنا نہیں چاہتا۔ اس لئے خدا کا واسطہ دے کر کہتا ہوں آپ یہاں سے چلے جائیے اور قصر امارت میں داخل ہونے کی کوشش نہ کیجئے“

یہ سن کر ابن زیاد نے نعمان سے قدرے درشت لہجے میں کہا کہ تمہاری خرابی ہوا اٹھو بہت دیر سوچکے۔ اس کی آواز سنتے ہی نعمان اور ان لوگوں نے جو ابن زیاد کو حسینؑ سمجھ کر ساتھ ہوئے تھے پہچان لیا چنانچہ ادھر نعمان نے قصر امارت کا دروازہ کھولا اور ادھر لوگوں کا مجمع چھٹ گیا ۔

آج کے سارے حالات ابن زیاد اپنی آنکھوں سے دیکھ چکا تھا اور اسے معلوم ہو گیا تھا کہ عوام پر حضرت امام حسینؑ کا کس قدر اثر ہے اور وہ ان کے کیسے گردیدہ ہیں چنانچہ اس نے شہر میں منادی کرا دی کہ لوگ جامع مسجد میں جمع ہو جائیں۔ تھوڑی دیر کے بعد مسجد حاضرین سے بھر گئی ابن زیاد

مسیح میں آیا اور مدد و تشک کے بعد یوں خطاب کیا۔

”اے مسیحا المومنین نے مجھے تمہارے شہر اور اس کی مدد کا والی بنا کر بھیجا ہے۔ انہوں نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں تمہارے شہر کے مظلوموں اور محروموں کے ساتھ لطف و کرم اور عطا و بخشش کا سلوک کروں جو اطاعت و فرمانبرداری دکھائے اس کے ساتھ احسان سے پیش آؤں جو سرکشی و نافرمانی کرے اس پر سختی کروں۔ میں تم پر ان کا حکم نافذ کرنے کے رہوں گا جو شخص اچھے کردار اور اطاعت کا مظاہرہ کرے گا اس کے ساتھ میرا سلوک پدر مہربان و مشفق کا سا ہوگا اور جو شخص عدل حکمی و نافرمانی کرے گا اس کی گردن پر میری تلوار اور پیٹھ پر میرا نازیانہ برسرے گا۔ لوگوں کو اپنی جان کی خیر منانا چاہیے، راست با ندی مصیبت کو ہالتی ہے۔ دھمکی کوئی فائدہ نہیں پہنچاتی“

(تاریخ طبری جلد ششم ص ۱۰۱)

اس کے بعد اس نے مسیح سے اتر کر اکابر شہر کو ہدایت کی کہ اپنے علاقوں اور علاقوں کے لوگوں پر کڑی نظر رکھو اور مجھے مطلع کرو کہ تمہارے علاقوں میں کون کون لوگ یزید کے مطیع و فرمان بردار ہیں اور کون کون لوگ ان کے مخالف و بدخواہ ہیں اور کھو کہ اگر کسی نے ہماری مخالفت کی

مخالفت کرنے والے کا خون ہمارے لئے مباح ہو گا بلکہ وہ تم میں سے جس کا دوست ہو گا ہم اسے بھی پیمالسنی ہو پڑھا دیں گے اور اس کی ولیفہ بند کر دیں گے۔

مسلم کا ہانی کے گھر قیام

یہ صورت حال حضرت مسلم کے لئے بہت تشویشناک تھی اور چونکہ ان کی قیام گاہ پر بکثرت لوگ آتے جاتے تھے اور وہ کوئی پوشیدہ جگہ نہ رہی تھی اس لئے وہ مختار بن ابی عبید تقفی کے مکان سے نکل کر کوفہ کے ایک رئیس ہانی بن عروہ مرادی کے پاس آئے۔ اور کہا کہ میں آپ کا مکان بن کر پناہ لینے کی غرض سے آیا ہوں چونکہ ہانی اس قبیلے میں پڑا تھا اس لئے اس نے ان پر حضرت مسلم کو آنا گواہ کرنا اور انہوں نے حضرت مسلم سے کہا کہ آپ مجھ پر ایسا بوجھ ڈال رہے ہیں جیسے اٹھاسٹنہ کے رشتے میں آیا نہ تھا۔ مگر چونکہ اب آپ آگئے ہیں اس لئے تشریف لے لے کر آئیے یہی حتی الامکان آپ کی حفاظت کروں گا۔

مسلم کو ہانی نے گھر میں پناہ دی تو وہ نے کچھ ہی دن ہوئے تھے کہ ہانی بیمار ہو گئے جب ابن زیاد کو ہانی کی عزالت کا حال معلوم ہوا تو اس نے انہیں اطلاع بھیجی کہ آج شام کو میں آپ کی عیادت کے لئے آؤں گا۔ اس موقع پر عمار بن سلول نے ہانی سے کہا کہ اگر آپ اجازت دیں تو جب

ابن زیاد آپ کی عیادت کے لئے آئے تو میں اسے قتل کر دوں۔ مگر بانی نے گھر آئے ہوئے جہان کو قتل کرانا مشرقت سے بعید سمجھتے ہوئے اس کی اجازت نہیں دی۔ اسی طرح ایک اور موقع پر جب ابن زیاد کے متعلق اطلاع ملی کہ وہ بانی کے یہاں آ رہا ہے تو حضرت مسلمؓ کو مشورہ دیا گیا کہ جب ابن زیاد باتوں میں مصروف ہو جائے تو آپ کمرے سے نکل کر اس کا سر اڑا دیجئے گا۔ لیکن حضرت مسلمؓ نے اس خیال سے اتفاق نہ کیا اور فرمایا کہ میں نے رسول خدا کی ایک حدیث سنی ہے کہ کوئی مسلمان چھپ کر یا اچانک دوسرے مسلمان پر حملہ نہ کرے۔ بانی نے بھی حضرت مسلمؓ کی تائید کی اور اسے بزدلانہ و غیر شریفانہ فعل قرار دیا۔

مسلمؓ کی تلاش

یہ تو وہ سلوک تھا جو بانی بن عردہ اور حضرت مسلمؓ نے ابن زیاد کے ساتھ کیا لیکن ابن زیاد نے اس حسن سلوک کا جو جواب دیا وہ تاریخ کے صفحات سے کبھی محو نہ ہو سکے گا۔ مورخین کا بیان ہے کہ جب تلاش بسیار کے باوجود حضرت مسلمؓ کا سراغ نہ مل سکا تو ابن زیاد نے بنو تمیم کے ایک آزاد کردہ غلام معقل کو تین ہزار درہم دے کر سراغ رسانی پر متعین کیا۔ معقل ابن زیاد کی ہدایت کے مطابق اپنے فرائض کی ادائیگی کے لئے روانہ ہو گیا اس زمانے میں تمام مذہبی اور سیاسی تحریکوں کا مرکز مسجد ہوا کرتی تھی اس

معتقل سیدھا جا مع مسجد پہنچا۔ وہاں اس نے دیکھا کہ ایک شخص بڑے طویل سجدے کر رہا ہے اور رکعت پر رکعت پڑھتا چلا جاتا ہے۔ معتقل نے اس کی کثرت عبادت دیکھ کر خیال کیا کہ ہونہ ہو یہ شخص حضرت امام حسینؑ کی جماعت کا رکھن ہے۔ چنانچہ جب اس شخص نے جس کا نام مسلم بن عویجہ اسدی تھا سلام پھیرا تو معتقل اس کے پاس گیا اور بڑے ادب سے سلام کر کے کہا کہ میں ایک شامی ہوں لیکن خدا تعالیٰ نے میرے دل میں اہلبیت کی محبت کا جذبہ پیدا کر دیا ہے۔ مجھے معلوم ہوا ہے کہ یہاں حضرت امام حسینؑ کا ایک معتد خاص آیا ہوا ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ اس کی خدمت میں حاضر ہو کر ناپچرخ رقم کا بہ ہدیہ پیش کروں مسلم بن عویجہ اس کی باتوں میں آگئے اور اسے لے کر حضرت مسلمؑ کے پاس چلے گئے۔ اس طرح معتقل کے ذریعہ سے ابن زیاد کو حضرت مسلمؑ کی قیام گاہ کا پتہ چل گیا۔ بانی کوفہ کے امراء و سربراہوں نے لوگوں میں سے تھے اور تقریباً روزانہ ابن زیاد سے ملنے قصر امارت میں جایا کرنے تھے۔ مگر جب سے حضرت مسلمؑ ان کے گھر میں پناہ گزین ہوئے تھے انہوں نے ابن زیاد کے پاس آمد و رفت بند کر دی تھی۔

بانی کی گرفتاری

کچھ عرصے تک تو ابن زیاد نے بانی کی علالت کے باعث خیال نہ کیا لیکن جب اسے معتقل کی زبانی یہ خبر ملی کہ انہوں نے حضرت مسلمؑ کو پناہ دی

ہے اور ان کے گھر میں اہل بیت کے مداحوں کا اجتماع بھی ہوتا ہے نیز
 دوسری طرف یہ معلوم ہوا کہ اب وہ صحت یاب ہو چکے ہیں مگر پھر بھی قصر
 امارت میں نہیں آتے تو اسے یقین ہو گیا کہ ہانی مسلمہ کی جماعت میں شامل
 ہو گئے ہیں اور میرے پاس نہ آنے کی یہی وجہ ہے چنانچہ اس نے اسماء بن
 خارجہ اور محمد بن اشعث کو بلا کر تاکید کی کہ تم دونوں ہانی کے پاس جاؤ اور
 انہیں میرے پاس لے آؤ۔ اگر وہ آنے سے انکار کریں تو ان سے کہو کہ تمہیں
 امان دی جاتی ہے۔ پھر وہی دیر کے بعد اسماء بن خارجہ اور محمد بن اشعث
 ہانی کو لے کر ابن زیاد کے پاس آ گئے۔ ابن زیاد نے ہانی سے پوچھا کہ کیوں
 ہانی! میں نے سنا ہے کہ تم نے مسلمہ کو اپنے گھر میں پناہ دی ہے۔ اور
 امیر المومنین زبیرؓ کے مخالفت تمہارے گھر میں جمع ہو کر ان کے خلاف
 سازشیں کرتے ہیں۔ ہانی نے حضرت مسلمہؓ کی جان بچانے کی غرض سے
 جواب دیا کہ آپ کو غلط اطلاع دی گئی ہے۔ ابن زیاد نے کہا کہ میری اطلاع
 صحیح ہے اور یہ اطلاع اس شخص نے دی ہے جو تمہارے جلسوں میں
 شریک ہوتا رہا ہے۔ ہانی نے پھر اپنے پہلے الفاظ پر اصرار کیا۔ آخر ابن زیاد
 نے معقل کو بلایا اور اس کی طرف اشارہ کر کے ہانی سے پوچھا کہ اسے
 پہچانتے ہو معقل کو دیکھتے ہی ہانی معاملے کی انتہہ تک پہنچ گئے اور انہیں
 نے اقرار کیا کہ میں نے مسلمہؓ کو پناہ ضرور دی ہے لیکن میں انہیں بلانے

نہیں کیا بلکہ وہ خود میرے دروازے پر آئے اور مجھ سے پناہ چاہی۔ میری مروت نے گوارا نہ کیا کہ کوئی شخص مجھ سے پناہ طلب کرے اور میں اس کی درخواست کو رد کروں مگر اس واقعہ سے پہلے میرا مسلم یا ان کی جماعت کے کوئی تعلق نہ تھا۔ اس پر ابن زیاد نے کہا کہ ”اچھا اگر یہی بات ہے تو مسلم کو میرے حوالے کر دو“ بانی نے جواب دیا کہ ”یہ نہیں ہو سکتا کہ میں اپنے مہمان کو اس شخص کے حوالے کر دوں جو اسے قتل کرنے کے درپے ہے۔ اس میں میری بڑی ذلت ہے، جب تک میرے بازوؤں میں طاقت ہے اور ایک بڑی جماعت میرے ساتھ ہے ایسا نہیں کروں گا اور اگر بغرض محال ایک شخص بھی میرے ساتھ نہ ہو جب بھی میں اپنے مہمان کو اس کے دشمن کے سپرد نہیں کر سکتا۔“

بانی کا یہ جواب ابن زیاد کو بہت ناگوار گذرا اور اس نے غضبناک ہو کر کہا ”بانی! اگر تم نے مسلم کو میرے سپرد نہ کیا تو یاد رکھو میں تمہارا سراڑا دوں گا“ بانی نے جواب دیا کہ ”اگر تم نے ایسا کیا تو ہزاروں آدمی تمہارے قہر امارت پر ٹوٹ پڑیں گے اور اس کی اینٹ سے اینٹ بجا دیں گے“ ✓

بانی کے اس جواب سے ابن زیاد گنگو لاہو گیا اور اس نے اپنا عصا ان کے چہرے پر مارا جس سے ان کی ناک کی ہڈی ٹوٹ گئی اور ہڈی کا ٹکڑا ٹوٹ

کٹ کر ٹک گیا۔ اس کے بعد انہیں ایک کمرے میں قید کر دیا۔

(اجاز النہال ص ۲۵۱)

ابن زیاد کا محاصرہ

مقوقد ی ہی دیہ میں سارے شہر میں مشہور ہو گیا کہ بانی قتل کئے جا رہے ہیں۔ بانی کے قبیلے بنی مذحج کو بھی اس کی اطلاع ہو گئی۔ اس قبیلے کے ایک سردار عمرو بن حجاج قبیلے والوں کو لے کر آگیا اور قصر امدت کا محاصرہ کر لیا۔ اس نے بلند آواز سے پکار کر کہا کہ "میرا نام عمرو بن حجاج ہے اور بنو مذحج کے شرفا میرے ہمراہ آئے ہیں۔ ہم نے نافرمانی نہیں کی ہے اور جماعت مسلمان سے الگ ہوئے ہیں مگر ہمیں معلوم ہوا ہے کہ ہمارے امیر کو قتل کیا جا رہا ہے اور یہ بات ہمارے لئے کسی طرح قابلِ برداشت نہیں ہے۔"

جب ابن زیاد کو اس شورش کا علم ہوا تو اس نے قاضی شریح کو بلا کر کہا کہ بنو مذحج والوں کو کسی نے غلط اطلاع دی ہے کہ ان کے رئیس بانی قتل کو قتل کیا جا رہا ہے۔ آپ جا کر انہیں دیکھ لیجئے کہ وہ زندہ ہیں یا نہیں۔ پھر بنو مذحج کو بتا دیجئے کہ بانی زندہ ہیں البتہ امیر کو فتنے انہیں کچھ پوچھ کے لئے روک لیا ہے۔ ایک روایت کے مطابق قاضی شریح کو بانی دور سے دیکھا دیئے گئے اور انہوں نے قبیلہ بنو مذحج والوں کو یقین دلایا کہ بانی زندہ ہیں۔

اس یقین دہانی پر ہانی کے اہل قبیلہ واپس چلے گئے۔

ادھر حضرت مسلم بن عقیلؓ کو بھی ان واقعات کی اطلاع ہو گئی اور ان کی غیرت و شرافت نے گوارا نہ کیا کہ ان کا میرزاں و پیادہ ہنڈا سیر کر لیا جائے اور وہ اس کی مدد نہ کریں۔ چنانچہ انہوں نے اپنے معتقدین کو حکم دیا کہ شہر کے گلی کوچوں میں پھیل جاؤ اور "یا منصور اامت، یا منصور اامت" کی نراؤ و چنانچہ ایسا ہی کیا گیا یہ آواز سنتے ہی لوگ مسلح ہو کر اپنے گھروں سے نکل پڑے اور تھوڑی ہی دیر میں وہ ہزاروں آدمی تو حضرت حسینؓ کی بیعت کر چکے تھے حضرت مسلمؓ کے جھنڈے کے نیچے جمع ہو گئے مسلمؓ نے ان سب کو منظم و مرتب کیا۔ اس لشکر میں سوار اور پیادے دونوں تھے دشمنوں کی ترتیب اس طرح قائم کی گئی تھی کہ بنی کندہ و بنی ربیعہ کا علم ۱۔ عبید اللہ بن عمر و کندی کو دیا گیا اور انہیں سواروں کے آگے آگے چلنے کی ہدایت کی گئی۔ قبیلہ مذحج و بنی اسد کا علم مسلم بن عوسجہ کو دیا گیا اور انہیں پیادوں کے آگے آگے چلنے کی ہدایت کی گئی۔ بنو تمیم و بنو مہران کا علم ابن تمامہ صائدی کو دیا گیا۔ اس کے بعد یہ لشکر ابن زیاد کے محل پر حملہ کرنے کے لئے روانہ ہو گیا۔ یہ ۸ ذی الحج ۶۱ھ کا واقعہ ہے۔ اس وقت ابن زیاد اپنے خدام، حفاظتی دستے اور رؤسائے شہر کے ساتھ جامع مسجد کے منبر پر بیٹھا ہوا لوگوں کو متنبہ کر رہا تھا کہ نافرمانی بگاڑے۔

کہ اسی اثنا میں بازار کو نہ کے خرمہ فروش گہرائی ہوئی حالت میں مسجد میں داخل
 ہوئے اور انہوں نے اطلاع دی کہ ابن عقیل لگے۔ اثنا سنتے ہی ابن زیاد نے
 سے انہیں بھاگا اور اپنے محل میں گھس گیا چند منٹ میں لشکر قصر امارت کے
 منتہی پہنچ گیا تکبیر کے نعروں سے کان پڑی آواز نہ سنائی دیتی تھی اور
 ابن زیاد کے ندام محل کی چھت پر چڑھے ہوئے یہ منظر دیکھ رہے تھے امید
 ہی نہیں یقین ہے کہ انقلاب کی یہ کوشش بار آور ہو جاتی اور کوفہ پر حضرت
 علیؓ کا علم لہرانے لگتا مگر یہیں وقت نہ این زیاد کو ایک ترکیب سوچھی۔ اس نے
 ان کو اپنے شہر کو جو اس وقت اس کے ہمراہ تھے ہدایت کی تم محل کی چھت
 پر چڑھ کر اپنے زیر اثر علاقوں کے لوگوں سے کہو کہ یزید کا لشکر کوفہ کے قریب
 پہنچا ہی چاہتا ہے یہ بڑا بدعت لشکر ہے اور تم اس کے مقابلے کی
 تاب نہ لا سکو گے اس نے اپنے آپ کو ہلاک نہ کرو اور اپنے گھروں کو لوٹ
 جاؤ۔ اگر تم نے ایسا کیا تو نہ صرف یہ کہ تم سے باز پرس نہ ہوگی بلکہ انعام و
 اکرام سے مالا مال کرو دیئے جاؤ گے۔ اس کے ساتھ ہی اس نے اپنے
 بعض اصحاب کو شہر کے مختلف علاقوں میں بھیجا تاکہ وہ محاصرین کے والدین
 بیویوں اور بھائیوں کو ان کے پاس بھیج کر امنیابی و ایسی پر آمادہ کریں چنانچہ
 یہ تدبیریں کار آمد ثابت ہوئیں۔ محاصرین کی بیویاں، ماہیں اور بہنیں آئیں اور
 انہیں غنائم و اسلحہ دے کر اور ان کے ذہنوں میں طرح طرح کے

عدشوات پیدا کر کے انہیں اپنے ہمراہ واپس لے جاتیں، کچھ دوسلے شہر
 کی ہدایت و تلقین نے بھی اثر کیا اور اس طرح رفتہ رفتہ حضرت مسلمؓ کے
 ساتھیوں کی کثیر تعداد ان سے جدا ہو گئی صرف خدیجہ سوادمی ان کے ساتھ
 رہ گئے۔ اس دوران میں ابن زیاد نے بھی فوج کی کافی جمعیت اکٹھی کر لی۔
 اس فوج نے حضرت مسلمؓ کے باقی ماندہ ہمراہیوں پر حملہ کر دیا، ایک خون بہاؤر
 شدید جنگ ہوئی جس میں طرفین کے بہت سے آدمی کام آئے اور
 حضرت مسلمؓ لڑتے لڑتے زخموں سے چور ہو گئے۔ آخر کار میدان ابن زیاد
 کی فوج کے ہاتھ رہا۔ اس افرا تفری اور ہنگامے میں حضرت مسلمؓ کسی طرف کو
 نکل گئے، جائے پناہ ڈھونڈتے ہوئے وہ بنی جلد کندہ کے محلے میں پہنچے
 دیکھا کہ ایک مکان کے دروازے پر ایک خاتون کھڑی ہوئی ہے، وہ اس
 کے قریب آئے، اسے سلام کیا اور پانی مانگا، اس نے پانی لاکر حضرت مسلمؓ
 کو پلایا اور بدتن رکھنے گھر میں چلی گئی، جب واپس آئی تو دیکھا کہ حضرت مسلمؓ
 اس کے دروازے پر بیٹھے ہیں، اس نے پوچھا کہ "کیا تم نے پانی نہیں پیا؟"
 حضرت مسلمؓ نے جواب دیا کہ "ہاں پانی تو پی لیا ہے" عورت نے کہا کہ پھر
 تمہیں جہاں جانا ہے وہاں جاؤ۔ اس پر حضرت مسلمؓ بولے کہ "خدا کی نیک بندی
 میں اجنبی ہوں یہاں نہ میرا گھر بار ہے اور نہ کنبہ کے لوگ ہیں اگر تم میرے ساتھ
 نیکی کرو تو شاید کسی وقت میں اس کا صلہ دے سکوں۔ میرا نام مسلم بن عقیل ہے"

لوگوں نے میرے ساتھ فریب کیا اور مجھے دھوکا دیا۔

عورت نے حیرانی سے پوچھا کہ کیا مسلم بن عقیل آپ ہی ہیں؟ حضرت مسلم نے فرمایا کہ ہاں میں ہی مسلم بن عقیل ہوں۔ یہ سن کر عورت جس کا نام طوعہ مصطفیٰ حضرت مسلم کو اپنے مکان میں لے گئی اور ایک کمرے میں چھپا دیا۔ اسی دوران میں طوعہ کا بیٹا بھی آگیا جب اس نے دیکھا کہ اس کی ماں باور ایک ہی کمرے میں آتی جاتی ہے تو اس نے اس کی وجہ پوچھی مگر طوعہ ٹال گئی۔ آخر بیٹے کے اصرار سے مجبور ہو کر اس نے اصل حقیقت اسے بتا دی مگر پہلے قسم لے کر کہ اس بات کا ذکر کسی سے نہ کرنا۔

مسلم کی شکست ابن زیاد کے لئے جس قدر باعث اطمینان تھی اس سے زیادہ تشویشناک حضرت مسلم کا بیچ نکلتا تھا۔ چنانچہ وہ حفاظتی پولیس کے زبردست پہرے میں جامع مسجد کو نہ میں داخل ہوا اور اپنے خادموں کو حکم دیا کہ شہر میں منادی کر دو کہ بوڑھا جوان تجارت پیشہ سرکاری اور غیر سرکاری ملازمین کوئی نہ رہے جو آج عشاء کی نماز جامع مسجد میں ادا نہ کرے، تھوڑی ہی دیر میں مسجد حائریں سے بھر گئی۔ ابن زیاد منبر پر گیا اور پولیس کے افسروں کو حکم دیا کہ میرے چاروں طرف اس طرح کھڑے ہو جاؤ کہ میں ہر جانب سے محفوظ رہوں ان کے بعد اس نے تقریر شروع کی۔

”نادان ابن عقیل نے جو بغاوت دنا فرمائی کی وہ تم دیکھ چکے

اب وہ جس کے گھر میں بھی پایا جائے گا اس کے لئے خدا کی طرف سے امان ممنوع ہے اور جو شخص اسے گرفتار کر کے لائے گا اسے ابن عقیل کا خون بہا لے گا۔ اسے خدا کے بندو خدا سے ڈرو۔ اطاعت گزاری کرتے رہو۔ عہد شکنی نہ کرو۔ اپنی جان کے دشمن نہ بنو۔ اسے حسین بن تمیم د پولیس کا ایک افسر تمہیں کو فہ کانگران مقرر کیا جاتا ہے۔ سارے شہر کے ملک کے بند کر دو اور صبح تک کسی کو گھر سے باہر مت نکلنے دو۔ اگر اس دوران میں کوئی شخص بچ کر کو فہ سے نکل گیا تو یاد رکھو تمہیں قتل کر دیا جائے گا۔ صبح ہوتے ہی گھروں کی تلاشی لو اور جس طرح بھی ہو مسلم بن عقیل کو ڈھونڈ کر میرے سامنے پیش کرو (تاریخ طبری جلد اول جلد دوم)

حضرت مسلم کی گرفتاری و شہادت

دوسرے دن صبح کو طوعہ (جس کے گھر میں حضرت مسلمؓ روپوش تھے) کے لڑکے نے ابن زیاد کے ایک معتمد محمد بن اشعث کے بیٹے کو بتا دیا کہ مسلمؓ میرے گھر میں چھپے ہوئے ہیں۔ اس نے ابن زیاد کو اطلاع دی۔ ابن زیاد نے اسی وقت عمرو بن عبید اللہ سلمیٰ کی قیادت میں بنو قیس کے نشر افراد کی ایک جماعت محمد بن اشعث کے ساتھ بھیجی اور حکم دیا کہ جس طرح بھی ہو مسلمؓ کو گرفتار کر کے لے آؤ۔ یہ لوگ گھوڑوں پر سوار طوعہ

کے مکان کی طرف تیزی سے بڑھے۔ گھوڑوں کے ٹاپوں کی آوازوں سے
 حضرت مسلمؓ سمجھ گئے کہ یہ ابن زیاد کی جمیعت ہے اور میری گرفتاری کے لئے
 آئی ہے۔ چنانچہ وہ بھی تلوار لے کر مقابلہ کے لئے تیار ہو گئے۔ ابن زیاد
 کی جمیعت نے مکان کا محاصرہ کر لیا اور کچھ لوگ مکان کے اندر داخل ہو گئے۔
 حضرت مسلمؓ نے بڑی بہادری سے ان کا مقابلہ کیا اور تلوا دیں مار مار کر انہیں
 گھر سے باہر نکال دیا۔ آخر کچھ لوگ مکان کی چھت پر چڑھ کر پتھر پھیلانے لگے۔
 مجبوراً حضرت مسلمؓ تلوار لے کر گھر سے باہر نکل آئے یہاں بھی ابن زیاد کے
 دستوں کا انہوں نے شدید مقابلہ کیا مگر جب زخموں سے مدد حال ہو گئے اور
 مزید لڑنے کی سکت باقی نہ رہی تو ایک مکان کی دیوار سے پیٹھ لگا کر بیٹھ گئے۔
 یہ دیکھ کر محمد بن اشعث ان کے قریب آیا اور کہا کہ آپ کو امان دی جاتی ہے۔
 حضرت مسلمؓ نے تلوار نیام میں کھلی اور محمد بن اشعث کے سامنے ابن زیاد
 کے محل کی طرف روانہ ہو گئے۔ جب حضرت مسلمؓ کو ابن زیاد کے سامنے پیش
 کیا گیا تو اس نے حکم دیا کہ ان کی گردن مار دی جائے۔ یہ سن کر ابن اشعث
 نے کہا کہ میں انہیں امان دے چکا ہوں اس لئے آپ انہیں قتل نہ کریں مگر
 ابن زیاد نے ابن اشعث کی امان کی توثیق کرنے سے انکار کر دیا۔ چنانچہ
 انہیں قصر امارت کی چھت پر لے جایا گیا جہاں بکیر بن حمران امیری نے ان
 کا سر قلم کر کے لاش نیچے پھینک دی۔ شہادت سے قبل حضرت مسلمؓ نے

محمد بن اشعث کو وصیت کی کہ میرے بعد کسی شخص کے ہاتھ حضرت امام حسینؑ کو میری شہادت کی اطلاع دیدینا اور میرا یہ پیغام بھیج دینا کہ آپ اپنے اہل بیت کو لیکر واپس ہو جائیے اور کوئیوں پر اعتماد نہ کیجیے۔ ابوالکالی بن اثیر جلد چہارم ص ۱۸۰
 محمد بن اشعث نے یہ وصیت پوری تھی کہ وہی مکرانہ سندس کہ حضرت مسلمؑ کا یہ پیغام حضرت امام حسینؑ کو نہ پہنچ سکا۔ اس کی تفصیل اپنے مقام پر آئیگی۔
 مسلمؑ کے قتل سے فراغت پانے کے بعد ابن زیاد نے بانی کو طلب کیا اور حکم دیا کہ انہیں لے جا کر سر بازار قتل کر دو۔ چنانچہ ایک ترکہ کی غلام نے جس کا نام رشید تھا بھرے بازار میں بانی کی گردن مار دی۔
 بانی کا کردار

حضرت مسلمؑ کے واقعہ میں بانی نے جس بلند کردار کا مظاہرہ کیا اس کی نظیر دنیا کے بڑے بڑے لوگوں کے سونٹے اور کہیں نہیں مل سکتی۔ اہل بیت کا ہوا خواہ نہ ہوتے ہوئے انہوں نے اہل بیت پر اپنی جان شاد کر دی۔ بظاہر یہ بات عجیب سی معلوم ہوتی ہے اور شاید اس خیال سے اتفاق نہ کیا جائے کہ بیعت حسینؑ کی دعوت دینے والے گروہ سے ان کا کوئی تعلق نہ تھا لیکن حقیقت یہی ہے کہ بانی اہل بیت کی مخالفت کا نظریہ رکھنے والی جماعت کے رکن نہیں تھے اگر بانی کا اس گروہ سے تعلق ہوتا تو کوئی وجہ نہیں تھی کہ ان کا نام ان لوگوں کی فہرست میں درج نہ ہوتا

جنہوں نے حضرت امام حسینؑ کو خطوط لکھ کر کوہِ آسنے کی دعوت دی تھی۔ اس دور کی تاریخیں اٹھا کر دیکھ لی جائیں، ہر تاریخ پر حضرت حسینؑ کو خطوط لکھنے والوں کے نام موجود ہیں مگر کسی مستند تاریخ میں ہانی کا نام ایک جگہ بھی نہیں ملتا۔ ہانی کو فد کے بہت بڑے رئیس اور اپنے قبیلے کے نامور سردار تھے۔ بعض خاص مواقع پر جب وہ گھر سے نکلنے تو چار ہزار درہا پوش اور آٹھ ہزار پیادے ان کی جلو میں ہوتے تھے۔ (ناسخ التواریخ) ناممکن تھا کہ اتنا بڑا سردار اور کوہ کا معزز ترین رئیس خط لکھتا اور خطوط لکھنے والوں کی فہرست میں اس کا نام درج نہ ہوتا جب کہ ان سے بہت کم حیثیت کے لوگوں کے نام موجود ہیں۔ اس کا دوسرا ثبوت یہ ہے کہ عبید اللہ بن زیاد کے ساتھ ہانی کے خصوصی مراسم تھے اور دونوں میں اس درجہ ربط ضبط تھا کہ وہ تقریباً روزِ شام کو ابن زیاد سے ملنے اس کے محل میں جاتے تھے جب ہانی بیمار ہوئے تو اس موقع پر ابن زیاد خود ان کی عیادت کے لئے آیا۔ یہ بات سمجھ میں نہیں آتی کہ دونوں کے نظریات میں بعد المشرقین، دونوں ایک دوسرے کے دشمن اور پھر دونوں میں اس قدر گناہت اور مراسم دوستی؟ اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ ہانی اہل بیت کے حامیوں کی جماعت سے کوئی تعلق نہ تھا۔ اس خیال کو اس وقت مزید تقویت پہنچتی ہے جب ہم دیکھتے ہیں کہ مسلم کو اپنے گھر میں بپاہر نہیں

کے ساتھ ہی وہ ابن زیاد سے قطع تعلق کر لیتے ہیں۔ اس کا تیسرا ثبوت یہ ہے
 کہ حضرت مسلمؓ ان کے پاس پناہ لینے آتے ہیں تو وہ انہیں جواب دیتے
 ہیں کہ آپ نے مجھ پر ایسا بوجھ ڈالا ہے جسے میں اٹھانے کے لئے تیار
 نہ تھا۔ اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ اس وقت تک وہ حضرت مسلمؓ کی
 جماعت سے کوئی تعلق نہیں رکھتے تھے۔ کیونکہ اگر وہ حضرت حسینؓ کی
 مخالفت کے داعی یا مسلمؓ کے مشن کے رکن ہوتے تو وہ حضرت مسلمؓ
 کو یہ جواب نہ دیتے۔ پھر تو وہ مسلمؓ کو پناہ دینا اپنے لئے باعثِ فخر
 سمجھتے اور نہایت خوش دلی سے انہیں خوش آمدید کہتے مگر حضرت حسینؓ
 کی جماعت کا رکن نہ ہوتے ہوئے انہوں نے حمایتِ اہل بیت میں
 اس بلندی کو دار کا مظاہرہ کیا کہ تاریخِ عالم میں اس قسم کی مثالیں کم ملیں گی۔
 انہوں نے ایک ایسے شخص کو جس کے سامان کا کوئی تعلق نہ تھا صرف
 اس لئے پناہ دی کہ اس کی جان خطرہ میں تھی۔ انہوں نے خود اپنی جان کو خطرے
 میں ڈالا مگر ان کی مروت نے گوارا نہ کیا کہ درخواست کرنے والے کی درخواست
 رد کر دیں۔ ان کے کردار کا جو ہر اس وقت خاص طور پر چمکتا ہے جب ابن زیاد
 ان کے گھر آتا ہے اور ان سے اس کے قتل کی اجازت مانگی جاتی ہے۔ اس
 موقع پر وہ ایک شریف النفس انسان کی طرح اس اقدام کی مخالفت کرتے
 ہیں اور اپنے گھر آئے ہوئے بہانہ کو قتل کرنا ذلت اور ہزولی قرار دیتے

ہیں۔ حالانکہ اس وقت ان کے ایک ادنیٰ اشارے سے ابن زیاد کا سر قلم ہو جاتا۔
 ان کے جو ہنر کی تابانی کا تیسرا موقع وہ ہے جب ان سے مطالبہ کیا جاتا ہے کہ
 مسلمہ کو ہمارے حوالے کر دو۔ اس صورت میں ان کی جان بچ جانے کا قوی امکان
 تھا مگر وہ مرنا گوارا کر لیتے ہیں لیکن ان کی شرافت اور غیرت۔ اپنے مہمان کو
 اس کے دشمن کے حوالے کرنا گوارا نہیں کرتی۔ باوجودیکہ انہیں حضرت امام حسینؑ
 کی معیت میں رہ کر میدان کربلا میں شہید ہونے کی سعادت نصیب نہیں ہوئی مگر
 انہوں نے جس مردانگی سے جان دی اور جن دشوار گزار مرحلوں سے گذر کر موت
 کو مرحبا کہا وہ انہیں منسوب شہادت پر فائز کرتا اور شہداء کے کربلا میں ایک ممتاز
 مقام عطا کرتا ہے۔

حضرت حسینؑ کی مکہ سے روانگی

جب مکہ کے آخری ہفتے میں حضرت امام حسینؑ کو حضرت مسلمہ کا وہ
 خط ملا جس میں آپ سے کوہِ شریف لانے کی درخواست کی گئی تھی۔ چونکہ
 حضرت مسلمہؓ آپ کے مخلص ترین معتمد تھے اور کوہِ جا کر انہوں نے ساری
 حالات کا اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کر کے یہ خط لکھا تھا اس لئے حضرت
 امام حسینؑ نے سفر کی تیاری شروع کر دی مگر جب مکہ کے اکابر کو جن میں بہت سے
 لوگ حضرت حسینؑ کے قریبی عزیز بھی تھے آپ کے سفر کو فہم کا علم ہوا تو
 انہوں نے آپ کی خدمت میں بڑے ادب سے عرض کیا کہ آپ کو فہم

تشریف نہ لے جائیے۔

اہل الرائے کا اختلاف

عمر بن عبد الرحمن بن حارث بن ہشام نے کہا کہ :-

”مجھے معلوم ہوا ہے کہ آپ عراق تشریف لے جا رہے ہیں اگر

یہ خبر درست ہے تو آپ ایسے علاقے میں جا رہے ہیں۔ جہاں

غیر کی حکومت قائم ہے اور اس کے حکام موجود ہیں۔ بیت المال

پران کا قبضہ ہے اور آپ جانتے ہیں کہ لوگ روپے کے

لاٹھی ہوتے ہیں۔ مجھے ڈر ہے کہ وہی لوگ جو آپ کی حمایت

کا دم بھر رہے ہیں آپ کی مخالفت پر آمادہ نہ ہو جائیں۔“

حضرت امام حسینؑ نے فرمایا کہ آپ کے مخلصانہ مشورے کا شکریہ لیکن

میں نے تمام حالات پر غور کرنے کے بعد ہی یہ فیصلہ کیا ہے۔ اس کے بعد

حضرت عبداللہ بن عباسؓ تشریف لائے اور انہوں نے آپ کی خدمت

میں عرض کیا کہ :-

”لوگ یہ خبر سن کر بے چین ہیں کہ آپ عراق تشریف لے جا

رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کو اپنی حفاظت میں لے لے۔ آپ

جن لوگوں کے پاس جا رہے ہیں کیا وہ اپنے دشمنوں پر

غالب آچکے ہیں اور ملک پر قاطع ہو چکے ہیں؟ اگر ایسا ہو چکا

ہے تو آپ ضرور تشریف لے جائیے لیکن اگر وہاں کا حاکم ان پر
مسلط ہے اور اس کے عمال خراج وصول کر رہے ہیں تو آپ کا
وہاں جانا جنگ کی طرف جانا ہے اور وہ لوگ آپ کو جنگ ہی
کے لئے بلارہے ہیں مجھے اندیشہ ہے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ
جب وہ اپنے دشمن سے خائف ہو جائیں تو اٹا آپ ہی کے
خلافت تلواریں کھینچ لیں۔

جب حضرت امام حسینؑ پر حضرت عبداللہ بن عباسؑ کی تقریر کا کوئی اثر نہ ہوا
اور انہوں نے دیکھا کہ میرے سمجھانے کے باوجود حسینؑ سامان سفر باندھ رہے
ہیں تو وہ دوڑے ہوئے پھر ان کے پاس آئے اور عرض کیا کہ :-
ابنِ علم! میں نے ضبط کرنے کی بڑی کوشش کی مگر کیا کروں خاموش
نہیں رہ سکا۔ میں دیکھ رہا ہوں کہ آپ ہلاکت و بربادی کے
راستے پر جا رہے ہیں عراق کے لوگ بڑے دعا باز ہیں۔ آپ
ان کے پاس ہرگز نہ جائیے۔ یہیں رہیے کیونکہ یہاں سب آپ
کے وفادار ہیں اور اگر عراق کے لوگ اصرار کر رہے ہیں تو انہیں
کہہ دیجئے کہ پہلے اپنے دشمنوں کو نکال دو پھر میں آؤں گا اور
اگر آپ یہاں سے جانا ہی چاہتے ہیں تو میں چلے جائیے۔
وہاں مضبوط قلعے، کھٹن راستے اور پہاڑ ہیں وہ ایکٹ میچ

ملک ہے۔ وہاں ایسے لوگوں کی بھی کمی نہیں ہے جو آپ کے والد کے خیر خواہ تھے۔ وہاں جا کر آپ دشمن کی گرفت سے آزاد ہوں گے۔ پھر آپ اپنے داعیوں اور مخلوط کے ذریعہ سے اپنی تحریک چلائیے گا۔ مجھے پوری امید ہے کہ اس

صورت میں آپ ضرور کامیاب ہوں گے۔ (تاریخ طبری جلد ہفتم ص ۲۷)
حضرت ابن عباسؓ کی یہ بظاہر نہایت عاقلانہ و دانشمندانہ تقریر سن کر حضرت امام حسینؑ نے فرمایا کہ "ابن عم! مجھے معلوم ہے کہ تم میرے ساتھ اخلاص و محبت رکھتے ہو لیکن میں نے جو ارادہ کیا ہے وہ بہر حال پورا کروں گا۔" یہ سن کر حضرت ابن عباسؓ نے کہا کہ اچھا اگر آپ جانا ہی چاہتے ہیں تو کم از کم عہد توں اور بچوں کو تو اپنے ہمراہ نہ لے جایئے۔ کیونکہ مجھے اندیشہ ہے کہ جس طرح حضرت عثمانؓ اپنے اہل و عیال کی موجودگی میں شہید کر دیئے گئے اسی طرح آپ بھی اپنے اہل بیت کے سامنے شہید کر دیئے جائیں گے۔ جب حضرت عبداللہ ابن زبیرؓ کو آپ کے سفر کو فو کا علم ہوا تو انہوں نے عرض کیا کہ اگر اہل عراق پوری قوت سے آپ کی حمایت کرنے کا تہیہ کر چکے ہیں پھر تو آپ کا جانا کسی حد تک مناسب بھی ہے۔ ورنہ آپ یہیں مقیم رہئے۔ ہم سب آپ کی بیعت کرنے اور آپ کی خلافت کے قیام کے سلسلے میں آپ کی خاطر خواہ امداد کرنے کے لئے تیار ہیں۔ آپ اطمینان سے حرم میں بیٹھئے

میں خود آپ کی خلافت کے لئے فضا ہموار کر دیں گا۔ لیکن حضرت امام حسینؑ نے حضرت ابن زبیرؓ کا مشورہ یہ کہہ کر قبول فرمانے سے انکار کر دیا کہ میں نے اپنے والدؑ سے رسول اللہؐ کی یہ حدیث سنی تھی کہ ”ایک مینڈھے کی وجہ سے حرم کی حرمت برباد ہو جائے گی۔“ اس لئے میں حرم کا وہ مینڈھا بننا پسند نہیں کرتا۔

جب ابوبکر بن عمارؓ کو حضرت امام حسینؑ کے عزم کو نہ کا علم ہوا تو وہ بھی آپؑ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ ”آپؑ کے والدؑ بزرگوار کے پاس قوت و اقتدار تھا اور لوگ ان کی طرف مائل تھے۔ ان کے احکام کی تعمیل کرتے تھے۔ سوائے شام کے سارا عالم اسلام ان کا فرمانبردار تھا۔ اس قوت و اقتدار کے باوجود جب امیر معاویہؓ نے ان کی مخالفت میں لوگوں کو لالچ دیئے تو وہ دولت کی طمع میں ان کا ساتھ چھوڑ گئے صرف ساتھ ہی نہیں چھوڑا بلکہ ان کے دشمن بن گئے اور وہی یہ جو خدا کو منظور تھا، ان کے بعد آپؑ کے بڑے عہدائی کے ساتھ جو جہاں پیش آیا وہ بھی آپؑ سے پوشیدہ نہیں۔ یہ سب کچھ جانتے ہوئے بھی آپؑ ان لوگوں کے پاس جا رہے اور یہ سمجھ کر جا رہے ہیں کہ وہ آپؑ کی حمایت کریں گے؟ شام کے

لوگ بہت مضبوط ہیں اور لوگ بھی ان سے خائف رہتے ہیں۔ آپ کے جلتے ہی عراق کے لوگ خوف اور دولت کی طرح کی وجہ سے آپ کا ساتھ چھوڑ کر اہل شام سے مل جائیں گے اور جو لوگ آپ کی محبت کے دعوے کر رہے ہیں وہ سب آپ کے مخالف ہو جائیں گے۔ (مسعودی تہذیب و تمدن ص ۴۵۷)

جب حضرت عبداللہ بن جعفر کو آپ کے سفر کو فہ کی خبر ملی تو انہوں نے بھی ایک پروردگار کو اس سفر سے روکنے کی کوشش کی۔ انہوں نے لکھا کہ:

”میں آپ کو اللہ کا واسطہ دے کر کہتا ہوں کہ میرا خط پڑھتے ہی اپنا ارادہ ترک کر دیجئے۔ کیونکہ یہ ایسا راستہ ہے جس میں آپ کے لئے ہلاکت اور آپ کے اہل خاندان کے لئے تباہی ہے۔ اگر آپ ہلاک ہو گئے تو زمین کا نور بجھ جائے گا۔ آج آپ ہی کا وجود ہدایت کا نشان اور اہل ایمان کا مرکز ہے۔ دانگی میں جنت نہ کیجئے گا۔ میں آپ کے پاس آ رہا ہوں۔“

اس خط کے بعد حضرت ابن جعفر حضرت امام حسینؑ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور انہیں سمجھایا کہ آپ کا عراق جانا اپنے دشمنوں میں جانا ہے۔ اس میں خوں ریزی کا اندیشہ ہے۔ آپ یہیں مقیم رہئے۔ ہم سب آپ کے

مددگار ہیں۔ مگر حضرت امام حسینؑ نے ان کا مشورہ تسلیم نہ کیا۔ جب انہوں نے دیکھا کہ حضرت امام حسینؑ اپنا ارادہ ملتوی کرنے کے لئے کسی طرح تیار نہیں ہیں تو وہ مکہ کے گورنر عمرو بن سعید بن العاص کے پاس گئے اور اسے تحریک کی کہ آپ حسینؑ کو ایک خط لکھ کر انہیں اس ارادے سے باز رکھنے کی کوشش کیجئے اور انہیں امان دینے کا وعدہ کیجئے۔ عمرو بن سعید نے کہا آپ خط کا مضمون تحریر کر دیجئے میں اس پر اپنی مہر لگاؤں گا۔ خط یہ تھا:

”میں اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں کہ وہ آپ کو اس راستے پر جانے سے روکے جو ہلاکت کی طرف جاتا ہے اور اس راستے کی طرف لے جائے جس میں سلامتی ہو۔ مجھے معلوم ہوا ہے کہ آپ عراق جانے والے ہیں۔ میں اس نفاق و اختلاف سے خدا کی پناہ مانگتا ہوں جو آپ کے طرز عمل سے پیدا ہوگا۔ مجھے آپ کی ہلاکت کا اندیشہ ہے۔ میں عبداللہ بن جعفر اور یحییٰ بن سعید کو آپ کی خدمت میں بھیج رہا ہوں۔ آپ ان کے ساتھ واپس تشریف لے آئیے۔ میرے پاس آپ کے حق میں امن و سلامتی، حسن و احسان اور نیکی کے جذبات ہیں اس کا خدا شاہد اور نگہبان ہے۔“

ایک روایت کے مطابق حبیب حضرت عبداللہ بن جعفر حضرت حسینؑ

خصت ہو کر گورنر مکہ کے پاس مندرجہ بالا خطوط لکھوانے گئے تھے اس وقت
حضرت امام حسینؑ مکہ سے روانہ ہو رہے تھے۔ اسی لئے عمرو بن سعید کے
خط میں واپس تشریف لے آئیے کے الفاظ لکھے گئے تھے یہ خط حضرت امام
حسینؑ کو مکہ سے باہر نکل کر بلا خط پڑھ کر آپ نے حضرت عبداللہ بن جعفر اور
گورنر مکہ کے بیٹے یحییٰ سے فرمایا کہ رات میں نے خواب میں رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم کو دیکھا ہے، خواب کے عالم میں آپؐ مجھے ایک حکم دیا ہے میں
اس حکم کو پورا کئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ ابن جعفرؑ نے خواب کی وضاحت چاہی مگر
حضرت امام حسینؑ نے وضاحت کرنے سے انکار کر دیا۔ اس کے بعد آپ نے
گورنر مکہ کو مندرجہ ذیل خط لکھا۔

”جو شخص موت الی الحق دیتا ہے۔ اعمال صالح انجام دیتا ہے اور
اسلام کا اقرار کرتا ہے وہ خدا اور رسولؐ کے احکام کی خلافت نبوی
کیسے کرے گا۔ آپ نے مجھ کو امان دی ہے اور حسن و احسان
سے پیش آنے کا وعدہ کیا ہے۔ سب سے بہتر امان وہ ہے
جو اللہ کی طرف سے دی جائے۔ جو شخص دنیا میں خدا سے
خوف نہیں کرتا آخرت میں خدا سے امان نہیں دے گا پس میں
دنیا میں خدا سے ڈرتا ہوں تاکہ قیامت کے روز اس کی امان میں
رہوں۔ آپ نے اپنے خط میں جو کچھ لکھا ہے اگر اس سے آپ کی

نیت یہی ہے کہ میرے ساتھ صلہ رحمی اور حسن و احسان کا سلوک

کریں تو اللہ تعالیٰ آپ کو دنیا اور آخرت میں اس کا اجر عطا فرمائے

والسلام۔ تاریخ طبری جلد ہفتم ص ۲۸۱ تا ۲۹۹

یہ مشورے جو مکہ کے اکابر اور حضرت امام حسینؑ کے بعض قریبی عزیزوں

نے دیئے تھے، بظاہر بڑے دانشمندانہ ہیں اور بلاشبہ مشورے دینے والے

حضرت امامؑ کے سچے ہمراہ و ہم خیال بھی تھے مگر اس کے باوجود حضرت

امام حسینؑ نے انہیں قبول نہ فرمایا اور عازم کوفہ ہو گئے۔ اس سے تاریخ میں

حضرت امامؑ کے تدبیر و فراست کے متعلق بڑی غلط فہمیاں پیدا ہوئی ہیں اور

بعض سطحی نظر رکھنے والوں اور ان لوگوں نے جو اس عہد کی تاریخ سے پوری

طرح واقف نہیں حضرت حسینؑ پر اعتراض کیا ہے۔ اس اجمال کی تفصیل اس

مقام پر بیان کی جائے گی جہاں حضرت امامؑ پر عائد کئے جانے والے اعتراضات

کے جوابات دیئے جائیں گے۔

تواروں کے سائے میں

(خطباتِ حسینؑ)

سے ما اظہر آپ

تلواروں کے سائے میں

(خطباتِ حسینؑ)

حضرت مسلم بن عقیلؑ کا خطِ پاک حضرت امام حسینؑ نے سفر کی تیاری شروع کر دی اور ۸ ذی الحجہ ۶۰ کو مکہ سے کوثر روانہ ہو گئے۔ راستے میں بھی آپ کے بعض دوستوں نے کوثر جانے سے منع کیا اور مکہ سے کوثر تک مختلف مقامات پر مختلف لوگوں سے ملاقات ہوئی جنہوں نے آپ کے اس اقدام سے اختلاف کیا اور ان سب کے اختلاف کی وجہ یہی تھی کہ اس راہ میں نہیں حضرت امامؑ کی جان جانے کا خطرہ تھا مگر حضرت حسینؑ ان حضرات کا شکریہ ادا کرتے ہوئے منزلِ شہادت کی جانب بڑھتے ہی رہے۔ راستے میں آپ جن جن مقامات سے گزرے ان مقامات کے لوگوں نے آپ کا بڑی گرم جوشی سے استقبال کیا اور ہر مقام سے لوگ آپ کے قافلے میں شامل ہوتے گئے تا آنکہ آپ

ذی حِجْم نامی مقام پر پہنچے جہاں ابن زیاد نے حُب بن یزید تمیمی کو ایک لشکر جہاز کے ساتھ آپ کو آگے بڑھنے سے روکنے پر متعین کر دیا تھا اور ہدایت کر دی تھی کہ حسین کو مار کر کوفہ آجانا۔ خبردار انہیں اور کسی طرف مت جانے دینا۔ یہیں آپؑ کو حضرت مسلم بن عقیلؓ اور ہانی بن عروہ کی شہادت کی المناک خبر ملی پہلا خطبہ

چنانچہ آپؑ نے اپنے ساتھیوں کو جمع کیا اور فرمایا:

”لوگو! ہمیں نہایت المناک خبریں ملی ہیں۔ مسلم بن عقیلؓ

ہانی بن عروہ اور عبداللہ بن بقطر قتل کر دیئے گئے

ہیں۔ ہمارے شیعوں نے بے وفائی کی۔ کوفہ میں

ہمارا کوئی مددگار نہیں رہا۔ تم میں سے جو ہمارا

ساتھ چھوڑنا چاہے چھوڑ دے ہم ہرگز خطا نہیں

ہوں گے۔“ (تاریخ طبری جلد ہفتم ص ۲۹۴)

آپؑ کی یہ تقریر سن کر بیشتر لوگ آپؑ سے علیحدہ ہو گئے۔ البتہ وہ لوگ باقی

رہ گئے جو آپؑ کے ساتھ مکہ اور مدینہ سے آئے تھے یا راستے میں شریک

ہونے والوں میں سے وہ لوگ ثابت قدم رہے جو کسی منفعت کی خاطر

نہیں بلکہ آپؑ کی محبت کی وجہ سے شریک سفر ہوئے تھے۔ اس کے

بعد آپؑ نے حکم دیا کہ اذان دی جائے یہ ظہر کا وقت تھا اور حکم لشکر آپؑ

کے لشکر کے سامنے خمیر زن تھا چنانچہ اذان دی گئی اور ایک روایت کے مطابق حر اور اس کے لشکر نے آپ کی امامت ہی میں نماز ادا کی۔ نماز کے بعد آپ نے مندرجہ ذیل تقریر کی۔

دوسرا خطبہ

”اے اہل کوفہ! میں خدا اور تمہارے سامنے ایک عذر پیش کرتا ہوں اور وہ عذر یہ ہے کہ میں تمہارے پاس از خود نہیں آیا۔ جب تک کہ تمہاری طرف سے بے شمار خطوط اور وفود میرے پاس نہ آئے اور مجھ سے یہ نہ کہا گیا کہ ہم بغیر امام کے ہیں۔ آپ آجائے تاکہ خدا آپ کے ذریعہ سے ہمیں راہ راست پہنچا دے۔ اب جب کہ میں تمہارے پاس آگیا ہوں اگر تم اپنا عہد پورا کرنے کا وعدہ کرو تو میں تمہارے شہر کو چلوں اور اگر تم نہیں میرا آنا بوا معلوم ہوا ہے تو میں جہاں سے آیا ہوں وہیں واپس چلا جاؤں۔“

(تاریخ طبری جلد ہفتم ص ۲۹)

اس کے بعد آپ اپنے خیمے میں تشریف لے گئے۔ نماز عصر کے وقت آپ پھر باہر تشریف لائے اور پھر ایک تقریر کی۔

تیسرا خطبہ

اے لوگو! اگر تم اللہ سے ڈرو اور حق کو پہچانو تو یہ اللہ عزوجل
 کی خوشنودی کا باعث ہو گا۔ ان ظالموں اور حق شناسوں سے
 جو مدعی امارت ہیں ہم زیادہ مستحق خلافت ہیں لیکن اگر تم کو
 یہ امر ناگوار ہو اور تنہادی وہ رائے اب بدل گئی ہو جو تم نے
 اپنے خطوط میں ظاہر کی تھی تو ہم واپس چلے جائیں۔
 (تاریخ طبری جلد ہفتم ص ۲۹۸)

یہ تقریر سن کر حمزہ نے کہا کہ آپ کون سے خطوط اور کن قاصدوں کا ذکر
 کر رہے ہیں۔ ہم نے نہ تو کوئی قاصد آپ کی طرف بھیجا اور نہ کوئی خط لکھا
 یہ سن کر حضرت امام حسینؑ نے خطوط لانے کا حکم دیا۔ چنانچہ ایک روایت
 کے مطابق ان خطوط سے بھری ہوئی ایک پوری پھیلی الٹ دی گئی۔ مگر حمزہ
 نے ان خطوط کے متعلق اپنی برکت کا اظہار کیا اور کہا کہ ہمیں تو امیر کا حکم یہ ہے
 کہ ہم آپ کو سوائے کوفہ کی اور کسی طرف نہ جانے دیں۔ یہ سن کر آپ نے
 اپنے قافلے کو مدینہ واپس چلنے کا حکم دیا۔ قافلہ تیار ہو گیا مگر جب انہوں نے
 مدینہ کی طرف سفر کا رخ کیا تو حُر کا لشکر سامنے آگیا اور اس نے آگے بڑھنے
 سے روک دیا۔ اس پر حضرت امام حسینؑ اور حُر کے ساتھیوں میں تلخ کلام
 ہونے لگی اور قریب تھا کہ جنگ کی نوبت آجائے گی مگر حضرت امام حسینؑ نے معاملہ

رفع دفع کر دیا۔ ادھر ٹھہر بھی آپ سے جنگ کرنا پسند نہ کرتا تھا اس لئے اس نے آپ کو مشورہ دیا کہ ”مجھے آپ کے ساتھ لڑنے کا حکم نہیں ملا مجھے صرف یہ حکم ہے کہ اس وقت تک آپ کے ساتھ رہوں جب تک کہ آپ کو کوفہ نہ لے آؤں۔ اگر آپ پسند کریں تو ایسے راستے پر سفر کیجئے جو نہ کوفہ کی طرف جاتا ہو اور نہ مدینہ کی طرف۔ اس دوران میں میں بن زیاد کو عہد رستہ کی حال کی اطلاع دے دوں گا۔ آپ بھی نزدیک کو خط لکھئے شاید خدا کوئی ایسی صورت پیدا کر دے جو مجھے آپ کے معاملے میں موافقت سے بچالے“

(الکامل ابن اثیر جلد چہارم ص ۷۴)

حضرت امام حسینؑ نے حُرَیْرہ قبول فرما لیا اور کوفہ یا مدینہ کی طرف تسخ کرنے کے بجائے قادسیہ کے بائیں جانب سفر شروع کر دیا۔ مقام بیضہ پہنچ کر نماز کا وقت ہو چکا تھا اس لئے اذان دی گئی اور نماز کے بعد آپ نے پھر ایک پُر اثر خطبہ ارشاد فرمایا۔

چوتھا خطبہ

”اے لوگو! رسول اللہؐ نے فرمایا ہے کہ جس شخص نے کسی ظالم بادشاہ کو دیکھا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے حریمات کو علال کرتا ہے رسول اللہؐ کی پیروی نہیں کرتا ہے۔ خلق اللہ میں ظلم و گناہ کے کام کرتا ہے اور اس نے کسی قسم کی دست اندازی کوئی بائلی

نہ کی تو اللہ تعالیٰ اس کو بھی اس کے ساتھ ہی شمار کرے گا۔
 آگاہ ہو جاؤ کہ ان لوگوں (یزید و امراء یزید) نے اللہ
 تعالیٰ کی اطاعت چھوڑ کر شیطان کی تابعداری شروع کر دی
 ہے۔ فتنہ و فساد برپا کر دیا ہے۔ حدود و شرعی سے دست کش
 ہو گئے ہیں۔ مالِ غنیمت کو اپنا مال سمجھ لیا ہے۔ حلال کو حرام اور
 حرام کو حلال کر دیا ہے ان حالات میں غیرت آنے کا موقع سب
 سے زیادہ میرے ہی لئے ہے۔

تمہارے بکثرت خطوط اور قاصد میرے پاس آئے اور
 تم نے میری بیعت کرنے کے لئے مجھے بلایا۔ اب تم
 مجھے رسوا نہ کرو اگر اپنی بیعت پر قائم ہو گئے تو راہِ حق پاؤ گے
 میں فاطمہ بنت محمدؐ اور علیؑ کا بیٹا حسینؑ ہوں۔ میری جانب
 متہاری جان کے ساتھ اور میرے اہل و عیال متہارے
 اہل و عیال کے ساتھ ہیں۔ تم کو میرے ساتھ بھلائی کرنا
 چاہیے لیکن اگر تم نے ایسا نہ کیا اور عہد شکنی کی تو یہ کوئی
 تعجب انگیز بات نہیں ہے۔ اس سے پہلے تم نے میرے
 والد، میرے برادرِ حقیقی اور عم زادِ مسلم بن عقیلؓ کے ساتھ
 بھی تو یہی سلوک کیا تھا۔ افسوس کہ تم لوگ مجھے دھوکا دے

کر اپنی دین داری کا حصہ ضائع کر رہے ہو۔ جو شخص بد عہدی
کرے گا وہ اپنی جان کے ساتھ بد عہدی کرے گا اور جلد
ہی خدا تعالیٰ مجھے تم سے بے نیاز کر دے گا؟

الکامل ابن اثیر جلد چہارم ص ۴۰ و ۴۱

حضرت امام حسینؑ کی یہ مصلحانہ تہریریں کہ جو لڑنے کہا کہ خدا سے ڈریے
میں آپ کو یقین دلانا ہوں کہ اگر آپ جنگ کے لئے نکلے تو ہلاک ہو جائیگے۔
اس پر حضرت حسینؑ نے فرمایا:-

پانچواں خطبہ

”کہ تم مجھے موت سے خوفزدہ کرنا چاہتے ہو میں اس کے جواب میں
وہی بات کہوں گا جو رسول اللہ کے ایک صحابی نے اپنے
چچا زاد بھائی سے کہی تھی جو اس صحابی کو یہ کہہ کر رسول اللہ کی امداد
سے باز رکھنا چاہتا تھا کہ اگر تم محمدؐ کی حمایت میں لڑے نکلے تو ہلاک
کر دیئے جاؤ گے“ صحابی نے جواب میں یہ اشعار پڑھے تھے:-

سما مضی وما بال موت عار علی الفتی	”میں جلد ہی روانہ ہو جاؤں گا اور جب
اذا ما نومی خیرا و جاہد مسلما	مرد کی نیت نیک ہو اور مسلمان کی
و دامنی رجالا صالحین بنفسہا	ماند جہاد کرے اور سیکوں پر جان نثار
و خالدا مشورا و فارق مجرما	کہتا ہوا وہ مجرموں سے علیحدہ رہتا ہو

فان عشت لم ابدم وان مت لم الم
کفی بک ذل ان تعیش وترعنا

(ابن اثیر جلد چہارم ص ۴۵)

تو اسے مرنے میں کوئی عار نہیں
ہو سکتی اگر میں زندہ رہا تو شرمندہ
نہ ہوگی اور اگر مارا گیا تو ملامت نہ ہوگی

مگر خوار و ذلیلوں ہو کر زندہ رہنے میں تو بڑی ذلت ہے۔

حضرت امام حسینؑ کا یہ جواب سن کر ایک طرف کو مہٹ گیا۔ تا فدیہ چل
ٹھا اور اس کے ساتھ ساتھ حمزہ اپنا لشکر لئے نگرانی کرتا جا رہا تھا۔ کچھ دور
چل کر حضرت امام حسینؑ کی آپ کے چند عقیدت مندوں سے ملاقات ہوئی
یہ لوگ کوفہ کی خبریں لے کر آپ کے پاس آ رہے تھے۔ طراح بن عدا
ان کے قائد تھے۔ انہوں نے حضرت امام حسینؑ کو بتایا کہ کوفہ کے لوگ
کا ساتھ چھوڑ چکے ہیں کیونکہ ان کے رؤسا کو گراں قدر نہیں دی گئی ہیں بلکہ
عام لوگوں کے دل آپ کے ساتھ ہیں مگر کل کو اگر لڑائی ہوئی تو ان
تلواریں آپ کے خلاف ہوں گی۔ اس کے بعد طراح نے آپ کے ایک
قاصد قیس بن مسہر کی شہادت کی خبر دی۔ یہ خبر سن کر آپ کو بے حد قلق
اور آپ کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے آپ نے ان کی مغفرت کے
لئے دعا کی اور فرمایا کہ ”اے خدا ہمیں اور ان لوگوں کو جنت میں جگہ دے
اور ہمارے نیران کے لئے ثواب کا بہترین حصہ مخصوص کر دے“

(الکامل ابن اثیر جلد چہارم ص ۴۶)

حضرت حسینؑ کو ایک مشورہ

اس گے بعد طراح نے حضرت امام حسینؑ کی خدمت میں بہ طور مشورہ عرض کیا کہ آپ کے ساتھ ایک قلیل جماعت ہے اور اس تعداد کے لئے تو حرم کے لشکر کی جانب اشارہ کر کے یہی لوگ کافی ہیں۔ کوفہ سے چلتے وقت میں نے وہاں فوجوں کا اتنا بڑا اجتماع دیکھا ہے کہ ایک میدان میں اتنی بڑی تعداد اس سے پہلے کبھی نہیں دیکھی تھی۔ میں آپ کو خدا کی قسم بتا ہوں کہ جہاں تک ہو سکے اس جگہ سے ایک بالشت بھر آگے نہ بڑھئے اور اگر آپ کسی ایسے مقام پر جانا پسند کریں جہاں کے لوگ اس وقت تک آپ کی حفاظت کریں تا وقتیکہ آپ اپنے آئندہ اقدام کے متعلق کوئی آخری فیصلہ نہ کر لیں تو میرے ساتھ تشریف لے چلئے اور ہمارے پہاڑ کے دامن میں قیام فرمائیے۔ یہ وہی پہاڑ ہے کہ بخدا ہم نے عثمان و حمیر اور نعمان بن منذر وغیرہ کو اسی کی بدولت آگے بڑھنے سے روک دیا تھا۔ جو بھی ہمارے پاس آیا ہم نے اسے رسوا نہیں کیا۔ وہاں چل کر آپ اٹھ کے قبیلوں کو اپنی امداد کے لئے بلا لیجئے گا اور وہ لوگ دس روز میں سواروں اور پیادوں کے ساتھ آپ کو پہنچیں گے۔ جب تک مناسب سمجھیں آپ وہاں قیام فرمائیں۔ اگر وہاں کوئی ناخوشگوار واقعہ رونما ہوا تو اٹھ کے میں ہزار حواں مرد اپنی تلواریں آپ کے لئے بے نیام کر دیں گے اور آپ کو کوئی گزند نہ پہنچنے دیں گے۔“

طراح کی یہ پیش کش سن کر حضرت امام حسینؑ نے ان کی ہمدردی کا شکریہ ادا کیا اور فرمایا کہ ”چونکہ ہم محمداور اس کے لشکر کے ساتھ ایک عہد کر چکے ہیں اس لئے اب تمہارے ساتھ جانا مناسب نہیں سمجھتے“ (الکامل ابن اثیر ج ۴ ص ۲۸۱)

میدانِ کربلا میں

نینوا کے قریب پہونچ کر کو ابن زیاد کا قاصد ملا جو اس کے نام یہ فرمان لایا تھا کہ حسینؑ کو ایسے مقام پر لے جا کر اتار دو جہاں نہ کوئی قلعہ ہو اور نہ دریا چشمہ جب حضرت امام حسینؑ کو ابن زیاد کے اس فرمان کی اطلاع دی گئی آپ کے اہل لشکر سخت مشتعل ہو گئے اور انہوں نے حضرت امام حسینؑ کی خواہش میں عرض کیا کہ آپ ہمیں اجازت دیں تاکہ ہم ان لوگوں کا جھگڑا پاک کر دیں کیونکہ اب جو لشکر آئے گا وہ اس لشکر سے زیادہ قوی ہو گا اور اس کا مقابلہ کرنے زیادہ دشوار ہو گا مگر حضرت حسینؑ نے اس کی اجازت دینے سے انکار کر دیا اور فرمایا کہ میں از خود لڑائی کا آغاز نہ کروں گا۔ اس کے بعد قافلہ پھر آگے کو روانہ ہو گیا اور ۲۲ محرم ۶۱ھ کو اس مقام پہونچ کر خیمہ زن ہو گیا جو تائبہ عالم میں کربلا کے المناک نام سے مشہور ہے (الکامل ابن اثیر ج ۴ ص ۲۸۱)

حضرت امام حسینؑ کے کربلا پہونچنے کے دوسرے روز یعنی ۲۳ محرم ۶۱ھ کو عمرو بن سعد ایک بہت بڑا لشکر لے کر حضرت امام حسینؑ کے مقابلے کے لئے پہونچ گیا۔ کربلا پہونچ کر اس نے پہلے کثیر بن عبد اللہ شعیب

واوہ اس کے ناکام واپس آنے کے بعد قمر بن سعد خنظلی کو حضرت امام حسینؑ کی خدمت میں یہ معلوم کرنے کے لئے بھیجا کہ آپ یہاں کس مقصد سے تشریف لائے ہیں حضرت امام حسینؑ نے جواب دیا کہ تمہارے شہر کے لوگوں نے بہ اصرار مجھے بلایا تھا۔ اگر اب انہیں میرا آنا گوارا گزرا ہے تو میں واپس جانے کو تیار ہوں۔ ابن سعد نے حضرت حسینؑ کا یہ جواب سن کر کہا کہ مجھے امید ہے کہ خدا تعالیٰ میرے ہاتھ حسینؑ کے خون سے آلودہ نہ کرے گا۔ اس کے بعد اس نے ابن زیاد کو حضرت امام حسینؑ کا یہ جواب لکھ کر بھیجا اور یہ بھی تحریر کیا کہ حسینؑ جنگ و جدل سے احتراز کر رہے ہیں مگر ابن زیاد نے اس خط کا حوصلہ افزا جواب نہ دیا بلکہ ابن سعد کو لکھا کہ تم حسینؑ اور ان کے ساتھیوں سے فی الفور بیعت لینے کی کوشش کرو۔ باقی باتیں اس کے بعد سنیں جائیں گی۔ یہ تحریر پڑھ کر ابن سعد کو جو حضرت حسینؑ سے جنگ کرنا نہیں چاہتا تھا رنج ہوا اور اس نے کہا کہ معلوم ایسا ہوتا ہے کہ ابن زیاد امن و آشتی کو پسند نہیں کرتا۔

(تاریخ طبری جلد ہفتم ص ۳۱۱)

پانی کی بندش

اس فرمان کے دوسرے روز ابن زیاد کا ایک اور حکم ابن سعد کے نام پہونچا جس میں اسے ہدایت کی گئی تھی کہ پانی پر پھر سے بھٹا دو اور جس

طرح امیر المومنین حضرت عثمانؓ کو پیاسہ شہید کیا گیا اسی طرح حسینؓ اور ان کے ساتھیوں پر پانی بند کر دیا۔ چنانچہ ابن سعد نے پانچ سو سواروں کو ایک دستہ دیکھتے فرات پر متعین کر دیا اور حکم دے دیا کہ حسینؓ یا ان کے ہمراہی پانی نہ لینے پائیں۔ (تاریخ طبری جلد ہفتم ص ۳۱۲)

اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ قافلہ حسینؓ تشنگی کی وجہ سے سسکنے لگا۔ چھوٹے چھوٹے پھول کا پانی کے لئے بلکنا اور مستورات کی تکلیفیں ناستاں برداشت تھیں۔ آخر کار جب پیاس کی تکلیف حد سے گزر گئی تو مجبوراً حضرت امام حسینؓ نے ہتھیار اٹھانے کا حکم دیا اور اپنے بھائی حضرت عباسؓ بن علیؓ کو بیس پیدل اور تیس سواروں کی جمیعت لے کر پانی لانے کی ہدایت فرمائی۔ قافلہ حسینؓ کا یہ شیر دل جوان جب چشے پر پہنچا تو شامی فوج سالار عمرو بن حجاج راستہ روکنے کے لئے بڑھا مگر حضرت عباسؓ نے تلوار کھینچ لی اور سواروں کو مقابلہ کرنے کا حکم دیا۔ سوار تلواریں چلا رہے تھے اور پیادے فرات سے مشکیں بھر رہے تھے۔ جب پانی کی مشکیں بھری گئیں تو حضرت عباسؓ نے اپنے دستے کو واپسی کا حکم دیا اور شامی فوج منہ دیکھتی رہ گئی۔ (انبار الطوال ص ۲۶)

حضرت حسینؓ کی شرائط ثلاثہ

جب معاملہ طول پکڑنے لگا تو ابن سعد کو خیال گذرا کہ ابن زیاد کہیں

مجھ پر اس معاملے میں لیت و لعل کرنے کا الزام نہ لگائے چنانچہ اس نے حضرت حسینؑ کی خدمت میں قاعدہ بھیج کر پھر بیعت کا مطالبہ کیا۔ اس کے جواب میں حضرت حسینؑ نے ابن زیاد کو پیغام بھیجا کہ اس سلسلے میں گفتگو کرنے کے لئے یہ زیادہ مناسب ہے کہ ہم دونوں ایک دوسرے سے ملاقات کریں۔ چنانچہ رات کو ابن سعد اور حضرت امام حسینؑ کی ملاقات ہوئی۔ اس ملاقات میں آپ نے ابن سعد کے سامنے تین عوزیں پیش کیں۔

اول: میں جہاں سے آیا ہوں وہیں چلا جاؤں۔

دوم: یا مجھے کسی سرحدی علاقے میں بھیج دو۔

سوم: یا پھر مجھے نزدیک کے پاس چلا جانے دو۔ میں اس سے اپنا معاملہ خود طے کر لوں گا۔ (تہذیب التہذیب ص ۳۵۲)

یہ شرائط سن کر ابن سعد کو یک گونہ اطمینان ہو گیا کیونکہ اس کا خیال تھا کہ ابن زیاد ان میں سے کوئی نہ کوئی شرط ضرور منظور کرے گا۔ چنانچہ دوسرے روز علی الصبح اس نے حضرت امام حسینؑ کی شرائط اور آپ سے اپنی ملاقات کا حال لکھ بھیجا مگر افسوس کہ ابن زیاد نے حدودِ ظالمانہ طرزِ عمل اختیار کیا اور اس نے مصالحت کی سازش کو ششیں ناکام بنا دیں۔ ابن سعد کے خط کے جواب میں اس نے لکھا کہ :-

”میں نے تمہیں وہاں اس لئے نہیں بھیجا ہے کہ تم حسینؑ کے

مجلسے کو طول دو اور انہیں مہلت دیتے رہو نہ اس لئے
 بھیجا ہے کہ ان کی سفارش کرو بلکہ تمہارا فرض یہ ہے کہ حسینؑ
 اور ان کے ہمراہیوں کو میرا حکم ماننے پر مجبور کرو اگر مان لیں تو
 سب کو ہمارے پاس لے آؤ بصورت دیگر ان پر حملہ کرو کیونکہ
 یہ نافرمان اور سرکش لوگ ہیں۔ اگر تم یہ کام نہ کر سکو تو اپنے اختیاراً
 شمر ذی الجوشن کے سپرد کرو اور خود علیحدہ ہو جاؤ۔ وہ میرے
 حکم کی تعمیل پوری طرح کریں گے۔“ (تاریخ طبری جلد ہفتم ص ۳۱۶)
 چونکہ اب مفر کی کوئی صورت باقی نہ رہی تھی اور شمر ذی الجوشن ابن سعد
 پر مسلط تھا۔ اس لئے اس نے ابن زیاد کے فرمان سے حضرت امام حسینؑ کو مطلع
 کر کے بیعت یا جنگ کی آخری دہائی دیدی۔ حضرت امامؑ نے ایک روز
 کی مہلت مانگی۔ اور اس کے بعد اپنے قافلہ کے لوگوں کے سامنے مندرجہ ذیل
 تقریر ارشاد فرمائی۔

چھٹا خطبہ

”میں اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کرتا ہوں اور ظاہر و پوشیدہ اس کی
 تعریف کرتا ہوں۔ اے اللہ میں تیرا شکر گزار ہوں کہ تو نے
 ہمارے جد کو نبوت سے سرفراز فرمایا اور ہم کو سننے والے
 کلام اور پہچاننے والی آنکھیں عطا فرمائیں۔ ہمیں قرآن کی تعلیم اور

دین کی سمجھ دی۔ پس ہمیں اپنے ان بندوں میں شامل کر جو تیرا شکر ادا کرتے ہیں۔

اما بعد۔ میں اپنے ہمراہیوں سے زیادہ نہ کسی کو با ونا سمجھتا ہوں اور نہ ان سے زیادہ کوئی شخص رشتے کا لحاظ رکھنے والا ہے۔ پس اللہ تعالیٰ تم سمجھوں کو جزائے خیر عطا فرمائے گا آگاہ ہو جاؤ کہ مجھے یقین ہو گیا ہے کہ کل یہ اعداء محمد سے ضرور لڑیں گے۔ میں تم کو خوشی سے اجازت دیتا ہوں کہ جس کا جس طرف جی چاہے چلا جائے۔ مجھے اس سے کوئی شکایت نہ ہوگی تم سب کو اللہ تعالیٰ جزائے خیر عطا کرے گا۔ تم اپنے اپنے شہروں اور ملکوں کی طرف منتشر ہو جاؤ۔ شاید اللہ تعالیٰ تمہیں اس تکلیف سے بچالے کیونکہ شامی میرے خون کے پیالے سے ہیں جب مجھے پالیں گے تو پھر کسی کی حستجو نہ کریں گے؟

(اکامل ابن اثیر جلد چہارم)

قدسیوں کے جذبات

حضرت امام کی یہ تقریر سن کر آپ کے اہل قافلہ میں قیامت برپا ہو گئی کوئی آنکھ ایسی نہ تھی جو اشکبار نہ ہوئی اور کوئی دل ایسا نہ تھا جو لرز لرز نہ گیا ہو۔ ہاں بھی ایسی ہی تھی کہ وہ شخص جو اہل قافلہ کو اپنی جان سے زیادہ عزیز تھا اور

جس کی جان سب سے زیادہ خطرے میں تھی وہ سارے خطرات سے
 بے نیاز اپنی جان کی پروا نہ کرتے ہوئے اپنے ساتھیوں کو بچانے کی فکر
 کر رہا تھا۔ اسے اپنی موت کا غم نہیں تھا۔ اپنے وفادار ہمراہیوں کی زندگی کی
 فکر تھی۔ حضرت امام حسینؑ کے ان پاکیزہ جذبات نے ہر شخص کے دل کو آپ
 کی غیر معمولی محبت سے بھر دیا اور انہوں نے کھڑے ہو کر اسلام
 کیا کہ ہم میں سے ایک شخص بھی آپ سے اس وقت تک جدا نہ ہوگا جب
 تک کہ دشمن کی تلوار ہماری زندگی اور موت میں جدا نہ ڈال دے۔
 حضرت مسلم بن عقیلؓ کے غریبوں نے کہا کہ "خدا ہم کو وہ روز بد نہ دکھائے
 کہ آپ نہ ہوں اور ہم زندہ ہیں۔ جب ہم اس حالت میں اپنے گھروں
 کو جائیں گے تو لوگوں سے کیا کہیں گے یہ کہ اپنے سید و آقا اور اپنے
 ابن عم کو تنہا چھوڑ دیا اور ان کی خاطر ایک تیرہ چلایا۔ نہ کوئی نیزہ مارا
 اور نہ تلوار کا ایک وار کیا۔ بخدا ہم یہ نہیں کریں گے۔ ہم اپنا مال
 و اسباب، اپنے اہل و عیال حتیٰ کہ اپنی جانیں تک آپ کے
 اوپر سے قربان کر دیں گے۔ آپ کے بعد جیسے میں کوئی لطف
 نہیں" (الکامل ابن اثیر جلد چہارم ص ۱۸۸)

اس کے بعد حضرت مسلم بن عقیلؓ کے مشن کے مشہور کن مسلم بن عویم
 اسدی نے کھڑے ہو کر مندرجہ ذیل تقریر کی۔

”یہ نہیں ہو سکتا کہ ہم آپ کو تنہا چھوڑ دیں خدا کے سامنے ہم
کیا عذر کریں گے۔ بخدا میں آپ کی حمایت سے دستکش نہ
ہوں گا تا وقتیکہ اپنا نیزہ دشمن کے سینے میں نہ توڑ دوں
اور تلوار کے جوہر نہ دکھالوں۔ خدا کی قسم اگر میرے پاس
تلوار نہ ہوتی تو دشمن پر پتھروں سے طعنا کرتا یہاں تک
کہ اپنی جان آپ پر سے قربان کر دیتا۔“

(الکامل ابن اثیر طبع چہارم و طبری جلد ششم ۲۳۹)
اس کے بعد سعد بن عبداللہ حنفی نے اس طرح اپنے جذبات کا
اظہار کیا۔

”بخدا ہم آپ کا ساتھ اس وقت تک نہ چھوڑیں گے جب
تک کہ اللہ تعالیٰ یہ نہ دیکھ لے کہ رسول اللہ کےصال
کے بعد بھی ہم نے حضور کے احکام کو نظر انداز نہ کیا اگر مجھے
اس بات کا یقین ہو جاتا کہ میں شہر بار قتل ہوں گا اور ہر بار
زندہ کیا جاؤں گا اور میری نعش کو آگ میں جلا کر اس کی خاک
کو بھی منتشر کر دیا جائے تو پھر بھی میں آپ کی امداد سے
کنارہ کشتی اختیار نہ کرتا یہاں تک کہ موت سے ملاقات
کر لیتا۔ اور اب تو معلوم ہے کہ ایک ہی بار مرنا ہے اور

اس موت میں ہمیشہ کی عزت ہے۔ (الکامل ابن اثیر علیہ چہارم)

ایسی ہی تقریریں زہیر بن قین اور بعض دوسرے جاں نثاروں نے بھی کیں اور حقیقت یہ ہے کہ بعد کے واقعات نے ثابت کر دیا کہ ان تقریروں کا ایک ایک لفظ مبالغے سے قطعاً خالی تھا۔ انہوں نے جیسا کہا تھا ویسا ہی کر دکھایا اور جب تک وہ زندہ رہے دشمن حضرت حسینؑ کو کوئی گزند نہ پہنچا سکا۔ تاریخ اس جاں نثاری کی مثال پستر کرنے سے قاصر ہے۔ دشمن نے جو مہلت دی تھی اس کے گزرنے میں صرف ایک رات باقی تھی۔ اس لئے آپ نے سب کو رخصت کر دیا اور خود عبادت الہی میں مصروف ہو گئے۔ یہ ساری رات آپ نے قیام و سحر میں بسر کی اور نماز فجر ادا کرنے کے بعد اپنے مسمیٰ بھروسا بھائیوں کو ملے ہوئے کا حکم دیا جب فوج کی ترتیب قائم ہو گئی تو آپ گھوڑے پر سوار ہوئے دشمن کی صفوں کے قریب گئے اور اسے مخاطب کر کے مندرجہ ذیل تقریر ارشاد فرمائی :-

سا نواں خطبہ

”اے لوگو! تم میری بات سنو۔ مجھ کو نہ کرو تا آنکہ جہاں تک مجھ پر واجب ہے میں تم کو سمجھانے لوں اور میں اپنے آپ کو سبب تم سے نہ بیان کر لوں۔ پس اگر تم میرے عذر کو قبول

کر لو گے اور میری بات کی تصدیق کر و گے اور حق پسندی
 سے کام لو گے تو یہ تمہاری سعادت مندی سے اور اس
 میں تمہارا کوئی نقصان نہ ہو گا اور اگر تم میرا عذر قبول کرنا نہ چاہتے
 ہو تو تم لوگ مجتمع ہو اور اپنے شرکاء کو یک جا کر و تاکہ تم پر کوئی
 امر مشتبہ نہ رہے۔ اس کے بعد میرے سامنے آؤ اور مجھ
 پر ٹوٹ پڑو۔ بلاشبہ اللہ میرا مددگار ہے جس نے کتاب اناری
 اور صالحین کا ولی ہے۔

اما بعد۔ تم لوگ میرے نسب پر نظر کرو اور دیکھو کہ میں
 کون ہوں۔ پھر اپنی حالت کی طرف رجوع کرو کیا میرا قتل کرنا او
 میری آبروریزی تمہیں روا اور جائز ہے؟ کیا میں تمہارے
 نبی کا لڑا سے نہیں ہوں اور اس کے ولی کا بیٹا نہیں ہوں؟
 کیا سید الشہداء حمزہؑ اور جعفر طیارؑ میرے باپ کے چچا نہ
 تھے۔ کیا تم کو یہ خبر پہونچی ہے کہ رسول اللہ نے میرے
 اور میرے بھائی کے حق میں فرمایا ہے کہ
 یہ دونوں نوجوانانِ جنت کے سردار ہیں۔
 پس جو کچھ میں نے کہا ہے تم اس کی تصدیق کرو۔ خدا کی
 قسم جب سے مجھے یہ معلوم ہوا ہے کہ جھوٹ بولنے سے

خدا ناراض ہوتا ہے اس وقت سے میں نے کبھی جھوٹ نہیں
 بولا اور اگر تم مجھے جھوٹا سمجھتے ہو تو تم میں ایسے لوگ موجود ہیں کہ
 اگر ان سے دریافت کرو تو وہ تمہیں اس سے آگاہ کریں گے
 جابر بن عبد اللہ - ابو سعید خدری - سہیل بن سعد - نید بن ارقم
 اور انس بن مالک ابھی زندہ ہیں ان سے دریافت کرو تمہیں
 بتائیں گے کہ انہوں نے رسول اللہ سے کیا سنا ہے۔ کیا
 تم میں کوئی شخص ایسا نہیں ہے جو تم کو میری خون ریزی سے
 روک دے۔ اگر تمہیں میرے بیان پر شبہ ہے یا میرے
 نواسہ رسول ہونے پر شک کرتے ہو تو واللہ مشرق و مغرب
 کے مابین میرے سوا بے تم میں یا کسی غیر میں تمہارے نبی
 کا کوئی نواسہ موجود نہیں ہے۔

آخر تم مجھ سے کس بات کا عرص طلب کرتے ہو کیا میں نے
 تم میں سے کسی کو قتل کر دیا ہے کسی کا مال مار لیا ہے آخر کس بات
 کا قصاص چاہتے ہو؟ (تاریخ طبری جلد ہفتم ۳۲۰-۳۳۰)

اس کے بعد آپؐ نے شہید بن ربیع - جابر بن ابیجر - قیس بن اشعث
 اور یزید بن حارث کو نام لے لے کر پکارا اور ان سے دریافت کیا کہ کیا تم لوگوں
 نے مجھ کو اپنے خطوط میں یہ نہیں لکھا تھا کہ "فصل پک چکی ہے عمروں کے

بانات سرسبز ہیں۔ دریا طغیانی پر ہیں۔ لشکر آراستہ ہیں آپ فی الصواب آجائے۔
 نگران سب لوگوں نے بیک زبان اپنے مکھے ہوئے خطوط کا انکار کر دیا۔
 اس پر آپ نے فرمایا۔ سبحان اللہ۔ بخدا یہ خط تم ہی نے مکھے تھے لیکن اگر
 اب تمہیں میرا ناپسند نہیں ہے تو میرا پیچھا چھوڑ دو۔ میں کسی طرف نکل جاؤں گا
 آپ کی تقریر سن کر قیس بن اشعث نے کہا کہ آپ اپنے چاچا زاد بھائی کی بات
 کیوں نہیں مان لیتے (یعنی نرید کی بیعت کیوں نہیں کر لیتے) وہ آپ کی
 مخالفت نہیں کریں گے اور نہ آپ کے ساتھ بدسلوکی سے پیش آئیں گے
 اس کے جواب میں حضرت حسینؑ نے فرمایا کہ:-

”آخر تم انہیں کے تو بھائی ہو۔ بخدا میں ذلت

کے ساتھ اس کے ہاتھ میں اپنا ہاتھ کیجی نہ

دوں گا اور نہ اس طرح قول و قرار کروں گا

جس طرح غلام کرتا ہے۔“ (تاریخ طبری جلد ہفتم ص ۳۳)

خطبات حسینؑ کی توضیح و تشریح

یہ واقعہ بھی کتنا تلخ اور کس قدر اندوہناک ہے کہ ایک عظیم المرتبت انسان

جس امت کی تعلیم و تربیت میں تمام عمر مصروف رہا جسے انسانیت کے

بلند مدار پر پہنچانے کی کوشش کرتا رہا جس کے معاشرے کو زندگی کی

حقیقی نعمتوں سے بہرہ اندوز کرنے میں سرگرم کار رہا۔ ایک دن ایسا بھی آیا

جب اسی زمین پر اسی آسمان نے دیکھا کہ وہی امت جو اس کے زیر تربیت
 رہ چکی تھی، اسی کا ایک حصہ اس کی جان کا دشمن ہو گیا۔ اس پر چاروں طرف
 سے پلغار کرتا ہوا بڑھا اور مطالبہ کیا کہ اپنے بتائے ہوئے اصولوں کو اپنے
 پاؤں تلے روندو۔ اپنے ارشادات کی اپنے ہی فعل سے تردید کرو۔ اپنے
 تعلیمات کا خود ہی مضحکہ اڑاؤ ورنہ ہم تمہیں ذبح کر ڈالیں گے۔ نہ صرف تمہیں
 بلکہ تمہارے اہل خاندان، تمہاری اولاد یہاں تک کہ صغیر سن بچے کو (میں)
 زندہ نہ چھوڑیں گے۔

یہ وہ گراں قدر صلہ تھا جو احسان مند اپنے محسن کو دے رہے تھے
 اور جسے قبول کرنے کے لئے یہ محسن بڑی پامردی، جرأت اور استقلال
 سے قدم بڑھا رہا تھا کہ وہ صرف عالم یا معلم ہی نہیں عامل بھی تھا اور اہم
 علم کا نہیں عمل کا وقت تھا۔ لیکن سیدنا حضرت امام حسینؑ نے میدان کربلا
 نزول اجلال فرمانے کے بعد بھی سلسلہ رشد و ہدایت منقطع نہیں کیا۔ اپنے
 قوم کی تربیت اور اسے نیک و بد میں امتیاز کرنے کی سعی، تبلیغ
 وہ اس وقت بھی کنارہ کش نہ ہوئے۔ ان کے خطبات اس خیال کی پرتک
 تائید کرتے ہیں۔

پیکر شجاعت و استقلال حسینؑ بن علیؑ کے وہ خطبات جو انہوں
 سفر کربلا کے دوران میں یا عین میدان کربلا میں ارشاد فرمائے جہاں

اس لحاظ سے قابل قدر ہیں کہ ان میں امت کے ایک گمراہ عنصر کو راہ راست پر لانے کی کوشش کی گئی ہے وہاں ان خطبات کا ایک ایک لفظ غیبی قرآنِ حسین کے لئے گوہر آبدار سے بھی زیادہ قدر و قیمت رکھتا ہے کیونکہ وہ ان کے مُرشد ان کے رہنما اور ان کے بہت بڑے مصلح کی زبان مبارک سے نکلا ہے۔ یہ خطبات ایک ایسی شخصیت کے خیالات کی آئینہ دار می کرتے ہیں جس نے موت کو اپنی آنکھوں کے سامنے دیکھ کر بلکہ اسے اپنی طرف بڑھتے ہوئے پا کر بھی دنیا کی بڑی سے بڑی طاقت کے ساتھ اپنے اصول اور اپنے ضمیر کا سودا نہیں کیا۔ اس نے موت کے بے رحم ہاتھوں کی گرفت سے خائف ہو کر ایک دشمن اسلام کے ہاتھ میں ہاتھ دینا پسند نہیں کیا۔ یہ خطبات ایک ایسے با اصول اور جہی دل انسان کے خطبات ہیں جو زندگی بھر انسانیت کے اعلیٰ اصولوں کی حفاظت کرتا رہا اور جو ملکیت اور شہنشاہیت کے خلاف بے سر پیکار ہو کر اسلام کو بھی سر بلند کر گیا اور خود بھی زندہ جاوید ہو گیا۔

ایک مشہور مقولہ ہے کہ ہر انسان کی تقریر و تحریر اس کی شخصیت اور اس کے کردار کی آئینہ دار ہوتی ہے۔ اگر ہمیں کسی شخص کے خیالات اور کردار کی نہہنگ پہچاننا ہو تو اس کی تحریر یا تقریر کا تجزیہ کرنا چاہیے اور اسے ہر پہلو سے دیکھنا چاہیے۔ حضرت امام حسینؑ کے خطبات کو جب اس

نقطہ نگاہ سے دیکھا جائے تو ہمیں ان میں حضرت امام کے علوئے مرتبت
انسان دوستی عظمت کردار۔ امن پسندی اور فتنہ فساد سے اجتناب کی
جھلکیاں بھی صاف نظر آتی ہیں۔

حضرت امامؑ نے پہلا خطبہ اس وقت ارشاد فرمایا جب آپ کو قزوین
کے قریب پہنچ کر حضرت مسلم بن عقیلؑ کے ساتھ شہادت کی خبر ملی اور
جس میں آپ نے اپنے ساتھیوں کو واپس جانے کی اجازت دے دی
یہ خطبہ آپ کا کردار سمجھنے کی کوشش کرنے والوں کو یہ بتاتا ہے کہ وہ ان
لوگوں میں سے نہیں تھے جو لوگوں کو حیلوں بہانوں اور قریب کاریوں سے
اپنے ساتھ ملا لیتے ہیں جن کا مقصد صرف مطلب برآری ہوتا ہے۔ حسینؑ
کو بہ زور شمشیر یا قریب دے کر اپنی خاطر کسی مصیبت میں ڈالنے کے
لئے تیار نہیں تھے۔ وہ ایک صاف گو اور مومنانہ کردار کے حامل بزرگ
تھے۔ وہ ایک کھلی ہوئی کتاب تھے جسے ہر شخص ہر وقت پڑھ سکتا تھا
اس خطبے سے ثابت ہوتا ہے کہ حسینؑ وہی کہتے تھے جو حقیقت کے
عین مطابق ہوتا تھا۔ اس کے نتائج خواہ کچھ ہوں لوگ ان کا ساتھ دیں
نہ دیں انہیں اس سے کوئی سروکار نہ تھا۔

دنیا ایسی ایک مثال بھی نہیں پیش کر سکتی کہ ایک شخص خطرناک
مصیبت میں گھرا ہو وہ جن لوگوں کے بلا و سے پر ایک مخدوش علاقے

ن گیا ہو وہی اس کا ساتھ چھوڑ چکے ہوں۔ ہر طرف دشمن ہی دشمن ہوں
در خطرات فوج در فوج اس پر منڈلا رہے ہوں۔ عالم غریب الوطنی کا ہو
و بھر بھی وہ اپنے ساتھیوں کو جو پہلے ہی بہ آسانی انگلیوں پر شمار کئے
جاسکتے ہوں اپنا ساتھ چھوڑنے کی اجازت دیدے اور اس قدر وسعت
قلب اس قدر اطمینان اور جرأت سے یہ کہہ دے کہ:-

”ہو ہمارا ساتھ چھوڑنا چاہے چھوڑ دے

ہم ہرگز خفا نہیں ہوں گے۔۔۔۔۔“

حضرت امام حسینؑ کے ان الفاظ سے جہاں ان کی صاف گوئی،
راست بازی اور جرأت و شجاعت کا اندازہ ہوتا ہے وہاں ان سے
یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ وہ ان لوگوں میں سے تھے جو ظاہری سامان و
اسباب، انسانی قوت اور مادی ذرائع پر بھروسہ نہیں کرتے بلکہ کبھی
کبھی تو ان چیزوں کو پر کا صکے برابر بھی وقعت نہیں دیتے حضرت امام کا یہ
خطبہ عالم انسانیت کو یہ بلند پیغام دیتا ہے کہ جو لوگ حق کی مدافعت اور
اپنے مستحکم اصولوں کی حفاظت کے لئے میدان عمل میں آئیں انہیں
اس کی پروا کہ نہیں کرنا چاہیے کہ ہادی طاقت کتنی ہے اور ہمارا انجام کیا
ہوگا۔ انہیں تو صرف ایک ہی ننگ ہونی چاہیئے اور وہ یہ کہ ہمارا پیر جادہ حق
سے نہ ہٹنے پائے۔ ہم سے اصول شکنی کا ارتکاب نہ ہونے پائے، انجام

کو خدا پر چھوڑ دینا چاہیے۔

حضرت امامؑ کے اس خطبے میں ایک اور نکتہ بھی پوشیدہ ہے اور وہ یہ کہ کوئی سالار اس وقت تک حقیقی کامیابی حاصل نہیں کر سکتا جب تک اس کی فوج دل سے اس کے ساتھ شریک نہ ہو۔ جبراً بھرتی کی ہوئی فوج یا وہ لشکر جو دل سے اپنے سالار کا مطیع و قریب ہو دار اور اس کے اغراض و مقاصد سے متفق نہ ہو وقت پڑنے پر گوشت کی دیوار ثابت ہوتا ہے یہی وجہ ہے کہ آپؐ نے صاف الفاظ میں کہہ دیا کہ جن لوگوں نے ہمیں بلایا تھا وہ ہمارا ساتھ چھوڑ چکے ہیں۔ اب ہمارا کوئی حامی و مددگار نہیں رہا جو جانا چاہے جاسکتا ہے۔ اس سے مقصد یہ تھا کہ اس اعلان کے بعد بھی ساتھیوں کی جو تعداد باقی رہ جائے گی وہی حقیقی جاں نثار ثابت ہوگی اور نازک وقت آنے پر کم از کم اندرونی خلفشار کا کوئی اندیشہ باقی نہ رہے گا۔ اس اعتبار سے یہ کہنا مبالغے سے قطعاً خالی ہے کہ حضرت امام حسینؑ بڑے فریسی انسان تھے وہ پوری سیاسی بصیرت رکھتے تھے نہ صرف یہ بلکہ اعلیٰ درجے کے کمانڈر بھی تھے اور انہیں میدان جنگ کے نشیب و فراز سے پوری آگاہی تھی۔

حضرت امامؑ کا موقف

حضرت امام حسینؑ نے دوسرے خطبہ حرم کے لشکر کو مخاطب کر کے ارشاد فرمایا:

س میں ان سے کہا گیا تھا کہ میں تمہارے پاس خود نہیں آیا بلکہ تمہاری پیہم
 دلوں کے بعد آیا ہوں۔ اگر تمہاری پہلی رائے اب بدل گئی ہو اور تمہیں میرا
 ناپسند نہ ہو تو میں جہاں سے آیا ہوں وہیں واپس چلا جاؤں۔ حضرت
 ام کا یہ خطبہ آپ کی امن پسندی کی نشاندہی کرتا ہے اور آپ کے موقف
 پوری طرح روشنی ڈالتا ہے۔ حضرت حسینؑ نے یہ خطبہ دے کر ثابت
 دیا کہ وہ ان لوگوں میں سے نہیں تھے جو فاتی اقتدار کے لئے جنگ
 کرتے اور اپنا مقصد حاصل کرنے کے لئے غلی خدا کا خون بہاتے ہیں۔
 آپ کے یہ الفاظ کہ ا۔

”اے لوگو! میں تمہارے پاس از خود نہیں آیا

جب تک کہ تمہارے خطوط اور مقاصد میری

طلبی کے میرے پاس نہیں گئے۔“

ہمیں بتاتے ہیں کہ حضرت امام حسینؑ کا مقصد یہ نہیں تھا کہ اپنی طرف سے
 کسی ہنگامے کی ابتداء کریں اور تاریخ کی ان شخصیتوں میں شمار کئے جائیں جو
 عوام کو بھڑکا کر پہلے اپنے ساتھ ملائی ہیں اور پھر انہیں لے کر اپنے حریف
 کے مقابلے میں صاف آنا ہو جاتی ہیں حالانکہ اگر یزید جیسے بدکردار اور مستحق
 شخص کے مقابلے میں وہ از خود بھی عوام کو کوئی دعوت دیتے تو اس میں
 بھی حق بجانب ہوتے لیکن پھر بھی انہوں نے ایسا نہیں کیا۔ ان کے تذکرہ بالا

خطبے سے اس واقعے کی جو صورت ابھرتی ہے وہ کچھ اس قسم کی ہے کہ حضرت
امام حسین خان موسوی سے گوشہ عافیت میں بیٹھے یا وہ خدا میں مصروف تھے
کہ عالم اسلام میں ایک زبردست فتنہ اٹھا یعنی یزید لوگوں کی منشا کے
حاکم بن گیا۔ انہوں نے دیکھا کہ عراق کے عوام اپنے حاکم کو ناپسند کرتے
ہیں۔ وہ اس جا برفراں روا کے ہاتھوں سخت نالاں ہیں۔ حاکم بھی کون
جو اسلامی اقدار کا مضحکہ اڑانے اور اسلامی تعلیم کو پامال کرنے میں حد اعتدال
سے تجاوز کر چکا ہے۔ اس کے بعد اہل عراق کے سیکڑوں خطوط اور دوا
ان کے پاس آئے کہ آپ ہماری قیادت کر کے ہیں اس ظالم حکمران سے
نجات دلائیے انہوں نے خیال کیا کہ مجھے ایک ایسے کام کے لئے
بلا یا جا رہا ہے جو اسلام کے نام کو بلند کرنے والا جو وعدہ ہی کا خاتمہ
کرنے والا معاشرے کو اسلامی سانچے میں ڈھالنے والا ہے اور جس
کے نتیجے میں خلافت الہیہ کا احیا ہوگا۔ اس صورت میں ایک پاکباز مومن
عاشق اسلام کی حیثیت سے ان کے لئے اس کے سوائے اور کوئی چار
کار تھا ہی نہیں کہ وہ بلانے والوں کی آواز پر لبیک کہیں۔ چنانچہ انہوں نے
لبیک کہی اور لا تعداد رکاوٹوں کے باوجود ان تک پہنچے۔
انہیں بند کر کے ان کے دعوؤں پر اعتماد نہیں کر لیا بلکہ ایک دانشور
آدمی کی طرح پہلے اپنے ایک معتمد خاص (حضرت مسلم) کو بھیج کر صورت

کی تحقیق کر لی اور جب انہیں ان کے معتمد نے اطلاع دیدی کہ لوگ آپ کے سوائے اور کسی کی امامت و خلافت پر جمع نہیں ہوں گے۔ آپ فوراً تشریف لے آئیے تب وہ عراق کی طرف روانہ ہوئے جو لوگ حضرت امام حسینؑ کی وادشمندی اور جلد بازی پر اعتراض کرتے ہیں یہ خطبہ ان کی آنکھیں کھول دینے کے لئے کافی ہے۔

یہاں تک ان کے موقف اور کردار کا ایک پہلو تھا مگر بڑا روشن پہلو۔ اس خطبے کا دوسرا حصہ ان کے موقف کے دوسرے پہلو پر روشنی ڈالتا ہے اور وہ یہ ہے کہ۔

”اب اگر تم اپنا اقرار پورا کرو تو میں تمہارے شہر کو چلوں اور

اگر تمہیں میرا آنا پسند نہ ہو تو میں جہاں سے آیا ہوں وہیں

واپس چلا جاؤں“

ان الفاظ سے اندازہ ہوتا ہے کہ حضرت حسینؑ کس قدر صلح جو اور

امن پسند انسان تھے۔ اس سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ انہیں اپنی ذات

اور اقتدار کے حصول سے کوئی سروکار نہ تھا۔ وہ تو اسلام کی حفاظت

اور مظلوموں کی حمایت میں کمر بستہ رہنے والوں میں سے تھے۔ جب

ملوکیت کے شکنجے میں کسے ہوئے عوام نے انہیں اپنی امداد کے لئے

بلا یا تو وہ بیقرار ہو کر ان کی امداد کے لئے پہنچ گئے مگر جب انہوں

بائیں ہی کیوں نہ قربان کرنی پڑیں اس لئے مجبوراً حضرت امام حسینؑ کو بھی ان کا ساتھ دینا پڑا۔ اگر یہ دلیل تسلیم کر لی جائے تو پھر معاملے کی صورت ہی بدل جائے گی اور پھر نتیجہ یہ نکلے گا کہ حضرت مسلمؑ کی شہادت کی خبر سننے کے بعد حضرت حسینؑ کی کوفہ کو روانگی اس بلند مقصد کے لئے نہ تھی جس کے لئے آپؑ نے مکہ سے رخت سفر باندھا تھا بلکہ اپنے چچا زاد بھائی کے خون کا بدلہ لینے کے لئے عازم کوفہ ہوئے تھے گویا یہ ایک انتقامی جنگ تھی۔ اس صورت میں حضرت امامؑ کی شہادت کا مرتبہ ہی کم ہو جائے گا اور آپؑ کی عظمت کو بھی ٹھیس لگے گی۔ صرف یہی نہیں بلکہ یہ تاریخ کو جھٹلاسنے کے مترادف ہوگا۔

حقیقت یہ ہے کہ یہ ساری الجھنیں اس لئے پیدا ہوئی ہیں کہ گزشتہ سیکڑوں سال سے ایک غلط روایت لوگوں میں مشہور ہو گئی ہے اور مورخ بھی آنکھیں بند کر کے اسے پیش کرتے چلے جاتے ہیں کہ کوفہ پہنچنے سے پہلے ہی حضرت امام حسینؑ کو حضرت مسلمؑ کی شہادت اور کوفیوں کی بے وفائی کی اطلاع مل گئی تھی۔ یہ روایت اس قدر تواتر سے بیان کی گئی اور اتنے بڑے بڑے مورخوں نے اسے نقل کیا کہ بعد کے مورخین و مصنفین اس کی تردید کرنے کی ہرأت نہ کر سکے حالانکہ یہ روایت واقعات کے بالکل خلاف ہے کیونکہ انہیں مورخوں میں سے ایک بڑے مورخ نے ذیل کی روایت بھی درج کی ہے جو

اس قسم کی بے سرو پا روایتوں کی تردید کوئی ہے روایت یہ ہے کہ:۔
 دابن زیاد نے "مسلم" کو قتل کرنے کے بعد بصرہ کی طرف آنے
 والے سارے راستے بند کر دیئے نہ کسی کو آنے دیا جاتا تھا نہ
 جانے دیا جاتا تھا حسین کو ان واقعات کا مطلق علم نہ تھا اور وہ
 اسی طرف آ رہے تھے کہ راستے میں چند اعرابی ملے، آپ نے
 ان سے پوچھا کہ کوفہ کے حالات کیسے ہیں؟ انہوں نے کہا کہ
 ہمیں سوائے اس کے اور کچھ نہیں معلوم کہ نہ تو لوگ وہاں سے
 کسی طرف آ سکتے ہیں اور نہ جا سکتے ہیں۔ "تاریخ طبری جلد ششم ص ۲۲۲
 گو طبری ہی نے بعض ایسی روایتیں بھی درج کی ہیں جو اس کے بالکل
 برعکس ہیں مگر اس حقیقت کو نظر انداز نہیں کرنا چاہیئے کہ طبری کا قاعدہ تھا کہ
 اسے جو روایت ملتی تھی وہ بے کم و کاست درج کر دیتا تھا اور فیصلہ قارئین
 پر چھوڑ دیتا تھا تاکہ اس پر جانبداری کا اعتراض عاید نہ ہو۔ اس سے اس کا ایک
 مقصد یہ بھی تھا کہ وہ تمام روایتیں محفوظ ہو جائیں جو اس واقعے کے کسی
 بھی پہلو سے تعلق رکھتی ہیں لیکن ایک انصاف پسند اور سمجھدار شخص
 فرمے کہ روایات کا سہارا لیتے وقت وہی روایت قبول کرنے پر واقف
 سے تطابقت رکھتی ہو۔ چونکہ مندرجہ بالا روایت حضرت امام حسینؑ کے موقع
 کے عین مطابق اور آپ کی عظمت کو بلند کرنے والی ہے اس لئے کوئی وہ

نہیں کہ ہم اسے قبول نہ کریں اور ان روایات پر اصرار کئے جائیں جن سے حضرت امامؑ کے کردار کی بلندی کم ہوتی ہے اور جو واقعات سے بھی قطعاً مطابقت نہیں رکھتی ہیں پس اس روایت کی روشنی میں یہی نتیجہ نکلتا ہے کہ حضرت امام حسینؑ مکہ سے اہل عراق کی دعوت پر کوفہ تشریف لے گئے تھے ان خود نہیں اور انہیں حر کے لشکر کے سامنے پہنچنے تک حضرت مسلمؑ کی شہادت اور اہل کوفہ کی بے وفائی کا علم نہ ہو سکا۔ یہ واقعات انہیں اس وقت معلوم ہوئے جب حر کا لشکر ان کا راستہ روک چکا تھا۔

اتمام محبت

حضرت امام کا تیسرا اور چوتھا خطبہ بھی آپؑ کے موقف کی وضاحت کرتا ہے۔ ان دونوں خطبوں میں آپؑ نے دو اہم باتوں کی طرف اشارہ کیا ہے۔ اول یہ کہ جب آپؑ نے دیکھا کہ اہل عراق نہ تو ان کا ساتھ دینے کے لئے تیار ہیں اور نہ انہیں واپس جانے دیتے ہیں۔ تو انہوں نے محسوس کیا کہ عراقیوں کو یا تو فریب دیا گیا ہے یا ان پر جبر کیا گیا ہے اس لئے بیشتر اس سے کہ خوں ریزی ہو بہتر ہے کہ انہیں دایم فریب سے نکلنے کی کوشش کی جائے کہ شاید ان میں سے کسی کی فطرت سعید ہو اور وہ راہِ حق پر گامزن ہو جائے۔ اس کے ساتھ ساتھ انہوں نے یہ بھی خیال کیا کہ اللہ تعالیٰ اتمام محبت کرنے کا ایک موقع دے رہا ہے اسے ضائع

نہیں کرنا چاہیئے چنانچہ اس موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے انہوں نے فرمایا کہ :-

”اگاہ ہو جاؤ کہ ان لوگوں دیزید و امرا نے یزیدؓ نے اللہ تعالیٰ کی اطاعت چھوڑ کر شیطان کی تابعداری مشروع کر دی ہے۔ فتنہ و فساد برپا کر دیا ہے۔ حدود و شرعی سے دست کش ہو گئے ہیں، مال غنیمت کو اپنا مال سمجھ لیا ہے۔ حلال کو حرام اور حرام کو حلال کر دیا ہے۔“

اس طرح آپ نے نہایت جرأت سے ہر اقتدار طبقے پر کڑی تنقید کی اور اہل عراق کے سامنے ان کے امراء و بادشاہ کے اعمال کا کچا چٹھا سنا دیا تاکہ ان کے لئے کوئی گنجائش باقی نہ رہ جائے وہ بے خبری کا عذر کر سکیں اور یہ نہ کہہ سکیں کہ جو لوگ یزید کی بد اعمالیوں سے واقف تھے اور اسے پسند نہیں کرتے تھے۔ انہوں نے آپ کو بلایا ہوگا۔ ہم کو تو یزید کی کسی برائی کا علم نہ ہو سکا اور نہ ہم نے آپ کو بلایا یہ خطبہ اور اس کے علاوہ وہ خطبہ جو آپ نے میدان کربلا میں آخری دن ارشاد فرمایا بڑا جامع اور بہت سے پہلوؤں پر حاوی ہے۔ ان خطبوں میں آپ نے اپنے موقف کا چوڑا پیش کر دیا۔ اس خطبے کے ذریعہ سے آپ نے بتایا کہ حذر کی رو میں بہہ کر اور جلد بازی سے کام لے کر کوئی غلط قدم نہیں اٹھانا چاہیے۔

اور اپنے مخالفین کو اصلاح حال کا آخر تک موقع دینا چاہیے۔ آپ
 نے بتایا کہ جب کسی گروہ سے تمہارا مقابلہ ہو تو پہلے اس کے سامنے
 اپنی برائت کرنے کی پوری کوشش کرو۔ اس پر اپنی بے گناہی ثابت
 کرو کہ شاید ان میں سے انصاف پسند لوگ تمہاری امداد پر کمر بستہ ہو جائیں
 اور اس طرح دشمن کی جماعت میں مچوٹ پڑ جائے اور اگر ایسا نہ ہو سکے
 تو کم از کم ان میں سے کچھ لوگ ظلم کرنے سے توبہ باز آجائیں۔ یہی وجہ ہے
 کہ آپ نے تقریباً ہر خطبے میں یہ ضرور فرمایا کہ میں تمہارے بلانے پر آیا
 ہوں اور اگر اب تم مجھے ناپسند کرتے ہو تو میں واپس جانے کو تیار ہوں
 اپنے آخری خطبے میں جو جنگ شروع ہونے سے قبل ارشاد فرمایا تھا،
 آپ نے دشمن کے سامنے اپنی شخصیت پر بھی روشنی ڈال دی کہ:-
 ”تم لوگ میرے نسب پر غور کرو۔۔۔۔۔“

رسول اللہ نے میرے بارے میں خبر دی ہے کہ میں نوجوانانِ جنت
 کا مردار ہوں۔۔۔۔۔

میں رسول اللہ کی بیٹی کا بیٹا ہوں۔۔۔۔۔

میں نے کبھی جھوٹ نہیں بولا۔۔۔۔۔

کسی کو قتل نہیں کیا۔۔۔۔۔

کسی کا مال نہیں دبا یا۔ پھر تم مجھے کس جرم میں قتل کرنا چاہتے ہو؟

حضرت امامؑ نے اپنے اس تاریخی خطبے میں ثابت کر دیا کہ آپ فطرت
 انسانی کے بہت بڑے نیامن اور علم البقیس کے بہت بڑے ماہر تھے
 آپ نے اس خطبے میں انسان کے نازک جذبات کو اپیل کرنے والا
 بڑا موثر انداز اختیار کیا اور اسی کا نتیجہ تھا کہ دشمن کی فوج کا ایک نامور
 سالار حمر بن یزید بھی چند آدمیوں کو ساتھ لے کر حضرت امامؑ سے آملا اور
 آپ کی طرف سے جنگ کرتا ہوا راہِ حق میں شہید ہو گیا۔ اس خطبے کے
 ذریعہ آپ نے ان لوگوں کی زبانیں بھی بند کر دیں جو یہ کہتے تھے کہ حسینؑ تو
 خود ہی آگ میں کودے تھے۔ انہوں نے تو خود ہی جنگ کی پہل کی تھی
 وہ تو خود ہی ہیر و بننے کے خواہشمند تھے۔ آپؑ نے اس خطبے کے ذریعہ
 سے ثابت کر دیا کہ وہ جنگ کی ابتدا کرنے والوں میں سے نہ تھے نہ ان
 میں ہیر و بننے کی خواہش تھی۔ اگر ایسا ہوتا تو اسی وقت جنگ شروع ہو جاتی
 جب یزید کے لشکر نے پہلی بار انہیں روکا تھا مگر انہوں نے آخر وقت تک
 جنگ سے پہلو نہ ہٹا کی اور غلط کار لوگوں کو سمجھانے کی کوشش کرتے
 رہے مگر جب نادان اور شر پسند لوگ کسی طرح راہِ راست پر نہ آئے تو انہوں
 نے اپنے گھوڑے کو ایڑ لگاٹی اور اپنی شمشیر صاعقہ بار کو دشمن کے سر
 پہ لہراتے ہوئے اس کی صفوں میں گھس گئے۔ کشتوں کے پتے
 لگا دیئے۔ بڑے بڑے سرکشوں کے سر اتار دیئے اور پھر خود بھی

مردانہ وار راہِ حق میں شہید ہو گئے تاکہ کئے والی نسل یہ نہ کہہ سکے کہ
 ان کا آخری خطبہ ان کے مرتبے سے گرا ہوا تھا اور وہ موت کے
 خوف سے لوگوں کو خدا کا واسطہ دے رہے تھے اگر دشمن کے ٹہری
 دل لشکر سے خائف ہونے کی وجہ سے وہ نرم روی پورا کر آئے ہوتے
 تو ان کی تیغ خوں آشام یزیدی لشکر کی کھوپڑیوں کے ٹکڑے اڑا دینے
 کے لئے بے نیام نہ ہوتی بلکہ وہ ابن زیاد کے ہاتھ پر بیعت کر لیتے۔
 اس صورت میں دنیوی جاہ و جلال اور زرد و جاہر کے انبار ان کے قدموں
 میں لگا دیئے جاتے مگر انہوں نے ایسا نہ کیا جو کچھ کیا ریگستان کو بلا کا ذرہ
 ذرہ اس کا گواہ ہے۔ پس اس سے یہ نتیجہ نکالنا غلط نہ ہوگا کہ حضرت
 امام نے اپنے مندرجہ بالا اور آخری خطبے میں جو نرمی اختیار کی وہ دشمن
 کے مقابلے میں عاجز آجانے کی وجہ سے نہ تھی بلکہ اس کی مصلحتی کے
 لئے تھی۔ اسے روزِ بد سے بچانے کے لئے تھی اور اس لئے تھی کہ
 مسلمانوں کی تلواریں مسلمان کہلانے والوں کا خون بہانے کے لئے
 بے نیام نہ ہوں۔

سائنس کربلا

ساختہ کر بلا

تاریخ عالم میں شاید ہی کوئی ایسی نظیر مل سکے کہ کسی قوم نے اپنے نبی کے نواسے اور اس کے اہل بیت کو اس بیدوی سے ذبح کیا ہو جس بے دردی سے حضرت امام حسینؑ اور آپ کے ساتھیوں کو کربلا کے میدان میں ذبح کیا گیا۔ اگر یہ واقعہ غیر مسلموں کے ہاتھ انجام پاتا تو شاید اس کی نوعیت اس قدر اندوہناک نہ ہوتی مگر سب سے زیادہ حیران کن اور غمناک بات یہ ہے کہ یہ لہذہ خیر واقعہ ان لوگوں کے ہاتھوں انجام پایا جو حسینؑ کے نانا کے نام لیا اور اس کے کلمہ گو تھے اور جنہیں یہ عظمت و اقتدار اور جاہ و جلال اسی مظلوم حسینؑ کے نانا کے طفیل حاصل ہوا تھا مگر اقتدار کی صولت و شوکت نے انہیں اندھا کر دیا۔

انہوں نے آل رسول کے ادب و احترام اور ان کے حقوق کو یکسر نظر انداز کر دیا اور رسول اللہ کے وصال کو بمشکل پچاس سال گزرنے پر اپنے محسن اعظم کی عشا کردہ تلوار لے کر اس کے نواسے پر جھپٹ پڑے اور اس بے ددی سے یورش کی کہ ظلم کے سنگ دل دیوتا کا جگر بھی پانی ہو کر بہ گیا۔ اس دروناک واقعے کی تفصیل بڑی ہی لہزہ خیز ہے۔

۹ محرم کی شب عبادت میں گزار کر، ارتداد کی صبح کو حضرت امام حسینؑ نے رکاب میں پیر رکھا اور آخرت کے اس سفر کے لئے تیار ہو گئے جس کا کھن راسخ شہادت کی خارزار وادیوں میں سے ہو کر گذرتا ہے۔ بہن بھائی کو اپنی آنکھوں کے سامنے موت کے منہ میں خانانہ دیکھ سکی اور فطر غم و اندوہ سے گریہ وزاری کرنے لگی حضرت امامؑ نے حضرت زینبؑ کو تسلی دی اور فرمایا کہ اے زینب! یہ ہے "اسے بہن! خدا پر نظر رکھو سب کو مرنا ہے اور ایک دن ایسا

سلاہ ابن اثیر کے بیان کے مطابق حضرت امامؑ نے یہ نصائح میدان جنگ کو روانہ ہوتے وقت نہیں فرمائیں بلکہ علی الصبح اپنی تلوار صاف کرتے ہوئے یہ ہدایات دے دیں تھیں لیکن بعض اور کتب میں روانگی کے وقت بیان کی گئی ہیں ہمارے خیال میں اس نصائح کا موقع میدان جنگ کو جلتے وقت ہی تھا اس لئے اسی موقع پر درج کی گئی ہیں درمغلف

آئے والہ ہے جب رفتے زمین پر خدا کے سوائے اور کوئی
 باقی نہ رہے گا مسلمانوں کے لئے رسول اللہ کی ذات گرامی
 قابل تقلید ہے تم بھی اس کی پیروی کرو تمہیں خدا کی قسم دیتا
 ہوں کہ میرے انتقال کے بعد رسول اللہ کے اسوہ حسنہ کی
 خلاف ورزی نہ کرنا۔ میرے لئے نہ گویاں چاک کرنا۔ نہ
 منہ نوچنا نہ وارہلا کرنا۔ (الکامل ابن اثیر جلد چہارم ص ۵)

ترتیب لشکر

بہن سے رخصت ہو کر حضرت امامؑ اپنے جان نثاروں کے پاس
 آئے جو ہتھیاروں سے مسلح اپنے آقا کے حکم کے منتظر تھے۔ آپ نے
 سب سے پہلے ان کی صفیں قائم کیں۔ مہینہ پر زہیر بن القین کو اور میسر پر
 حبیب ابن مظاہر کو امیر مقرر کیا اور علم حضرت عباسؑ بن علیؑ کو عطا فرمایا۔
 (تاریخ طبری جلد ششم ص ۲)

اس کے بعد آپ دشمن کے لشکر کے قریب آئے اور پیشتر اس
 سے کہ خدا کی زمین خدا کے بندوں کے خون سے لالہ زار ہو۔ ایک پڑاٹھ
 تقریب کے ذریعہ دشمن کو ظلم و ستم اور خوں ریزی سے باز رہنے کی تلقین
 کی۔ یہ تقریب سن کر دشمن کی صفوں میں ایک جانب جنبش ہوئی اور خید سوار
 گھوڑے دوڑاتے ہوئے حضرت امامؑ کی خدمت میں حاضر ہو گئے۔ یہ

حُرمینِ یزدیسی اور اس کے ساتھی تھے۔ حُرم نے حضرت امام کے سامنے
اپنے گزشتہ کردار پر سخت مذمت کا اظہار کیا۔ اور کہا کہ:۔۔۔
حُرم کا عہد وفا

اے ابنِ رسول اللہ! میں ہی وہ بد بخت النساء ہوں۔ جو
آپ کے راستے میں رکاوٹ بنا اور جس نے آپ کو واپس
نہ جانے دیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ آپ محصور کر دیے گئے۔
لیکن خدا کی قسم مجھے یہ نہ معلوم تھا کہ یہ لوگ آپ کی ساری
شرائط کو رد کر کے اس حد تک پہنچ جائیں گے۔ اگر مجھے یہ
معلوم ہوتا تو میں آپ کا راستہ کبھی نہ روکتا۔ میں اپنی غلطیوں
پر نادم ہوں اور اپنی جان آپ پر سے نثار کر لے کر لے
پیش کرتا ہوں۔ کیا میری توبہ قبول ہو جائے گی؟

حضرت امام حسینؑ حُرم کے اس بلندی کردار اور اس کے پاکیزہ
جنبات و خیالات سے بے حد متاثر ہوئے اور فرمایا کہ اللہ تعالیٰ
تمہاری توبہ ضرور قبول کرے گا تم دنیا و آخرت
دونوں میں حُر (یعنی آزاد) ہو گے۔ (تاریخ طبری جلد ہفتم ص ۳۳)
اس کے بعد حُرم نے کو فیوں کے سامنے نہایت بصیرت افروز
تقریر کی تاکہ وہ حضرت امام حسینؑ کے قتل سے باز آجائیں۔ انہوں نے کہا کہ۔۔۔

غز کا خطاب

”اے لوگو! حسیٹن نے تمہارے سامنے تین شرطیں پیش کیں۔
 تم ان میں سے کوئی ایک صورت قبول کر کے اپنے ہاتھوں کو
 ان کے خون میں آلودہ ہونے سے کیوں منہیں بچا لیتے پہلے
 تو تم نے انہیں اپنے ہاں بلایا جب وہ تمہاری دعوت پر
 آگئے تو تم ان کی حمایت سے دست کش ہو گئے اور اب
 انہیں قتل کرنا چاہتے ہو۔ تم نے ان کا محاصرہ کر کے اللہ
 تعالیٰ کی وسیع زمین کو ان پر تنگ کر دیا اور اب وہ اپنے
 اہل بیت کو لیکر کسی ٹپا من جگہ جا ہی منہیں سکتے۔ تم نے انہیں
 بالکل قیدی بنا رکھا ہے اور ان کے لئے فرات سے پانی
 لینا بھی ممنوع قرار دے دیا ہے حالانکہ یہ پانی یہودیوں عیسائیوں
 اور مجوسیوں پر بھی بند نہیں۔ سورا اور کتے تک اسے پیتے
 ہیں لیکن حسیٹن اور ان کے اہل بیت حالت تشنگی میں ٹپ
 رہے ہیں۔ تم نے رسول اللہ کی اولاد سے اچھا سلوک کیا، اگر
 تم نے اپنی ضد نہ چھوڑی تو یاد رکھو کہ حشر کے دن خداوند
 تعالیٰ تمہیں بھی پیاسہ رکھ کر تڑپائے گا۔“

راکال ابن اثیر جلد چہارم ص ۵۴-۵۵

مگر حر کی اس درد انگیز اور پرت تاثیر تقریر کا بھی دشمن پر کوئی اثر نہ ہوا۔
 تو یہ تمہیہ کر چکا تھا کہ یا تو ہم حسین سے یزید کی بیعت لیں گے یا انہیں
 قتل کر ڈالیں گے۔ چنانچہ جب حر اپنی تقریر ختم کر چکا تو عمرو بن سعد نے
 اپنی کمان کا چلہ چڑھایا اور کہا کہ ۔ لوگو! گواہ رہنا کہ حسین کی طرف
 سب سے پہلا تیر میں نے پھینکا ہے ۔ ایک تیر ہوا میں سنسنا تا ہوا
 اور حر کے قریب گویا یہ تھا جواب حر کی تقریر کا جوں سے چند سکند کے
 بعد ہی مل گیا ۔
 آغاز جنگ

اس کے بعد جنگ کا آغاز ہو گیا مگر ابتدا میں عربوں کے عام دستور کے
 مطابق دونوں طرف سے ایک ایک شخص نکلتا اور اپنا مد مقابل طلب کرتا
 سب سے پہلے یزیدی فوج حسین حوزہ نکلا اور پکارا کہ حسین کہاں ہیں
 میں ان کو دوزخ کی بشارت دیتا ہوں ۔ مگر پیشتر اس سے کہ حسین فوج
 سے کوئی مد مقابل نکلتا اس کا گھوڑا بدک گیا اور اس طرح گوا کہ ابن حوزہ
 اس کی پیٹھ کے ساتھ ٹٹک گیا ۔ پھر گھوڑا اٹھا اور بھاگنے لگا ۔ ابن
 حوزہ بھی ساتھ ساتھ زمین سے رگڑتا چلا جاتا تھا اسی طرح رگڑ رگڑ کر
 اس کا خاتمہ ہو گیا ۔

بیربر کی شہادت

ابن حمزہ کے بعد یزیدی لشکر کی طرف سے یزید بن معقل نکلا اور اپنے
مد مقابل کو طلب کیا، حضرت امام حسینؑ کی طرف سے بیربر بن خنیر مہدانی اس
کے مقابلے کے لئے نکلا۔ دونوں میں تلوار چلنے لگی۔ آخر حسینی مجاہد بیربر
کی تلوار سے یزیدی جنگ آزما کا کام تمام کر دیا۔ یزید بن معقل کے بعد
یزیدی لشکر کے ایک شخص رضی بن منذر نے آگے بڑھ کر بیربر پر وار کیا
مگر بیربر اس کا وار روک کر اس سے لپٹ گئے اور اٹھا کر دے مارا۔ پھر
اس کے سینے پر چڑھ گئے۔ یہ دیکھ کر یزید کی فوج کا ایک اور جنگ آنا
کعب بن جابر نیزہ لوتا آگے بڑھا اور بیربر پر پشت کی جانب سے
حملہ کیا۔ نیزہ ان کی پیٹھ میں لگا اور پار ہو گیا۔ بیربر اس حملے کی تاب نہ لا کر
گرو پڑے۔ اس کے بعد کعب نے تلوار مار کر بیربر کو شہید کر دیا۔ اس
طرح رضی بن منذر کی جان بچ گئی اور اس نے اٹھ کر کعب کا لشکر یہ ادا کیا۔

(تاریخ طبری جلد ششم ص ۱۳۷)

اس کے بعد حمزہ بن یزید بھی حضرت امام حسینؑ کے لشکر سے نکلے
اور اپنا مد مقابل طلب کیا۔ یزیدی لشکر سے یزید بن سفیان نکلا مگر حمزہ کے
ایک ہی وار میں ہلاک ہو گیا۔ اس کے بعد نافع بن ہلال حسینی لشکر سے
نکلے۔ یزیدی فوج سے مزاحم بن حریت مقابلے کیلئے آیا مگر یہ بھی نافع

کے ہاتھوں ہلاک ہو گیا۔

عام جنگ

چونکہ انفرادی جنگ میں حسینی فوج کا پابہ بھاری تھا اور یزیدی فوج کی طرف سے جو مقابلے کئے گئے نکلنا تھا ہلاک ہو جاتا تھا۔ اس لئے افواج یزیدی کے میمنہ کے سالار لشکر عمرو بن الحجاج نے عمرو بن سعد کو مشورہ دیا کہ اگر جنگ کا یہی انداز رہا تو تھوڑی دیر میں ہمارا صفایا ہو جائے گا۔ بہتر یہ ہے کہ حسینی اور ان کے ساتھیوں پر یکبارگی حملہ کر دیا جائے۔ ابن سعد نے ابن حجاج اس تجویز سے اتفاق کیا اور عمرو بن حجاج کو حکم دیا کہ تم اپنے دستے کو عام حملہ کرو۔

مسلم بن عوسجہ کی شہادت

چنانچہ ابن حجاج نے ایک بڑی جمیعت کے ساتھ دیائے فرات کے جانب سے لشکر حسین پر زبردست حملہ کیا اس جنگ میں مسطحی مہر حسینی نے یزید کے ٹڈی دل لشکر کے منہ پھیر دیئے اور وہ میدان سے ہٹ گیا۔ اس لڑائی میں حضرت حسین کے ایک بہت بڑے جان نثار مسلم بن عوسجہ اسدی شدید زخمی ہو گئے۔ جب حضرت امام حسین کو اس حادثے کا اطلاع ہوئی تو آپ اب نفس نفیس ان کے پاس تشریف لائے۔ اس وقت تک ان کی سانس چل رہی تھی۔ حضرت امام نے ان کا سر اٹھا کر گود میں رکھا۔

فرمایا کہ ”اے مسلم اللہ تم پر رحم کرے جس کا وقت آگیا ہے وہ تو رہا ہے اور جو باقی ہے وہ بھی وقت کا انتظار کر رہا ہے۔ تم اندیشہ نہ کرو ہم بھی عنقریب تم سے ملا چاہتے ہیں۔“ اس وقت جلیب بن مظاہر بھی زیب ہی کھڑے تھے مسلم نے انہیں مخاطب کر کے کہا کہ ”میں یہیں وصیت کرتا ہوں کہ میرے بعد حسینؑ پر سے اپنی جان فدا کرو دنیا اس کے بعد ان کی روح نفس عنصری سے پروا نہ کرے گی۔“

عبداللہ بن عمر الکلبی کی شہادت

اس کے بعد شمر ذی الجوشن نے اپنے دستے کو لے کر بائیں جانب سے حضرت حسینؑ کی فوج پر حملہ کیا۔ اس بازو پر حسینؑ سواروں کی تعداد بیس^(۳۴) سے زیادہ نہ تھی۔ مگر یہ قلیل تعداد بھی جس طرف رخ کرتی بہت سے مرتن سے اور بہت سے ہاتھ موڑ مصلوں سے جدا ہو جاتے، یہ دیکھ کر سوارانِ شام کے سالار عزہ بن قیس نے عمرو بن سعد کو پیغام بھیجا کہ حسینؑ کے مٹھی بھر سواروں نے ہمارا یہ حال کر دیا اگر جلد ہی کمک نہ آئی تو سب مارے جائیں گے اس لئے جلد امداد بھیجئے۔ ابن سعد نے پانچ سو سواروں کا ایک دستہ عزہ کی مدد کے لئے بھیجا اور ساتھ ہی حکم دیا کہ تیر اندازوں کا دستہ آگے آگے تیروں کی بارش کرتا چلے اور پیچھے پیچھے سواروں کا دستہ بڑھے چنانچہ یہ تدبیر کارگر ہوئی اور تیر اندازوں نے اس قدر

تیر مارے کہ حضرت امام حسینؑ کی فوج کے گھوڑے بیکار ہو گئے۔ مگر اس سے
 ان کے حوصلوں اور پامردی میں مطلق کمی نہ آئی اور وہ پیدل ہو کر لڑنے لگے
 دوپہر تک بڑی شدت سے جنگ جاری رہی اور بزدلی کی فوج کے بہت
 سے لوگ ہلاک اور زخمی ہوئے۔ حضرت حسینؑ کی فوج کے ایک بہادر
 عبداللہ بن عمر الکلبی اسی جنگ میں شہید ہوئے مگر مرتے مرتے بھی دشمن
 کے دواؤں میں ہلاک کر دیئے۔ (رحمۃ تاریخ طبری جلد ششم ص ۲۲۶)

جنگ سے اور زیادہ شدت اختیار کی اور حضرت حسینؑ کے ہمراہی
 دیوانہ وار حملے کرنے لگے۔ ان حملوں میں منج بن سم، عمرو بن خالد الصیداوی
 سعید بن خنظلہ تمیمی اور عمیر بن عبداللہ مذحجی شہید ہو گئے۔
 خیمے جلانے کی کوشش

جب حضرت امام حسینؑ کے مٹھی بھر ساتھیوں نے میدان جنگ سے
 پسپا ہونا کسی طرح گوارا نہ کیا تو بزدلی لشکر نے آپ کے ساتھیوں میں
 بد نظمی پیدا کرنے اور ان کی توجہ جنگ سے ہٹانے کے لئے ایک چال
 چلی یعنی عمرو بن سعد اور شمر نے باہمی مشورے کے بعد طے کیا کہ
 حضرت حسینؑ کے خیمے تدارقش کر دیئے جائیں۔ ان خیموں پر صرف
 چار آدمی متعین تھے مگر اسی قلت تعداد کے باوجود جب شمر
 کی قیادت میں بزدلی فوج کا ایک دستہ حسینی خیموں میں آگ لگانے کے

لئے بڑھا تو ان چاروں نے یک جا ہو کر بڑی شدت سے حملہ کیا۔ اس
ثناء میں حضرت امام حسینؑ نے زہیر بن القین کی سرکردگی میں سب دمیوں
کو ایک دستہ خیموں کی حفاظت کے لئے بھیجا۔ اس دستے نے شمر اور
اس کے ساتھیوں کے چھکے چھڑا دیئے۔ شمر کے دستہ کا ایک شخص ابو عروہ
نسبانی اس جنگ میں مارا گیا اور دشمن میدان سے فرار ہو گیا۔

(تاریخ طبری جلد ششم ص ۲۵۱)

اس ناکامی کی وجہ یہ تھی کہ حضرت امام حسینؑ نے اپنے خیموں کی ترتیب
کچھ اس طرح رکھی تھی کہ جب دشمن ان کی طرف بڑھتا تھا تو ان خیموں کے
محافظ خود نو آڑ ہیں آ جلتے تھے اور حملہ آور سامنے ہو جاتے تھے۔ اس

طرح انہیں سخت نقصان اٹھانا پڑتا تھا۔

حلبیب بن مظاہر کی شہادت

اسی دوران میں نماز ظہر کا وقت آگیا اور حضرت امامؑ نے اپنے
ساتھیوں سے فرمایا کہ۔ شامیوں سے کہو کہ ہم لوگ نماز پڑھنا چاہتے
ہیں اس لئے کچھ بڑھک جنگ ملتوی کر دیں۔ حلبیب بن مظاہر نے حضرت
امامؑ کا یہ پیغام شامی فوج کو پہنچا دیا۔ شامی فوج کے ایک سردار حبیب
بن زہیر نے کہا کہ تم لوگوں کی نماز قبول نہ ہوگی۔ ابن مظاہر یہ سن کر غضبناک
ہو گئے اور بولے کہ اے شرابی! تیری تو نماز قبول ہو جائے گی مگر

ابن رسول اللہ کی نماز قبول نہ ہوگی۔ ابن نمیر ان الفاظ سے مشتعل ہو گیا اور اس نے تلوار کھینچ کر ابن مظاہر پر حملہ کر دیا۔ ابن مظاہر نے اس کا واروہ کر ایسا حملہ کیا کہ اس کے گھوڑے کے منہ پر پڑا اور وہ بلبلا کر اپنے پچھلے پیروں پر کھڑا ہو گیا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ابن نمیر زمین پر آکر ہانگہ شامیوں نے دوڑ کر اسے اٹھایا۔ اس طرح وہ ابن مظاہر کے ہاتھ سے بچ گیا۔ اس کے بعد ابن نمیر کے ساتھیوں نے تلواریں سونت کر ابن مظاہر پر حملہ کر دیا۔ ان حملہ آوروں میں بدریل بن حمیم بھی تھا جو بڑا پہلوان سمجھا جاتا تھا مگر ابن مظاہر کے ایک ہی وار میں اس کا کام تمام ہو گیا۔ یہ دیکھ کر شامی فوج کے ایک شخص نے ابن مظاہر پر وار کیا جس سے تھلا کر وہ زمین پر گر پڑے اور حبیب بن نمیر نے آگے بڑھ کر ان کو شہید کر دیا اور پھر ان کے سر کو یزیدی لشکر میں گھمایا گیا۔
(تاریخ طبری جلد ششم ص ۲۵۲)

حزبن یزیدی کی شہادت

حبیب ابن مظاہر کی شہادت نے حضرت امام حسینؑ اور آپ کے اصحاب میں ایک عجیب جوش و خروش پیدا کر دیا۔ حزبن یزیدی ریاحی ضبط نہ کر سکے اور یہ شعر پڑھتے ہوئے میدان میں آگئے۔
الیت لا اقتل حتی اقتلا
ولن اصاب الیوم الامقبلا
”میں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ حبیب تک دشمنوں کو ہلاک نہ کر دوں“

ضربہم بالسيف ضربا مفصلا قتل نہ ہوں گا اور اس وقت تک

انا کلا عنہم ولا محصلا قتل نہ ہوں گا جب تک کہ دشمن

کی طرف پیش قدمی نہ کر لوں۔ آج

میں شمشیر زنی کروں گا۔ ایسی شمشیر زنی جو فیصلہ کن ثابت ہوگی۔ میں پیچھے نہ ہٹوں گا اور نہ کمزوری دکھاؤں گا۔

حمزہ بڑے بہادر اور فنون جنگ کے ماہر تھے۔ ان کی مہارت فن کا

اندازہ کرنے کے لئے یہ امر کافی ہے کہ وہ افواج یزید میں ایک اویسے

عہدے پر فائز تھے۔ چنانچہ جب وہ حضرت امام حسینؑ کی طرف سے

میدان جنگ میں آئے تو اس موقع پر بھی انہوں نے اپنی عسکری مہارت

کے حیران کن مظاہرے کئے۔ گذشتہ صفحات میں ذکر ہو چکا ہے کہ جب

انفرادی جنگ شروع ہوئی اور تیریہ شہید ہو گئے تو حرؑ غضبناک ہو کر میدان

میں نکلے اور اپنا مد مقابل طلب کیا۔ اس پر دشمن کی فوج سے یزید بن

سفیان نکلا اور حرؑ کے ایک ہی وار میں ہلاک ہو گیا۔ اس کے بعد نماز ظہر سے

کچھ قبل جب فریقین نے ایک دوسرے پر نہایت شدت سے حملہ کیا

اور ہولناک جنگ شروع ہوئی تو اس موقع پر بھی حرؑ نے غیر معمولی شجاعت

کا ثبوت دیا اور دشمن کے بہت سے افراد ان کے ہاتھوں

ہلاکے مجروح ہوئے ان دونوں مواقع پر ان کے گھوڑے زخمی ہو گئے مگر خود
 انہیں کوئی گزند نہ پہونچا۔ اس کے بعد میلر اور آخری موقع جب ان
 کی تلوار بے نیام ہوئی وہ تھا جب ابن مظاہر شہید کر دیئے گئے۔ وہ
 تلوار بے کردشت کی صفوں میں گھس گئے اور عجیب جوش و خروش سے
 شمشیر زنی کرنے لگے۔ کئی بار انہیں نرغے میں لے کر شہید کرنے کی
 کوشش کی گئی مگر وہ ہر بار نرغہ کر لے والوں کو ہلاک اور زخمی کرتے
 ہوئے نرغہ توڑ کر نکل جاتے۔ آخر ایک موقع پر وہ پیادوں کے ایک
 سخت نرغے میں گھر گئے اور داد شجاعت دیتے ہوئے شہید ہو گئے
 (تاریخ طبری جلد ششم ص ۲۵۲)

حضرت امام ان کی لاش پر تشریف لائے۔ آپ ان کے چہرے سے
 گرد و غبار اور خون پونچھتے جاتے تھے اور فرماتے جاتے تھے کہ لا یر
 تو حر ہے۔ نیری ماں نے تیرا نام حر نہایت صحیح تجویز کیا تھا تو دنیا میں بھی
 حر رہی یعنی آزاد ہے اور عقبنی میں بھی حر ہی ہو گا۔ حر کی شہادت سے
 متاثر ہو کر ان کا غلام عروہ جو ابھی تک ابن سعد کے لشکر میں تھا گھوڑے سے
 اڑدے کر حضرت امام کے لشکر میں آگیا اور اپنے آقا کے خون کا انتقام لینے
 کے لئے فوج یزید پر ٹوٹ پڑا۔ دیر تک نہایت پامردی سے جنگ
 کرنے کے بعد یہ بھی شہید ہو گیا۔

زمیر بن القین کی شہادت

حبيب بن مظاهر اور حرب بن زید ریاحی کی طرح زمیر بن القین بھی حضرت امام کے نہایت مخمس اور الواعزم ساتھیوں میں سے تھے۔ جس وقت حرمیدان میں نکلے اسی وقت زمیر نے بھی اپنا گھوڑا بڑھایا اور ان کے ساتھ مل کر جنگ کرنے لگے۔ دشمن کا زوران کی نسبت حرم کی طرف زیادہ تھا اور وہ بار بار انہیں نرسے میں لے لیتا تھا۔ اس موقع پر بھی زمیر ان کی مدافعت کے لئے آتے تھے۔ باہر سے زمیر اور اندر سے حرب بے جگری سے حملے کرتے تھے اور دشمن کے نرسے کو توڑنے میں کامیاب ہو جاتے تھے لیکن حیب حرم کا وقت آگیا تو زمیر کی کوشش کے باوجود وہ دشمن کے قبضے سے نہ نکل سکے اور منصب شہادت پر فائز ہوئے۔ اس واقعے کے بعد حضرت امام نے زمیر اور سعید بن عبد اللہ حنفی کو چند آدمیوں کے ساتھ گے بڑھایا اور خود نماز خوف ادا کی اس کے قتل ہی ہی دیو بن زمیر بن القین واد شجاعیت دیتے ہوئے شہید ہو گئے۔ ان کے قاتلوں میں دو آدمیوں کے نام ملتے ہیں۔ کثیر بن عبد اللہ شعبی اور مہاجر بن اوس۔ (تاریخ بلبری جلد ششم ص ۲۵۳-۲۵۲)

عمر بن قریظہ کی شہادت

زمیر کی شہادت کے بعد دشمن کے حوصلے بڑھ گئے اور انہوں نے

اپنے حملوں کا رخ حضرت امام حسین کی طرف پھیر دیا تاکہ یلغار کر کے انہیں جلد سے جلد شہید کر دیں۔ یہ دیکھ کر آپ کے جاں نثاروں نے آپ کے چاروں طرف حلقہ بنالیا تاکہ دشمن کے حملے آپ کو کوئی گزند نہ پہونچا سکیں۔ انہیں جاں نثاروں میں عمرو بن قرظہ بھی تھے یہ آپ کے سامنے کھڑے ہو گئے اور دشمن کی طرف سے آنے والے تیروں کو اپنے جسم پر روکے۔ آخر شیخ امامت کو گل ہونے سے جان کی کوشش میں ان کا سارا جسم تیروں سے پھیلنے ہو گیا اور وہ زخموں سے مذہال ہو کر گر پڑے۔ چند سکند کے بعد روح قفسِ عنصری سے پرواز کر گئی۔

(تاریخ طبری جلد ششم و البصار العین ص ۹)

نافع بن ہلال حملی کی شہادت

ابن قریظہ کی شہادت نے ان کے چھوٹے بھائی علی بن قریظہ کو مشتعل کر دیا۔ علی ابن سعد کے لشکر میں تھا اور جب عمرو شہید ہو گئے تو وہ میدان میں آیا اور حضرت امام حسین کو مخاطب کر کے بولا کہ "تم نے میرے بھائی کو پہلے گمراہ کیا اور پھر اسے قتل کر دیا۔" یہ سن کر حضرت حسین نے فرمایا کہ "خدا کے تیرے بھائی کو گمراہی میں مبتلا نہیں کیا بلکہ اسے ہدایت عطا کی۔ البتہ تم نے گمراہی میں مبتلا کر دیا۔" یہ سن کر علی بن قریظہ بے قابو ہو گیا اور کہنے لگا کہ "اب یا تو میں تمہیں قتل کر دوں گا یا خود قتل ہو جاؤں گا۔" یہ کہہ کر اس نے

حضرت حبیش پر حملہ کیا مگر آپ کے ایک جاں نثار نافع بن ہلال درمیان میں آگئے اور نیزے کا ایسا وار کیا کہ علی بن قرقطہ زمین پر پوٹنے لگا مگر بعد کو لمبی امداد پہنچ جانے سے ہلاک ہونے سے بچ گیا۔ اس کے بعد ابن سعد کے لشکر سے مزاحم بن حریش نکلا اور نافع کے ایک ہی وار سے ہلاک ہو گیا۔ (تاریخ طبری جلد ششم ص ۲۲۹)

اس کے بعد جنگ نے اور زیادہ شدت اختیار کی اور یزیدی لشکر نے تیروں کا مہینہ بوسا نا شروع کر دیا۔ ادھر سے نافع نے جو بڑے تیر انداز تھے تیر باری شروع کر دی۔ ان کے تیر زہریں کھجے ہوئے تھے۔ اس لئے جس کے لگتے اس کے حق میں پیغام اجل ثابت ہوتے۔ نافع کے تیروں سے جاؤ آدمی تیر انداز جنگ ہی میں ہلاک ہو گئے مگر لڑتے لڑتے ان کے بھی بازو پھٹ کر ہو گئے۔ آخر گرفتار کر کے ابن سعد کے سامنے پیش کئے گئے۔ اس موقع پر انہوں نے کمال جرات و بیباکی کا مظاہرہ کیا۔ جب ابن سعد نے ان سے پوچھا کہ اے نافع تم نے اپنے نفس کے ساتھ یہ ظلم کیوں کیا؟ تو نافع نے بڑی مروا نگی سے جواب دیا کہ میرے دل کا حال خدا کو معلوم ہے۔ میں نے تمہارے بارہ آدمیوں کو قتل کیا ہے اور زخمی ہونے والوں کی تعداد ان کے علاوہ ہے۔ اگر میرے بازو بے کار نہ ہو جاتے تو تم ہرگز مجھے گرفتار نہ کر سکتے تھے۔ یہ سن کر عمر آجے

سے باہر ہو گیا اور انہیں شہید کرنے کے ارادے سے تلوار کھینچی۔ یہ دیکھ کر
کرنافع نے اسے مخاطب کرتے ہوئے کہا کہ :-

”خدا کی قسم! اگر تو مسلمان ہوتا تو مجھ کو یہ امر شاق ہوتا کہ اللہ
تعالیٰ کے رو برو ہمارے خون کے ساتھ جاتا لیکن اللہ
تعالیٰ کا شکر ہے کہ اس نے ہماری موت بدترین خلالتی
کے ہاتھ پر لکھی ہے۔“

شمر نو پہلے ہی مشغول تھا۔ نافع کے ان الفاظ نے جلتی پوتیل کا کام کیا
اور اس نے تلوار مار کر نافع کو شہید کر دیا۔ (تاریخ طبری جلد ششم ص ۲۵۳)
عالمس بن ابی شیبہ کی شہادت

نافع کے بعد سوزب بن عبداللہ نے جام شہادت نوش کیا اور ان
کے بعد عالمس بن ابی شیبہ شاکری نے حضرت امام کی خدمت میں حاضر ہو کر
اذن جنگ طلب کیا اور کہا کہ :-

”خدا کی قسم دنیا میں آپ سے زیادہ مجھے اور کوئی عزیز نہیں
ہے، اگر اپنی جان سے زیادہ کوئی اور چیز جو مجھے محبوب ہوتی تو
میں اسے آپ پر سے نثار کر دیتا، اب میرے پاس یہی
جان ہے، اسے نثار کرنے کی اجازت دیجئے۔“

حضرت حسینؑ نے اجازت سے کر عالمس دشمن کی طرف بڑھے اور اسے

ان الفاظ میں چیلنج کیا کہ :-

”کیا تم میں کوئی مرد ایسا ہے جو اس مرد کے مد مقابل ہو گا؟“
عالمیں بڑے بہادر اور فن حرب کے ماہر تھے اور متعدد جنگوں میں دُشمنانِ
دوے چکے تھے۔ اس لئے افواجِ یزید کے لوگ ان کے مقابلے پر
نکلنے ہوئے چھکچھاتے تھے۔ آخر انہوں نے عالمیں پر پتھر پھینکنا شروع کر دیئے
یہ دیکھ کر عالمیں شیر کی طرح جھپٹے اور صفوں میں گھس گئے۔ ان کی تلوار سے
بہت سے لوگ ہلاک اور زخمی ہوئے۔ کچھ دیر کے بعد وہ خود بھی شہید
ہو گئے۔
رتنا رنج بلری جلد ششم ص ۱۵۴

غفاری نوجوانوں کی شہادت

جوں جوں حضرت امامؑ کے ساتھ شہید ہونے جا رہے تھے آپ
کے جاں نثاروں کا ذوقِ شہادت اسی قدر شدت اختیار کرتا جا رہا تھا اب
قبیلہ غفار کے دو نوجوان عبداللہ بن عرزہ اور عبدالرحمن بن عرزہ حضرت امامؑ
کی خدمت میں حاضر ہوئے اور زحمتِ جنگ طلب کی۔ آپؑ نے
اجازت عطا فرمائی اور یہ دو نوجوان رجز پڑھتے ہوئے میدان میں آ گئے
ان دو نوجوانوں کی حیثیت النساءوں کے مٹا ٹھیس مارتے ہوئے سمندر
میں دو قطروں کی تھی بگرا انہوں نے کمال شجاعت کا مظاہرہ کیا۔ اور

۱۔ بعض کتب میں ان نوجوانوں کی ولایت ”عروہ“ درج ہے (مؤلف)

بڑی بے جگری سے جنگ کرتے ہوئے شہید ہو گئے۔ رجبری جلد ششم ۵۳
حفظہ کی شہادت

اب حفظہ بن اسعد شامی میدان میں آئے مگر حملہ آور ہونے سے پیٹے
انہوں نے دشمن کو سمجھانے کی ایک اور کوشش کی۔ یہ کوشش مندرجہ
ذیل تقریر کی عودت میں تھی۔

”اے لوگو! مجھے خوف ہے کہ تم پر یوم اہزاب کی طرح عذاب
نہ آجائے جیسے قوم نوح و عاد و ثمود پر آیا تھا اور اللہ تعالیٰ
اپنے بندوں پر ظلم پسند نہیں کرتا۔

اے لوگو! مجھے روز قیامت کا خوف ہے جس دن تم
اللہ تعالیٰ کا مقابلہ نہ کر سکو گے زعم کو خدا کے سوائے اور کوئی
بچانے والا نہیں ہے اور جس شخص کو اللہ تعالیٰ گمراہ کرتا ہے
اس کا کوئی ہادی نہیں۔

اے لوگو! تم حسنین کو قتل نہ کرو ورنہ اللہ تعالیٰ عذاب
کے ذریعہ سے تمہاری نینغ کنی کر دے گا اور جو شخص اللہ
تعالیٰ پر اقرار کرے گا وہ خائب و خاسر ہو گا۔“

حفظہ کی تقریر کا کسی نے کوئی جواب نہ دیا۔ البتہ حضرت امام حسن
نے فرمایا کہ :-

”اے حنظلہ! اللہ تعالیٰ تم پر رحم کرے یہاں لوگ اسی وقت سے مستحق عذاب ہو چکے ہیں جب میں نے ان کو حق کی طرف بلایا اور یہاں لوگ اس کی مخالفت پر اٹھ کھڑے ہوئے۔ پہرا ب یہ کلمہ حق پر کیسے عمل کریں گے جب کہ تمہارے نیک بھائیوں کو قتل کر چکے ہیں۔“

اس کے بعد حنظلہ تلوار لہراتے ہوئے دشمن کی طرف بڑھے اور قتال کرتے ہوئے شہید ہو گئے۔ (تاریخ طبری جلد ششم ص ۲۵)

بعض اور شہداء

حنظلہ کے بعد حضرت امامؑ کے جن جاں نثا دوں نے جام شہادت نوش کیا ان میں سیف بن حارث، مالک بن عبد۔ ابوصامہ عماردی۔ انس بن حارث اسدی۔ حجاج بن مسروق۔ سالم بن عمرو بن عبداللہ سعد۔ بن حارث۔ یزید بن شبط العبدی۔ رافع بن عبداللہ اور سوید بن عمرو بن ابی المطاع وغیرہم شامل ہیں۔ ان حضرات کے ساتھ ہی حضرت امامؑ کے وہ تمام جاں نثار شہید ہو گئے جنہوں نے آپ کی نصرت کے لئے اپنی جانیں پیش کرنے کا عہد کیا تھا۔ اب بنو ہاشم کی باری بختی اور خاندان بنو ہاشم میں سے جو شخص سب سے پہلے میدان میں نکلا وہ علی اکبرؑ تھے۔

علی اکبرؑ کی شہادت

علی اکبرؑ حضرت امام حسینؑ کے عاصی خنجر اوسے اور آپ کی زوجہ سیدہ بنت ابی مرہ بن عروہ کے لطن سے تھے۔ واقعہ کربلا کے وقت ان کی عمر پچیس سال کی تھی۔ عام طور سے کتابوں میں اٹھارہ سال درج ہے جو درست نہیں ہے، ان کی شکل و شباہت رسول اللہؐ سے بہت ملتی جلتی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ جب یہ میدان میں جانے لگے تو حضرت امام حسینؑ نے فرمایا کہ:

”اے مولا کریم آپ گواہ رہیں کہ ان لوگوں کے ظلم و ستم کا نشانہ اب وہ شخص بن رہا ہے جو شکل و صورت اور کردار و گفتار میں آپ کے نبیؐ سے مشابہت رکھتا ہے۔“

اس کے بعد آپؐ نے انہیں اپنا گھوڑا جس کا نام ”لاحق“ تھا عطا فرمایا اور یہ اس پر سوار ہو کر جزیرہ پڑھتے ہوئے میدان میں گئے۔ اس ہاشمی نوجوان نے جس شجاعت سے جنگ کی اس کی نظیر کربلا کی تاریخ میں کم ملتی ہے۔ پہلے ہی حملے میں انہوں نے دشمن کے متعدد جنگ آفرین ہلاک کر دیئے اور پھر واپس آ گئے۔ دوسری بار پھر حملہ کیا مگر اس بار ان کی شہادت مقدر ہو چکی تھی۔ اس لئے جب یہ جنگ کرتے ہوئے

دشمن کی صفوں میں گھس گئے تو یزیدی فوج کے ایک شخص مرو بن منقذ نے جو پہلے سے گھات میں تھا تاکہ کرنیزہ مارا جو پشت میں لگا اور پار ہو گیا حضرت علی اکبر گھوڑے سے نیچے گر پڑے اور دشمن نے یلغار کر کے آپ کو شہید کر دیا۔ آل ابی طالب میں آپ پہلے شخص تھے جو میدان کربلا میں شہید ہوئے۔ (اعیان الشیعہ جلد دوم ص ۲۳۷)

محمد بن عبداللہ بن جعفر کی شہادت

حضرت علی اکبر کے بعد عبداللہ بن مسلم بن عقیل، پھر جعفر بن عقیل۔ ان کے بعد عبدالرحمن بن عقیل، پھر عون بن عقیل۔ ان کے بعد علی بن عقیل، پھر جعفر بن محمد بن عقیل حضرت امام حسین کی طرف سے میدان میں آئے اور بڑی بہادری سے جنگ کرتے ہوئے شہید ہو گئے۔ جعفر بن محمد بن عقیل کے بعد حضرت عبداللہ بن جعفر بن ابی طالب کے فرزند محمد فرخ شہادت دادا کرنے کے لئے نکلے یہ وہی محمد ہیں جنہیں حضرت عبداللہ بن جعفر نے حاکم مدینہ سے حضرت امام کے لئے پروانہ امن حاصل کر کے دیا تھا اور ہدایت کی تھی کہ حسین کو پہونچا دو۔ اس وقت حضرت امام مکتہ سے کوہ روانہ ہو چکے تھے اس لئے حضرت عبداللہ بن جعفر کے فرزند محمد اور عون نے راستے میں یہ پروانہ دیا مگر جب آپ نے واپس ہونے سے انکار کیا اور ان دونوں نے جواب دیا کہ اب جعفر کو اس کی اطلاع دی تو انہوں نے عون و محمد کو ہدایت کی کہ اچھا پھر

تم حسینؑ کے ساتھ روانہ ہو جاؤ۔ چنانچہ یہ دونوں آخر وقت تک حضرت امام
 کے ساتھ رہے تا آنکہ وہ گھڑی آپہنچی جس کے لئے انہوں نے مکر سے
 نہشت سفر باندھا تھا۔ سب سے پہلے محمد زہر پڑھتے ہوئے میدان میں
 آئے اور دشمن کے دس آدمی ہلاک کر کے شہید ہو گئے۔ پھر عون میدان
 میں نکلے اور جو ہر شمشیر زنی دکھانے کے بعد عبداللہ بن قتبہ طائی کے ہاتھوں
 شہید ہو گئے۔ محمد حسن شخص کی تلوار سے جان بحق ہوئے اس کا نام عامر بن
 نہشل بنتی ہے۔
 (تاریخ طبری جلد ششم ص ۲۵۶)

حضرت قاسمؑ کی شہادت

حضرت قاسمؑ سیدنا حضرت امام حسنؑ کے صاحبزادے اور حسن و جمال میں
 بے نظیر تھے۔ واقعہ کو باکے وقت نوجوان تھے۔ حضرت امام حسینؑ ان سے
 بہت محبت فرماتے تھے اور ایک روایت کے مطابق میدان جنگ
 کو بھیجنے میں مذہب سے تھے مگر حضرت قاسمؑ کے اصرار سے مجبور ہو کر اجازت
 عطا فرمادی۔ حضرت قاسمؑ یہ زہر پڑھتے ہوئے میدان میں گئے کہ :
 ”اگر مہینے معلوم نہ ہو تو اب جان لو کہ میں حسنؑ کا
 بیٹا اور نواسہ رسولؐ ہوں۔ کیا ستم ہے کہ تم نے
 حسینؑ کو قیدی کی طرح محصور کر لیا ہے۔ خدا اس
 جماعت کو ایمر باران سے محروم رکھے۔“

اس کے بعد انہوں نے فوج دشمن پر حملہ کر دیا اور کچھ دیر تک خون یز
جنگ کرنے کے بعد عمرو بن سعد بن نفیل ازوی کے ہاتھ سے شہید ہو گئے۔
(تاریخ طبری جلد ششم ص ۱)

محمد الاوسط کی شہادت

حضرت قاسمؓ کے بعد ابو بکر بن حسنؓ حضرت امامؓ کی طرف سے جنگ
کرنے نکلے اور آپؓ پر سے اپنی جان فدا کر دی۔ ان کے بعد حضرت علیؓ کے
صحابہ سے اور حضرت امام حسینؓ کے بھائی محمد الاوسط جو امامہ بنت ابی العاص
کے بطن سے تھے میدان میں آئے اور فوج دشمن کے
بہت سے افراد کو قتل کرنے کے بعد شہید ہو گئے۔ ایک روایت کے
مطابق قبیلہ ابان بن دارم کے ایک شخص نے تیر مار کر انہیں شہید کر دیا اور ان
کا سر کاٹ کر ابن سعد کے سامنے پیش کر دیا۔ (تاریخ طبری جلد ششم ص ۲۵)

عبداللہ بن علیؓ کی شہادت

محمد الاوسط کے بعد حضرت علیؓ کے دوسرے فرزند عبداللہ جو امام البنین
کے بطن سے تھے شہید ہو گئے۔ عبداللہ اور ان کے نین دوسرے بھائی
عباس بن علیؓ عثمان بن علیؓ اور جعفر بن علیؓ شمر ذی الجوشن کے بھانجے
تھے۔ اس لئے جب ابن زیاد نے اسے عمر بن سعد کے نام تہدید می فرمان
دے کر روانہ ہونے کا حکم دیا تو اس نے ابن زیاد سے کہا کہ میرے بھانجے

حسین کے ہمراہ میدان کربلا میں آگئے ہیں۔ آپ ان کے لئے امان کا فرمان لکھ دیں چنانچہ ان زیادہ سے ستمگر کی درخواست پر ان چاروں بھائیوں کے لئے امان نامہ لکھ دیا کہ بلا پہنچ کر ستم کرنے ان چاروں کو بلایا اور ان سے کہا کہ میں نے تمہارے لئے امیر سے امان حاصل کر لی ہے مگر ان غیرت دار بھائیوں نے نہایت بے باکی سے اس کی امان کو یہ کہہ کر ٹھکرا دیا کہ "خدا کی لعنت ہو تجھ پر اور تیری امان پر کہ ہمیں تو امان دیتا ہے اور نواسۂ رسول کو ذبح کرنے کے درپے ہے۔"

(تاریخ طبری جلد ششم ص ۲۳۷)

واقعہ شہادت کے وقت ان کی عمر پچیس سال محقق بڑی شجاعت سے جنگ کی اور ہانی بن ثابت حضرمی کے ہاتھ سے جام شہادت نوش کیا۔ ان کے بعد ان کے بھائی عثمان بن علی جنگ کے لئے نکلے شہادت کے وقت ان کی عمر تیس سال محقق بنی بن ہبید اصبہی نے تیرا کر انہیں شہید کر دیا اور قبیلہ بنی ابان بن وادم کے ایک شخص نے ان کا سر کاٹ لیا۔

(تاریخ طبری جلد ششم ص ۲۵۷)

حضرت عباسؓ کی شہادت

عثمان بن علیؓ کے بعد حضرت عباسؓ نے شہادت پائی اور ان کے بعد ان کے نسب سے بڑے بھائی حضرت عباسؓ جو عباس علم دار کے نام سے

یہ مشہور ہیں۔ میدان میں نکلے۔ تاریخ کربلا میں حضرت عباسؓ کا کردار حضرت امام حسینؓ کے بعد سب سے زیادہ نمایاں نظر آتا ہے اور اپنی موجودگی کا احساس جتنی مرتبہ انہوں نے کر پایا ہے اتنا کسی اور نے نہیں کر پایا۔ جب حضرت امامؓ اور آپ کے ساتھیوں پر پانی بند کیا گیا تو یہی حضرت عباسؓ ایک دستہ لے کر فرات پر گئے اور دشمن کی زبردست مزاحمت کے بعد پانی لانے میں کامیاب ہو گئے۔ دشمن سے آخری اور دو ٹوک کشمکش کے بعد ایک شب کی مہلت لینے کا واقعہ بھی انہیں سے ظہور میں آیا۔ واقعہ کربلا کی صبح کو فوج کی ترتیب کے وقت حضرت امامؓ نے انہیں کو علم عطا فرمایا۔ اور حضرت امامؓ کی طرف سے جس شخص نے سب سے آخر میں جنگ کرنے کے اپنی جان نثار کی وہ بھی یہی حضرت عباسؓ تھے۔ ان میں ہذا شہم کی بہت سی خصوصیات جمع ہو گئی تھیں۔ حسن و جمال میں شہرہ آفاق تھے۔ نہایت وحیہ اور دراز قد تھے۔ بڑے شجاع اور فصیح و بلیغ تھے۔ دین داری اور تقویٰ کے اعتبار سے نہایت ممتاز حیثیت کے حامل تھے ان کی بہادری اور استقلال کا یہ عالم تھا کہ جب انہوں نے دیکھا کہ حضرت امامؓ کی حفاظت کرنے والوں میں سے سوائے ان کے اور کوئی باقی نہیں رہا ہے اور پرچم حسینؓ کو بلند رکھنا ان کا فرض ہے تو یہ دیوانہ وار میدان میں نکلے اور عجیب و اہانہ جوش و خروش سے جنگ کرنے لگے۔ جب حکیم بن طفیل طائی نے

تو اہل کربلا کا دایاں ہاتھ قطع کر دیا تو انہوں نے علم کو گرنے نہ دیا اور اسے
 بائیں ہاتھ سے پکڑ لیا۔ یہ دیکھ کر زید بن ورقاء جہنی نے آگے بڑھ کر تلوار
 کی ضرب سے بایاں ہاتھ بھی کاٹ دیا۔ مگر فوراً انہوں نے علم کو
 سینے کے ساتھ لگا لیا۔ آخر قبیلہ بنو تمیم کے ایک بد بخت نے سر پر
 وار کر کے اس محافظ شمع امامت کو گل کر دیا۔ ایک دوسری روایت
 کے مطابق حضرت امام حسینؑ پیاس سے بے تاب ہو کر حضرت عباسؑ
 کے ہمراہ فرات کی طرف روانہ ہو گئے۔ یہ دیکھ کر دشمن نے حضرت عباسؑ
 کو نرنے میں لے لیا تاکہ حضرت امامؑ سے الگ کر لیں اور وہ اسی حالت میں
 بڑی بہادری سے جنگ کرتے ہوئے زید بن ورقاء جہنی اور حکیم بن طفیل
 کے ہاتھوں شہید ہو گئے۔ (ایمان الشیعہ جلد چہارم ص ۲۴۴)

شہادتِ عظیمہ

اب خانوادہ رسولؐ کے صرف دو نام لیوایا باقی رہ گئے تھے۔ ایک
 نوچھے میں علیؑ بن حسینؑ اور دوسرے میدان جنگ میں حسینؑ بن علیؑ
 یہ تاریخ اسلام کا نازک ترین وقت تھا۔ وہ عظیم المرتبت ہستی جو رسول اسلامؐ
 اور پیغمبر امنؐ ہو کر مبعوث ہوئی تھی اور جس نے تمام عمر آزادی، انصاف
 اور قیام امن کے لئے عظیم جدوجہد کی آج اسی نبی کی امت

۱۔ نام لیوا سے مراد بالغ مرد ہیں (مؤلف)

اسی کے خاندان کے ایک ایک فرد کو چن چن کر قتل کر چکی تھی اور اب اس
 کے نواسے کے خون کی پیاسی ہو رہی تھی اور خاندان رسول کا یہ رکن اسے
 یہ نواسہ رسول اپنے جد کے دین کی حرمت پہلنے کے لئے اپنے خاندان
 کو بھیٹ چڑھا کر اب خود بھی یکہ تنہا ہونے کے باوجود موت کو مر جاکھتا
 ہوا مردانہ وار بڑھ رہا تھا اور دشمن ہر طرف سے ملنگا کر رہا تھا تاکہ خاندان
 نبوت کی اس نشانی کو بھی صفحہ ہستی سے مٹا دے۔ باوجودیکہ حضرت امام
 حسینؑ میدان جنگ میں تنہا تھے، اور آپؑ کا حامی و مددگار سوائے
 خدا کے اور کوئی نہ تھا مگر پھر بھی شامی لشکر آپ کے مقابلے پر آتے
 ہوئے ہچکچاتا تھا۔ آخر دشمن اور دوسرے سرداران لشکر کی تنبیہ پر دشمن نے
 یورش شروع کر دی۔ ایک تیر سناٹا ہٹا آیا اور دھن مبارک پر لگا۔ سارا لباس
 خون سے رنگین ہو گیا۔ دشمن کا یہ طرز عمل دیکھ کر آپ نے صرف اتنا کہا کہ اے
 پروردگارِ عالم! یہ لوگ تیرے نبی کے نواسے کے ساتھ جو کچھ کر رہے ہیں اس
 کا شکوہ صرف تجھ سے کروں گا۔ بیان کیا گیا ہے کہ اسی دوران میں آپؑ
 کا ایک صغیر سن بچہ خیمے کے باہر آگیا اور حضرت امامؑ کی طرف فرط محبت
 سے بڑھنے لگا کہ اتنے میں کسی بد بخت نے تیرا بچہ جو بچے کے گلے میں
 چوست ہو گیا اور اس نے تڑپ تڑپ کر وہیں جان دے دی۔ اس کے
 بعد ہر طرف سے تیروں کی بارش شروع ہو گئی اور حضرت امامؑ اس تیرباری

س کے باوجود گھوڑا بڑھاتے ہوئے دشمن کی صفوں میں گھس گئے۔ آپ کے
 حملوں میں ہلاکی شدت تھی اور جو مقابلے پر آتا تھا وہ ہلاک یا زخمی ہو جاتا تھا۔
 مالک بن بشر کندی جو دیر سے تاک میں تھا جب آپ اس کے قریب سے
 گزرے تو اس نے تلوار کا ایک ایسا وار کیا جو سر مبارک پر پڑا اور کافی دور
 تک کاٹتا چلا گیا۔ مگر اس شدید زخم نے بھی آپ کے حوصلوں کو پست نہ کیا
 اور اس حالت میں بھی آپ نے پھر سے ہوئے شیر کی طرح دشمن پر
 حملے کر کے اس کے کئی آدمیوں کو خاک پر گرا دیا۔ لیکن اب سارا جسم زخموں
 سے چھوڑا ہوا تھا۔ بکثرت خون بہہ گیا تھا۔ مجھوک اور پیاس کی شدت
 نے بھی بڑھاوا کر دیا تھا اور شمشیر زنی نے بھی تھکا دیا تھا اس لئے آپ
 گھوڑے پر قائم نہ رہ سکے۔ چالاک دشمن سمجھ گیا کہ اب ان کی قوت
 مدافعت جواب دے گئی ہے اس لئے اس نے ہر طرف سے یلغار
 شروع کر دی اور شمر نے یہ کہہ کر لوگوں کو غیرت دلائی کہ :-

”تمہاری مائیں مرجائیں، تم ایک پیادے کو نہیں مار سکتے۔ نف
 ہے تمہاری مردانگی پر۔ اگر تم لوگ ایک ایک کنکری پھینکو تو حسین
 دب کر مر جائے۔ بڑھو بڑھو اپنے نام اور خاندان کو رسوا نہ کرو۔“

اس جو شبلی تقریر نے کوفیوں کی ہمت بندھا دی، ان کے پیادوں
 اور سواروں، نیزہ بازوں اور تیر اندازوں غرض سب نے مل کر حضرت امام

یکبارگی حملہ کر دیا۔ اس حملہ عام میں زید بن شریک تمیمی نے آگے بڑھ کر تلوار کا وار کیا جس سے آپ کا بازو زخمی ہو گیا۔ دوسرا حملہ سنان بن انس نے نیزے سے کیا اور جب آپ زمین پر گر پڑے تو پھر اسی سنان بن انس نے آگے بڑھ کر آپ کا سر تن سے جدا کر دیا۔ **إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ**۔
یہ وہ صاعقہ تھا جو رسول اللہ کو امت کی بے مثال خدمات انجام دینے کے عوض وصال کے پچاس سال بعد امت ہی کے ایک گروہ کے ہاتھوں مل گیا
تغویروا سے چرخ گرداں تفلوا

شہادت کے بعد

شہادت کے بعد شمر ذی الجوشن نے حضرت امام کا مہربانک خولی بن زید اصبحی کو دے کر حکم دیا کہ سارے لشکر میں اس کی تشہیر کی جائے۔ چنانچہ خولی نے سر امام کو نیزے سے پھینکا اور سارے لشکر میں گھمایا۔ صرخت اسی پر اکتفا نہ کیا گیا بلکہ سواروں کا ایک دستہ طلب کر کے اسے حکم دیا گیا کہ گھوڑوں کے منہوں سے حضرت امام کی لاش کو روند ڈالو۔ چنانچہ شامی فوج کے گھوڑوں نے امام کے جسم منظر پر اپنی ٹاپوں سے روند ڈالا۔ کہتے ہیں کہ لاش پو گھوڑے دوڑاتے سے پہلے زیدی فوج کے بعض سپاہیوں نے ہجوم کر کے آپ کی تلوار، سپر اور نیزہ لوٹ لیا اور جسم کے بعض کپڑے تک اتار لئے۔ اس لوٹ مار کے دوران میں شمر ذی الجوشن حضرت

علی بن الحسین (امام زین العابدین) کے خیمے کے پاس آیا اور انہیں دیکھ کر
 کہنے لگا کہ یہ زندہ ہے اسے کیوں قتل نہیں کیا گیا۔" شامی فوج کے ایک
 سردار حمید بن مسلم نے شمر کے یہ الفاظ سن کر کہا کہ کیا تم بیمار کو بھی قتل
 کرو گے؟" اتنے میں عمرو بن سعد بھی آگیا اور اس نے بھی امام زین العابدین
 کے قتل کی مخالفت کی۔ اس طرح حضرت امام حسین کا یہ فرزند جس سے اللہ
 تعالیٰ اس خاندان کی نسل باقی رکھنا چاہتا تھا قتل ہونے سے بچ گیا۔
 میر حسین ابن زیاد کے سامنے

حضرت امام حسین اور آپ کے رفقاء کے قتل سے فراغت
 پا کر ابن سعد نے خولی بن یزید اور حمید بن مسلم کے ہاتھ حضرت امام کا سر
 مبارک ابن زیاد کے پاس کو ذبح بھیج دیا جس وقت آپ کا سر ابن زیاد کے
 سامنے پیش کیا گیا اس وقت اس کے ہاتھ میں ایک چھری تھی جسے
 وہ آپ کے دندان مبارک پر مارنے لگا۔ قریب ہی رسول اللہ کے
 محبوب صحابی حضرت انسؓ تشریف رکھتے تھے جو یہ روح فرسا منظر
 برداشت نہ کر سکے اور غضب ناک ہو کر ابن زیاد سے یوں مخاطب ہوئے

اے عام طور سے حضرت انسؓ کے بجائے حضرت زید بن ارقم کی موجودگی بتائی جاتی ہے
 اور یہی طبری نے لکھا ہے مگر حضرت امام بخاری اور حضرت امام ابن تیمیہؒ نے حضرت
 انسؓ ہی کا نام لکھا ہے اور قرآن میں اسی کی تائید کرتے ہیں۔ (مولف)

”اپنی چھتری کو ان ہونٹوں پر سے ہٹالے۔ خدا کی قسم جس کے
سوائے کوئی معبود نہیں میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے کہ
رسول اللہ حسینؑ کی اس جگہ کو بوسہ دیتے تھے۔“

یہ کہہ کر حضرت انسؓ کی آنکھوں سے آنسوؤں کی چھری بندھ گئی۔ مگر ابن
زیاد حضرت انسؓ کے یہ الفاظ سن کر طیش میں آگیا اور کہنے لگا کہ ”اے
بوڑھے! اگر تو سچیا نہ گیا، تو تاویں اسی وقت تیرا سراڑا دیتا ہے۔ یہ کہہ کر انہیں
اپنی مجلس سے نکلوا دیا اور حضرت انسؓ یہ کہتے ہوئے چلے گئے کہ اے
اہل عرب! آج کے بعد تم ذلیل ہو گے کہ تم نے نبیؐ کے
فرزند کو قتل کیا اور ایسے شخص کو اپنا حاکم بنالیا جو نیکوں
کو قتل کرتا اور بدوں کی عزت افزائی کرتا ہے۔“ اس کے
بعد ابن زیاد کے حکم سے حضرت امام کا سر مبارک کو فہ کے بازاروں میں گھمایا گیا۔
دوسرے دن ابن سعد اور اس کی فوجیں قافلہ حسینؑ کے پچھے پچھے لوگوں
کو لے کر کوثر روانہ ہوئیں ان کی روانگی کے بعد ایک قریبی گاؤں کے لوگوں
نے میدان کو بلا میں آکر شہیدوں کی نماز خباڑہ پڑھی اور ان کی لاشوں کو دفن کیا۔
کوثر پہنچ کر ابن سعد نے قافلہ حسینؑ کے بقیۃ السبب کو ابن زیاد
کے سامنے پیش کیا۔ حضرت امام حسینؑ کی ہمیشہ حضرت زینبؓ مردوں سے
ہٹ کر ایک طرف کو بیٹھ گئیں اور خاندان کی دوسری مستورات نے

ان کے گرد حلقہ کر دیا۔ یہ نشان امتیاز دیکھ کر ابن زیاد نے پوچھا کہ یہ کون ہیں اور آپ کی ایک ٹونڈی نے بتایا کہ یہ رسول اللہ کی نواسی اور فاطمہ کی بیٹی ہیں۔ یہ سن ابن زیاد نے حضرت زینبؓ کو مخاطب کر کے کہا کہ :-
 ”خدا کا شکر ہے کہ اس نے تمہیں ذلیل و خوار کیا اور تمہارے دلوں

کو جھٹلایا۔“

حضرت زینبؓ کڑک کر بولیں کہ :-

”خدا کا شکر ہے کہ اس نے ہمیں اپنے نبی کے گھر لے کر پیدا کر کے عزت دی اور ہر قسم کی برائی اور گندگی سے پاک کیا۔ ذلیل و خوار تو وہ ہوتا ہے جو اللہ کی نافرمانی کرتا ہے۔“

حضرت زینبؓ کا یہ جرات مندانہ جواب سن کر آپ کے دل پر ابن زیاد نے دوسرا چوڑا اس طرح لگایا کہ :-

”تمہ نے دیکھا کہ خدا نے تمہارے اہل بیت کو کس طرح قتل کیا اور تمہاری جڑ کو کاٹ دیا۔“

حضرت زینبؓ نے جواب دیا کہ :-

”ان کی قسمت میں یہی لکھا تھا۔ اس لئے وہ اپنی قتل گاہ میں چلے

آئے۔ جلد ہی تم اور وہ خدا تعالیٰ کے دروہ حاضر ہو گے۔ اس

وقت وہ اللہ تعالیٰ کے سامنے اپنا استغاثہ پیش کریں گے

اور یقین ہے کہ خدا انصاف کرے گا۔ ✓

حضرت زینبؓ کا یہ جواب سن کر ابن زیاد کو سخت طیش آیا اور غصہ سے بے قابو ہو کر بولا کہ ”خدا تعالیٰ کا شکر ہے کہ اس نے تمہارے سرکش اور نافرمان (حضرت امام حسینؓ) کو ہلاک کر کے میرا دل ٹھنڈا کیا۔“
یہ سن کر حضرت زینبؓ اپنے جذبات پر قابو نہ رکھ سکیں اور گریہ و زاری کے ساتھ فرماتے لگیں کہ :-

”میں میری زندگی کی کہ تم نے ہمارے مردوں کو قتل کیا، ہماری شانوں کو قطع کیا اور ہمارے خاندان کو تباہ و برباد کیا، کیا اس سے تمہارا دل ٹھنڈا ہوا؟“

حضرت زینبؓ کی جرات مندانہ اور فصیح و بلیغ گفتگو سن کر ابن زیاد نے کہا کہ ”میری زندگی کی قسم تو بڑی بہادر اور شاعر ہے۔ تیرا باپ بھی شجاع اور شاعر تھا۔“ حضرت زینبؓ نے فرمایا کہ ”ہم عورتوں کو اس سے کیا سروکار؟“ اس دوران میں ابن زیاد کی نظر حضرت امام زین العابدینؓ پر پڑی اور ان سے پوچھا کہ تمہارا کیا نام ہے انہوں نے فرمایا کہ علی بن حسینؓ۔ ابن زیاد بولا کہ کیا علیؓ کو خدا نے قتل نہیں کیا۔ حضرت امام زین العابدینؓ نے فرمایا کہ میرے ایک اور بھائی کا نام بھی علیؓ تھا انہیں لوگوں نے قتل کر دیا۔ ابن زیاد بولا انہیں لوگوں نے نہیں

اللہ تعالیٰ نے قتل کیا۔ حضرت زین العابدین نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ہی لوگوں کو ان کے وقت مقررہ پر وفات دیتا ہے اور کسی انسان کی مجال نہیں کہ وہ خدا تعالیٰ کی منشا و حکم کے بغیر مر سکے۔ پھر آپ نے قرآن حکیم کی یہ آیت تلاوت فرمائی۔

اللَّهُ يَتَوَفَّى الْأَنفُسَ حِينَ مَوْتِهَا وَمَا كَانَ لِنَفْسٍ أَنْ تَمُوتَ إِلَّا بِإِذْنِ اللَّهِ

حضرت امام زین العابدینؑ کا یہ جواب سن کر ابن زیاد آگ بگولا ہو گیا اور حکم دیا کہ اسے بھی قتل کر دیا جائے۔ یہ دیکھ کر حضرت زینؑ نے انہیں اپنے پیچھے چھپا لیا اور ابن زیاد سے کہا کہ کیا ہمارے خاندان کے اتنے افراد قتل کرے گے بعد بھی تمہارا دل ٹھنڈا نہیں ہوا۔ خدا کی قسم یہ اس وقت تک قتل نہیں کیا جاسکتا جب تک کہ مجھے قتل نہ کر دیا جائے۔ انہوں نے اس کے دل میں کچھ رحم ڈال دیا اور وہ امام زین العابدینؑ کے ارادہ قتل سے باز آگیا۔ اس کے بعد اس نے لوگوں کو جامع مسجد جمع ہونے کا حکم دیا اور منبر پر جا کر پہلے خدا تعالیٰ کی ثناء و صفت کی پھر حضرت امام حسینؑ کا واقعہ شہادت بیان کر کے کہا کہ خداوند تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ اس نے امیر المومنینؑ کو کامیابی عطا فرمائی۔ ان کے دشمن کو قتل کر کے ذلیل و خوار کیا۔ اس کے بعد اس نے حضرت

اور حضرت امام حسینؑ کو نہایت ناشائستہ الفاظ سے یاد کیا۔ عبداللہ بن عقیف
 اردی جو حضرت علیؑ کے بڑے عقیدت مند تھے اور ضعیف العمر ہونے
 کے علاوہ بصارت بھی کھو چکے تھے یہ اندازِ خطاب برداشت نہ کر سکے
 اور انہوں نے کھڑے ہو کر ابن زیاد سے کہا کہ ”اے کذاب ابن کذاب!
 تو نبیؐ کے بیٹے کو قتل کرتا اور پھر اس کے منبر پر کھڑے ہو کر اس قسم کی
 باتیں کرتا ہے خدا تجھے ہلاک کرے گا۔“ ابن زیاد نے حکم دیا کہ اسے
 پکڑ لو۔ لوگوں نے عبداللہ کو پکڑنا چاہا۔ لیکن ان کے قبیلے کے لوگ بھی وہاں
 موجود تھے وہ مزاحم ہوئے اور انہوں نے عبداللہ کو چھڑا لیا۔ مگر ابن زیاد نے
 رات کے وقت پولیس کا ایک مسلح دستہ بھیج کر انہیں گھر سے گرفتار
 کر لیا اور پھر انہیں قتل کر دیا۔

یزید کے دربار میں

اس کے بعد ابن زیاد نے اس کے چٹے اور شکستہ حال قافلے کو شام
 لے جانے کا حکم دیا اور حضرت امام حسینؑ کا سر بھی یزید کے پاس روانہ کر دیا۔
 جب آپؑ کا کٹا ہوا سر یتیم بچے اور بیوہ خواتین یزید کے سامنے پیش
 ہوئیں تو اس نے بڑی مکاری سے قتل حسینؑ کا سارا الزام ابن زیاد کے سر
 لگا دیا اور کہنے لگا کہ ”خدا ابن مرجانہ (ابن زیاد) پر لعنت کرے اگر وہ
 حسینؑ کو قتل نہ کرتا تو بھی میں اس سے راضی رہتا۔ اگر اس کی جگہ میں ہوتا تو

حسین کو معاف کر دیتا۔ مگر اس کے بعد اس نے حضرت ام زین العابدین سے جو گفتگو کی اس میں اس کے دل کی بات زبان پر آ ہی گئی۔ اس نے کہا کہ ”تمہارے باپ نے میرے ساتھ جدال و قتال کیا، میرے حقوق کا پامال کیا یہ اسی کا نتیجہ ہے جو تم دیکھ رہے ہو۔ ان کا خیال تھا کہ وہ مجھ سے افضل اور خلافت کے مستحق ہیں۔ انہوں نے یہ بات نظر انداز کر دی کہ ملک خدا تعالیٰ کا ہے وہ جسے چاہتا ہے عطا کر دیتا ہے۔“ اس کے بعد اس نے مستورات کو محل کے زمانہ صبح میں بھیج دیا۔ اس کے گھر کی عورتیں اہل بیت نبوی کی شکستہ حالی و بے سرو سامانی کو دیکھ کر اپنے جذبات پر قابو نہ رکھ سکیں اور ڈھائییں مار مار کر روئیں۔ یزید نے اپنے طرز عمل سے اس امر کی بڑی کوشش کی کہ خاندان حسینؑ کے بقیۃ السیف کی دلہی کو کے ان کے غم و غصہ کو زائل کر دے کیونکہ اسے اندیشہ تھا کہ جب یہ لوگ مدینہ میں پر سارے واقعات سنائیں گے تو حجاز میں میرے خلاف آگ لگ جائے جس کا بھجانا میرے بس سے باہر ہو گا یہی وجہ ہے کہ وہ حضرت ام زین العابدین کو اکثر کھانے پر بلاتا اور انہیں اپنے ساتھ ہی کھانا کھلاتا، اس کے محل کی مستورات بھی خاندان حسینؑ کی مستورات کے ساتھ بڑی خاطر و مدارات کا سلوک کرتی رخصت ہوتے وقت اس نے مالی نقصان کی تلافی کی بھی پیش کش کی کہ ان عیور خواہین نے پائے حثارت سے ٹھکرا دیا۔

مدینہ کو واپسی

چند یوم اپنے محل میں مہمان رکھ کر اس ستم رسیدہ قافلے کو مدینہ سے مدینہ بھیج دیا اور قابل اعتبار افراد کا ایک دستہ ان کی حفاظت کے لئے ساتھ کر دیا۔ محافظین نے اس قافلے کو بحفاظت اور نہایت آرام کے ساتھ مدینہ پہنچایا اور راستے میں ان کی جملہ ضروریات و تکالیف کا خیال رکھا۔ خصوصیت سے مستورات کے ساتھ بڑا اچھا سلوک کیا، حضرت زینبؓ محافظین کے حسن سلوک سے بڑی خوش ہوئیں اور منزل مقصود پر پہنچ کر انہوں نے اپنے کنگن جو لوٹ مار سے بچ رہے تھے اتار کر محافظ دستے کے افسر کو بطور شکر یہ بھجوائے مگر اس نے یہ کہہ کر قبول کرنے سے انکار کر دیا کہ میں نے یہ فرض، اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے ادا کیا ہے۔

قافلہ حبشین کے مدینہ پہنچنے سے پہلے ہی اس روح نرسا واقعے کی اطلاع وہاں پہنچ چکی تھی چنانچہ حسب مصدیت زدہ لوگ شہر میں داخل ہوئے تو مردوں اور عورتوں کے ہجوم کے ہوجے ہو گئے جو انہیں دیکھتا وہ دھاڑیں مار مار کر روتا۔ ایک روایت کے مطابق یہ قافلہ مدینہ کے جس راستے سے گزرا وہاں کا کوئی مکان ایسا نہیں تھا جو اپنے کمینوں سے خالی نہ ہو گیا ہو۔ ہر طرف ایک قیامت برپا تھی اور آہ و بکا سے کان پڑی آواز سنائی نہ دیتی تھی۔ یہ

قافلہ حسین کی آخری منزل تھی مگر یہیں سے ایک اور منزل شروع ہوئی۔
 شہداء کے گریلا کا کردار

سیدنا حضرت امام حسین اور آپ کے ساتھیوں نے گریلا کے میدان
 میں جس شجاعت و استقلال کا مظاہرہ کیا تاریخ عالم اس کی نظیر پیش
 کرنے سے قاصر ہے۔ مٹھی بھرا فرد کا دنیائے معلوم کی سب سے بڑی
 طاقت کے سامنے پہاڑ کی طرح ڈٹ جانا اور یہ جاننے کے باوجود کہ ہم
 میں سے ایک بھی زندہ نہ بچے گا اپنے موقف پر سختی سے قائم رہنا تاریخ
 شجاعت و استقلال کا ایک ایسا روشن باب ہے جس کی چمک دمک ایک
 صدی سے زیادہ گزر جانے کے باوجود آج بھی اسی طرح قائم ہے اور
 ابد الابد تک قائم و دائم رہے گی۔ سب سے زیادہ حیرت یہ دیکھ کر ہوتی
 ہے کہ حضرت امام کے ساتھیوں کو اپنا انجام صاف نظر آ رہا تھا اور
 ان کے لئے یہ راستہ کھلا ہوا تھا کہ وہ حضرت حسین سے کنارہ کشی اختیار
 کر کے فوج دشمن سے مل جاتے۔ اس صورت میں نہ صرف ان کی جانیں
 بچ جاتیں بلکہ حکومت وقت کی طرف سے پیش از بیش انعام و اکرام
 سے بھی نوازے جاتے۔ مگر آفرین ہے ان پکیران و قاپر کہ انہوں نے
 اپنے آقا کے ساتھ حیرت انگیز وفاداری کا مظاہرہ کیا اور ان میں سے کسی
 ایک نے بھی اپنی جان بچانے یا دنیوی فائدے کی خاطر اپنے قائد سے

غلامی نہ کی تحقیقت یہ ہے کہ جب تک اپنے موقف کی صداقت کا حد درجہ یقین
 اور اپنے قائد کے ساتھ پر خلوص محبت نہ ہو اس وقت تک
 جہاں شادی و فاداری کا یہ بے مثال جذبہ پیدا ہی نہیں ہو سکتا۔ جس کا
 عظیم النظار نمونہ میدان کربلا میں دکھایا گیا۔ جب تک زمین اپنے محور کے
 گرد مقررہ رفتار سے گردش کرتی رہے گی اور سورج مقررہ سمتوں سے
 طلوع و غروب ہوتا رہے گا اس وقت تک آنے والی نسلاں میں سے
 تمام منصف مزاج۔ باوقار و بحق پسند لوگ حضرت امامؑ کے وفادار و اتقویا
 پر سلام بھیجتے رہیں گے اور ان کا نام عزت و عقیدت سے لیتے رہیں
 گے کہ انہوں نے ساری کربلا پر اپنے خون سے یہ تاریخی دستاویز رقم فرمادی
 کہ کسی کے ساتھ پیمانہ وفا باندھنے سے پہلے سوچ لو کہ جن امور پر عہدہ وفا
 کر رہے ہو ان کی بنیاد حق و صداقت پر ہے یا نہیں؟ اور جب ان امور
 کی صداقت کا یقین ہو چلے تو پھر جس کے ساتھ پیمانہ باندھا ہے۔ اس
 کی حمایت میں دنیا کی بڑی سے بڑی طاقت سے ٹکرا جاؤ خواہ نتیجہ کچھ بھی ہو۔
 اس کے دائیں بڑی لڑواؤں بائیں بھی۔ آگے بھی لڑو اور پیچھے بھی جتنی کہ اپنی
 جانیں اس پر سے نثار کر دو اور دشمن تہادری لاشوں پر سے گزریں یہی اس تک پہنچ سکے
 شہداء اے کربلا کی تعداد
 عام طور سے کہا جاتا ہے کہ کربلا کے میدان میں حضرت امامؑ کے

ساتھ بہتر افراد نے شہادت پائی۔ یہ تعداد اس تو اتر سے بیان کی گئی کہ بڑے
 ثقہ اور محتاط مورخ بھی اسے بے تکلف و سرج کر دیتے ہیں۔ حالانکہ واقعات
 کی چھان بین اور کتب تاریخ و سیر کی ورق گردانی کرنے کے بعد شہدائے
 کربلا کی یہ تعداد کسی طرح صحیح قرار نہیں پاتی۔ زیادہ سے زیادہ یہ کہا جاسکتا ہے
 کہ جس وقت حضرت امام حسینؑ مکہ سے کوفہ کی جانب روانہ ہوئے اس وقت
 آپ کے ساتھیوں کی تعداد بہتر تھی۔ لیکن مکہ سے کوفہ تک مختلف مقامات
 پر لوگ آکر آپ کے قافلے میں ملتے رہے۔ اور بعض لوگ جو عمر بن سعد
 کی فوج کے ساتھ آئے تھے جب انہوں نے دیکھا کہ ابن زیاد حضرت
 امام حسینؑ کی کوئی شرط منظور کرنے کے لئے تیار نہیں تو پوشیدہ طور پر ابن
 سعد کی فوج سے الگ ہو کر حضرت امام حسینؑ کے لشکر میں آگئے۔ اس طرح
 تعداد میں اضافہ ہوتا رہا اور کربلا پہنچ کر یہ تعداد بہت بڑھ چکی تھی مگر روانہ
 کے وقت آپ کے ساتھیوں کی جو تعداد تھی وہی شہرت باگئی اور بعد
 کی تعداد کو محض دیا گیا مستند کتب تاریخ سے واقعہ کربلا میں جن افراد کی
 شہادت ثابت ہوتی ہے ان کے اسمائے گرامی ذیل میں درج کیے
 جاتے ہیں۔

شہدائے نبوہا ششم

۱۔ حضرت علی اکبرؑ ۲۔ عبداللہ بن مسلم بن عقیلؑ ۳۔ جعفر بن عقیلؑ ۴۔ عبدالرحمن

قیل (۵) عون بن مسلم بن عقیل (۶) جعفر بن محمد بن عقیل (۷) احمد بن محمد بن
 قیل (۸) محمد بن عبداللہ بن جعفر (۹) عون بن عبداللہ بن جعفر (۱۰) حضرت
 ناسم بن حسن (۱۱) ابوبکر بن حسن (۱۲) محمد الاوسط (۱۳) عبداللہ بن علی (۱۴)
 عثمان بن علی (۱۵) جعفر بن علی (۱۶) عباس بن علی (۱۷) علی اصغر بن حسین (۱۸)
 سید الشہداء حضرت امام حسین

دیگر شہداء

(۱۹) بویہ بن خنیر ہمدانی (۲۰) مسلم بن عوسجہ (۲۱) عبداللہ بن عمر الکلبی (۲۲) عمرو
 بن خالد (۲۳) منج بن سہم (۲۴) عائذ بن محج (۲۵) محج بن عبداللہ (۲۶) جنادة
 بن حارث سلمانی (۲۷) سعد بن غلام عمرو بن خالد (۲۸) جنذب بن جیر بن کندي
 (۲۹) جابر بن حجاج (۳۰) جناده بن کعب بن حارث خزرجی (۳۱) ادہم بن امیہ
 عبدی (۳۲) جبلة بن علی شیبانی (۳۳) امیہ بن سعد طائی (۳۴) جویہ بن مالک
 بن قیس تمیمی (۳۵) حارث بن نبهان (۳۶) حلاس بن عمرو ازدی (۳۷) حارث
 بن امرأ القیس کندي (۳۸) حجاج بن زید سعدي تمیمی (۳۹) حباب بن عامر بن
 کعب (۴۰) حبشہ بن قیس النہمی (۴۱) حنظلہ بن عمر شیبانی (۴۲) سالم بن غلام
 عامر بن مسلم (۴۳) زاہر بن عمرو سلمی (۴۴) سوار بن ابی عمیر (۴۵) زہیر بن سلیم
 بن عمرو ازدی (۴۶) سہیف بن مالک نمیری (۴۷) زہیر بن بشر خثعمی (۴۸)
 سلیم بن غلام حضرت امام حسین (۴۹) خرقامہ بن مالک تغلبی (۵۰) شیب بن عبداللہ

(۵۱) عباد بن مہاجر بن ابی المہاجر (۵۲) شیب بن عبداللہ منہشلی (۵۳) عامر بن
 مسلم عبیدی (۵۴) عبدالرحمن بن عبدالرب خمدجی (۵۵) عبداللہ بن شیط (۵۶)
 عبدالرحمن بن عبداللہ رجبی (۵۷) عمار بن ابی سلامہ (۵۸) عبدالرحمن بن مسعود
 (۵۹) عبید اللہ بن یزید بن شیط (۶۰) عبداللہ بن بشیر خثعمی (۶۱) عقبہ بن صلت
 جہنی (۶۲) عمران بن کعب بن حاث (۶۳) عمار بن حسان طائی (۶۴) کردوس
 بن زہیر تغلی (۶۵) عمرو بن عبیدہ عنبی (۶۶) قاسط بن زہیر بن حاث تغلی
 (۶۷) مسلم بن کثیر بن قلیب اندی (۶۸) کنانہ بن عتیق تغلی (۶۹) قارب
 بن عبداللہ زغلام حضرت امام حسینؑ (۷۰) مسعود بن حجاج تمیمی (۷۱) نصیر
 بن ابی نیر (۷۲) منج بن زیاد بن عمرو جہنی (۷۳) قاسم بن حبیب بن ابی بشر
 اندی (۷۴) نعیم بن مغلان انصاری (۷۵) منہج بن رقاد (۷۶) مقسط بن زہیر
 بن حاث تغلی (۷۷) یزید بن حصین مشرقی (۷۸) بکر بن حی بن تیم اللات تمیمی
 (۷۹) عمرو بن جناد بن کعب خمدجی (۸۰) حبیب ابن مظاہر (۸۱) حر بن یزید
 تمیمی (۸۲) سعید بن عبداللہ خثعمی (۸۳) زہیر بن القین (۸۴) عمرو بن قرظہ بن
 کعب الانصاری (۸۵) سلمان بن مضارب بن قیس الجلی (۸۶) نافع بن
 ہلال جلی (۸۷) شذوب بن عبداللہ (۸۸) عابس بن ابی شیب شاکری
 (۸۹) خنظلہ بن اسعد شامی (۹۰) عبداللہ بن عروہ بن صراق غفاری (۹۱)
 عبدالرحمن بن عروہ غفاری (۹۲) سیف بن حاث بن سرج ہمدانی (۹۳)

مالک بن عبد بن مرثد (۹۴) اسلم بن عمرو (تبرک النسل غلام حضرت امام حسینؑ)۔
 (۹۵) ابو ثمامہ صائدی (۹۶) انس بن حارث اسدی (۹۷) جون بن جوی بن قتادہ
 (غلام حضرت ابو ذر غفاریؓ) (۹۸) حجاج بن مسروق صفی (۹۹) سعد بن حارث
 (غلام حضرت علیؓ) (۱۰۰) زیاد بن عریب ہمدانی (۱۰۱) عمر بن خدیج حضرمی (۱۰۲)
 سالم بن عمرو بن عبد اللہ (۱۰۳) قعنب بن عمرو نمری (۱۰۴) یزید بن معقل جعفی
 (۱۰۵) یزید بن شبط العبدی (۱۰۶) سوید بن عمرو بن ابی المطاع خثعمی (۱۰۷)
 ابو الشعثا کنذی (۱۰۸) ابو الحنفیہ الانصاری (۱۰۹) رافع بن عبد اللہ
 (۱۱۰) انیس بن معقل اصبحی (۱۱۱) سعید بن خنظلہ تمیمی (۱۱۲) بشر بن عمرو بن لاصد
 (۱۱۳) عبد الرحمن بن عبد اللہ بن یزید (۱۱۴) محمد بن مطاع (۱۱۵) عمر بن عبد اللہ
 مذحجی (۱۱۶) معلى بن العلى (۱۱۷) یحییٰ بن سلیم مازنی (۱۱۸) عمرو بن مطاع جعفی
 (۱۱۹) قرۃ بن ابی قرۃ غفاری (۱۲۰) عبد الرحمن بن عبد اللہ نیری (۱۲۱) یحییٰ بن
 سلیم مازنی (۱۲۲) قرۃ بن ابی قرۃ غفاری (۱۲۳) انیس بن معقل اصبحی (۱۲۴)
 معلى بن العلى (۱۲۵) علی بن مظاہر اسدی۔

(ملاحظہ ہو۔ تاریخ طبری جلد ششم۔ عمدة الطالب، روضۃ الصفا جلد سوم
 اعیانہ جلد دوم۔ البصار العین۔ تاریخ التواتر جلد ششم۔ اعیان الشیعہ جلد اول و
 سہ شہداء کے نام لکھتے ہوئے اس ترتیب کا التزام نہیں دکھایا ہے جس کے مطابق
 انہوں نے شہادت پائی۔ مقتصدان کے نام اور تعداد بتانا تھا۔ (مؤلف)

چہارم۔ تنقیح المقال جلد دوم و سوم۔ مناقب ابن شہر آشوب جلد سوم و چہارم۔
 شہدائے کربلا کے یہ اسمائے گرامی بڑی احتیاط کے ساتھ لکھے گئے
 ہیں اور جس نام کی پوری طرح تصدیق نہ ہو سکی یا داخلی و خارجی شہادتوں نے
 جس کی تائید نہ کی اسے قلم انداز کر دیا گیا۔ اس اعتبار سے سیدنا حضرت امام حسینؑ
 کے ساتھ جن افراد نے شہادت پائی ان کی تعداد ایک سو پچیس ہے۔
 ورنہ اگر وہ تمام نام شہداء کو لئے جائیں جو کتب تاریخ و سیر میں درج ہیں تو
 یہ تعداد ڈیڑھ سو افراد تک پہنچ جاتی ہے مگر ایک سو پچیس افراد کی
 شہادت میں تو کوئی شک ہی نہیں اور بہتر افراد کی شہادت کی شہرت بالکل
 غلط اور تاریخی حقائق کے قطعاً خلاف ہے۔

جہاں یہ غلط روایت شہرت پکڑ گئی کہ میدان کربلا میں سیدنا حضرت امام
 حسینؑ کے ساتھ بہتر افراد تھے، وہاں بعض ناموں کا خواہ مخواہ اضافہ بھی کر دیا
 گیا۔ اور انہیں بعض بڑے مودعین نے بھی درج کر دیا۔ حالانکہ تاریخ شہادت
 دیتی ہے کہ یہ لوگ واقعہ کربلا کے بعد عرصہ دراز تک زندہ رہے۔ حضرت
 عمر بن علیؓ کا نام اسی قبیل کے ناموں میں سے ہے۔ ابن شہر آشوب نے
 مناقب میں اور محسن علیؓ نے اعیان الشیعہ میں ان کا نام شہدائے کربلا کی
 فہرست میں درج کیا ہے۔ مگر "ابصار العین" اور "عمدة الطالب" جیسی
 کتابیں ان کے ذکر سے خالی ہیں اور بعض کتب کے مطالعے سے معلوم ہوتا

ہے کہ وہ حضرت امام حسینؑ کے ساتھ گئے ہی نہیں۔ صرف یہی نہیں بلکہ یہاں تک صراحت موجود ہے کہ یہ یزید کی وفات کے بعد حضرت عمر بن علیؓ نے حضرت ابن زبیر کی بیعت کر لی اور ان کے بعد دوسرے اموی خلفاء کی بیعت کی اور ۵۰ سال کی عمر پاکر فوت ہوئے (عمدة الطالب ص ۳۶۹)

اس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ واقعات شہادت اور شہداء کے کربلا کے اسمائے گرامی میں کتنا اختلاف ہے۔ مندرجہ بالا مثال نمونہ درج کی گئی ہے ورنہ اختلافات کا انبار لگا ہوا ہے اور ایک میرت نگار یا حقیقت پسند مورخ کے لئے صحیح واقعات تک پہنچنا نہایت مشکل ہے۔

واقعه کربلا کا رد عمل

واقعہ کر بلا کا ردِ عمل

حجاز کے حالات حضرت امام حسینؑ کی شہادت سے قبل ہی مازک عورت اختیار کر گئے تھے بلکہ یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ یزید کی تخت نشینی کے ساتھ ہی حجاز کی فضا میں کشیدگی پیدا ہو گئی تھی۔ حضرت امام حسینؑ بیعت یزید سے انکار کر کے مدینہ سے مکہ چلے گئے تھے۔ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ نے بھی اطاعت یزید کا جوا اپنے کندھے پر رکھنے سے انکار کر دیا اور وہ بھی مکہ جا کر حرم میں پناہ گزین ہو گئے۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے بھی یہ غدر کیا کہ جب تک یزید پر اجماع امت نہیں ہو جائے گا میں بیعت نہیں کروں گا۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ جیسے جلیل صحابی نے بھی یہ کہہ کر یزید کے ہاتھ میں اپنا ہاتھ دینے سے انکار کر دیا کہ میں اس وقت تک بیعت نہیں کروں گا

جب تک سارا عالم اسلام اس کی بیعت میں نہ آجائے۔ طبری نے ان کے انکار بیعت کے متعلق اپنی مشہور عالم تاریخ میں یہ واقعہ درج کیا ہے۔ وہ لکھتا ہے کہ ولید (حاکم مدینہ) نے ابن عمر کو بلا کر بیعت یزید کا مطالبہ کیا۔ انہوں نے کہا کہ جب سارے لوگ بیعت کر لیں گے تو میں بھی کر لوں گا۔ اس پر ولید کے مصاحبین میں سے ایک شخص نے کہا کہ آخر تم بیعت کیوں نہیں کر لیتے کیا تمہیں اس امر کا اظہار ہے کہ لوگوں کے درمیان نفاق پیدا ہو جائے۔ جدال و قتال ہو۔ وہ لوگ جن کی خلافت کی توقع ہے ہمارے جائیں اور جب میدان صاف ہو جائے تو لوگ کہیں کہ اب تو عبداللہ بن عمر کے سولے کوئی باقی ہی نہیں رہا، چلو انہیں کے ہاتھ پر بیعت کر لیں۔ ابن عمر نے جواب دیا کہ نہ تو میں کشت و خون ریزی کا خواہشمند ہوں نہ لوگوں کے درمیان اختلاف کا طالب ہوں اور نہ یہ چاہتا ہوں کہ لوگ جن کے متعلق خلیفہ ہونے کی امید ہے، ہلاک ہو جائیں۔ میں تو صرف یہ کہتا ہوں کہ جب سارے لوگ بیعت کر لیں گے اور میں دیکھوں گا کہ اب میرے سوا کوئی باقی نہیں رہا تو میں بھی بیعت کر لوں گا۔ حضرت ابن عمر کا یہ جواب سن کر سب خاموش ہو گئے اور پھر کسی نے ان سے کوئی تعریض نہ کیا۔ لیکن ابن عمر نے معاملہ حضرت ابن عمر سے مختلف تھا۔ ایک تو اس لئے کہ حضرت معاویہ نے یزید کو ان سے ہوشیار رہنے کی ہدایت کر دی تھی۔ دوسرے وہ بہت

ہاورد عقل مند اور با اثر آدمی تھے۔ ان کا بغیر بیعت کئے مدینہ سے نکل جانا نزدیک
 کو نہایت شاق گذرا اور اس نے انہیں اپنے لئے بہت بڑا خطرہ تصور
 کیا۔ باوجودیکہ حضرت ابن زبیر نے اپنی طرف سے کسی ہنگامے کی ابتدا
 نہیں کی بلکہ نہایت خاموشی سے حرم شریف میں بیٹھ گئے جہاں عبادت الہی
 کے سوائے انہیں اور کوئی کام نہ تھا لیکن نزدیک کو ان کا خاموش بیٹھنا بھی گوارا
 نہ ہوا اور اس نے ابن زبیر کے پاس پہلے در پہلے کئی قاصد بھجوا کر بیعت کا
 مطالبہ کیا مگر انہوں نے ہر بار یہی جواب دیا کہ مجھے ان امور سے کوئی
 سروکار نہیں میں نہ تمہاری بیعت کروں گا اور نہ کسی ہنگامے کی ابتدا کروں گا
 نزدیک کو اس جواب سے اطمینان نہ ہوا اور اس نے عمرو بن سعید اشدق کو جسے
 ولید کو معزول کر کے مدینہ کا گورنر مقرر کیا گیا تھا لکھا کہ ابن زبیر سے جبراً
 بیعت لو۔ ایک روایت میں ہے کہ نزدیک نے قسم کھالی کہ میں ابن زبیر کی اس
 وقت تک کوئی بات نہ سنوں گا جب تک وہ پایہ زنجیر میرے سامنے
 نہ لایا جائے۔ چنانچہ نزدیک کے گورنر عمرو بن سعید نے مکہ کے پولیس افسر کو
 لکھا کہ ابن زبیر اور ان کے ہواخواہوں پر سختی کرو۔

ابن زبیر کے مکہ آنے ہی لوگوں کا ایک گروہ جسے نزدیک کی بیعت
 ناپسند تھی ان کے پاس جمع ہو گیا۔ یہ گروہ ان سے براہ کنتہار تھا کہ آپ
 نزدیک کے مقابلے کے لئے اٹھ کھڑے ہوں مگر ابن زبیر نے ان لوگوں

کو بھی یہی جواب دیا کہ میں اپنی طرف سے فتنہ و فساد کی ابتداء نہ کروں گا۔ لیکن جب مکہ کے پولیس افسر نے حضرت ابن زبیر کے عقیدت مندوں پر سختی شروع کی تو حالات خراب ہونے لگے۔ منذر بن زبیر، محمد بن منذر، عبدالرحمن بن السور، بن عبد یغوث، عثمان بن عبداللہ بن حکیم، حبیب بن عبداللہ بن زبیر اور محمد بن عمار بن یاسر۔ یہ وہ لوگ تھے جنہیں مکہ کے پولیس افسر نے گرفتار کر کے دُور سے لگوائے اور انہیں ذلیل کیا۔ ان کا جرم صرف اتنا تھا کہ یہ لوگ یزید کی امارت کو پسند نہ کرتے تھے اور حضرت عبداللہ بن زبیر سے راہ و رسم رکھتے تھے۔ جب گورنر مدینہ نے دیکھا کہ پولیس کی سختیوں سے بھی معاملات درست نہ ہو سکے اور ابن زبیر نے یزید کی بیعت نہیں کی اس نے انیس بن عمرو اسلمی کو ایک لشکر دے کر مکہ روانہ کیا۔ اب ابن زبیر کے پاس تلوار اٹھانے کے سوائے اور کوئی چارہ نہ تھا چنانچہ انہوں نے بھی اپنے مددگاروں کو اکٹھا کیا اور دیکھتے ہی دیکھتے ایک بڑی جماعت ان کے جھنڈے کے نیچے جمع ہو گئی۔ ابن زبیر نے عبداللہ بن صفوان ججی کو اس جماعت کا امیر مقرر کر کے یزیدی فوج کے مقابلے کے لئے روانہ کر دیا۔ ذی طوی کے مقام پر دونوں لشکروں کا مقابلہ ہوا۔ ایک خون ریز جنگ کے بعد یزیدی لشکر شکست کھا کر بھاگا۔ ابن زبیر کی فوج کے ہاتھوں اس کے بے شمار آدمی ہلاک و زخمی ہوئے۔

واقعہ نے نہ صرف کہ پورے حجاز پر ابن زبیر کا خوف و اثر قائم کر دیا
 چونکہ اسی دوران میں حضرت امام حسینؑ کا معاملہ پیش آگیا اس لئے یزید
 ابن زبیر کی طرف توجہ نہ کر سکا اور ابن زبیر بھی خاموشی کے ساتھ حرم میں بیٹھے
 رات کرتے رہے حالانکہ اگر وہ چاہتے تو یزید اور اس کے عمال کو خاصہ
 نشان کر سکتے تھے مگر واقعہ یہ ہے کہ انہوں نے حتی الامکان خون ریزی سے
 من بچایا اور خود کسی جنگ کی ابتدا نہیں کی۔

اہل مدینہ کا نعرہ انتقام

حضرت امام حسینؑ کی شہادت کے بعد جب اس واقعہ کی خبر حجاز پہنچی
 لوگ غم و غصہ سے بے قابو ہو گئے اور ایک روایت کے مطابق حضرت
 عبداللہ بن زبیر کی آنکھوں سے بھی بے تحاشہ آنسو جاری ہو گئے۔ اس واقعہ
 نے سارے حجاز کو یزید سے متنفر کر دیا اور لوگوں نے فیصلہ کر لیا کہ جب
 تک خون حسینؑ کا انتقام نہ لے لیں گے چین سے نہ بیٹھیں گے۔ چنانچہ
 اہل مدینہ کا ایک وفد حضرت امام حسینؑ کے صاحبزادے حضرت امام
 زین العابدینؑ کی خدمت میں حاضر ہوا اور ان سے درخواست کی کہ آپ
 ہماری بیعت لے لیجئے۔ مگر اہل بیت کے قتل عام کی وجہ سے حضرت
 امام زین العابدینؑ کے سر سے ایک قیامت گذر چکی تھی۔ وہ سخت دل
 برداشتہ تھے دل دنیا سے سرد ہو چکا تھا اور ہر طرف سے قطع تعلق کر کے

گوشہ نشینی اختیار کر لی تھی۔ اس لئے انہوں نے بیعت قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ اور مصر سے یوں ہو کر ایک وفد حضرت ابن زبیر کی خدمت میں مکرہ میں گیا اور ان سے درخواست کی گئی کہ حضرت حسینؑ کے بعد آپ سے زیادہ افضل اور خلافت کا مستحق اور کوئی نہیں۔ آپ ہماری بیعت لے لیجئے تاکہ آپ کے جھنڈے کے نیچے جمع ہو کر ہم خون حسینؑ کا انتقام لے لیں۔ ان کے لوگ پہلے ہی حضرت ابن زبیر کے عقیدت مند تھے مگر اور مدینہ کے علاوہ دیگر دیار و امصار سے بھی ابن زبیر سے بیعت لینے کی درخواست کی۔ ان حالات میں کہ ایک طرف حضرت امام حسینؑ کو شہید کر کے یزید اس ظلم و ستم کے محض نامے پر مہر تصدیق ثبت کر چکا تھا اور خود کو نااہل خلافت بنا بیٹ کر چکا تھا۔ دوسرے عوام و خواص سب ان سے بیعت لینے کی درخواست کر رہے تھے۔ تیسرے یزید ان سے اپنی بیعت کا مطالبہ کر رہا تھا اور نہ بصورت دیگر قتل کی دھمکیاں دے رہا تھا۔ اس لئے حضرت ابن زبیر نے اپنی خلافت کی بیعت لینے کا فیصلہ کر لیا۔ چنانچہ مکہ، مدینہ اور عرب کے متعدد شہروں کے لوگوں نے ان کی بیعت کر لی۔ اس بیعت میں مدینہ اور مکہ کے اکابر بھی شامل تھے۔

یزید کو حضرت حسینؑ کے معاملے سے فراغت ہو گئی تو اس نے حجاز کی طرف رجوع کیا۔ اور مدینہ میں اس کے خلاف جو شور مچا رہا تھی اس

میں بھی اسے مل رہی تھیں چنانچہ اس نے مسلم بن عقبہ کو جو بڑا نامور سیاستدان
 اور قابل جرنیل تھا ایک لشکر جرار دے کر اہل مدینہ سے منٹے کے لیے بھیجا
 رہدایت کردی کہ اگر تم وفات پا جاؤ تو حصین بن نمیر فوج کا سپہ سالار ہو گا۔
 اس کے ساتھ ہی اس نے عبید اللہ بن زیاد کو ایک فرمان بھیجا کہ تمہارے
 میں جس قدر فوج ہو وہ لے کر مکہ روانہ ہو جاؤ اور ابن زبیر کو مغلوب کر لو۔ مگر
 ابن زیاد نے خلافت توفیق اس خدمت سے بخدوری ظاہر کی اور کہا کہ
 اگر خدا رسول کے قتل کے بعد اب میں مکہ معظمہ کی بے حرمتی کا ارتکاب مجرم
 نہیں کروں گا۔

ادھر یزید کا لشکر مدینہ کی طرف روانہ ہوا اور ادھر اہل مدینہ نے
 عبداللہ بن خنظلہ اور عبداللہ بن مطیع العدوی کی قیادت میں جنگ کی تیاریاں
 شروع کر دیں۔ انہوں نے بنو امیہ پر غرضہ حیات تنگ کر دیا اور ایک
 سخت حملے کے بعد انہیں مردان کے مکان میں محصور ہونے پر مجبور
 کر دیا۔ اس دوران میں یزید کا لشکر مدینہ پہنچ گیا۔ اہل مدینہ بھی حضرت
 عباسؓ کے صاحبزادے فضیل بن عباسؓ کی قیادت میں مسلح ہو کر مقابلے
 کے لئے نکلے۔ ان لوگوں میں سکڑوں انصار، مہاجرین، صحابہ صحابہ کی
 اولاد اور حفاظ قرآن شامل تھے بڑی خون ریز جنگ ہوئی اور اہل مدینہ نے
 کمال جرات و انتقامت کا مظاہرہ کیا مگر آخر کار انہیں شکست ہوئی۔

اور یزیدی فوج نے مدینہ میں داخل ہو کر یزید کے حکم سے تین روز تک سخت
خوں ریزی کی۔ کسی کی عزت و تامل اور جان و مال محفوظ نہ رہا۔ بعض لوگ
اکابر کام آئے اور مدینہ النبی کے گلی کوچے انسانی خون سے لالہ زار
ہو گئے۔ اس جنگ میں گواہ مدینہ کو شکست ہوئی مگر یزیدی فوج کو بھی
سخت نقصان اٹھانا پڑا اور سب سے بڑی بات یہ کہ اس خون ریزی
مدینہ النبی کی بے حرمتی کی وجہ سے لوگ یزید کے اور زیادہ دشمن ہو گئے
مکہ میں صدائے انتقام

مدینہ کی غارت گری سے فراغت پانے کے بعد یزید کا لشکر مکہ
روانہ ہوا مگر اٹناٹے راہ میں مسلم بن عقبہ کا انتقال ہو گیا اور حصین بن نمیر
اس فوج کا سپہ سالار مقرر ہوا۔ یزیدی فوج کی آمد کی خبر سن کر حضرت ابن
ابنہ لشکر لے کر شہر سے باہر نکلے اور ابن نمیر کے لشکر کے ساتھ سخت مقابلہ
کیا۔ لیکن ایک خون ریز جنگ کے بعد انہیں شکست ہوئی مگر انہوں نے
ہمت نہ ہاری اور شہر میں آکر پھر مقابلہ شروع کیا۔ دیا یزیدیوں نے شہر کا ہر
کوہ اور ایک بلند مقام پر محبتیقین نصب کر کے شہر پر سنگباری شروع کی
اس حملے میں انہوں نے حرمت کعبہ کا بھی لحاظ نہ کیا اور اس پر بھی
برسائے جس کے نتیجے میں کعبہ کی عمارت کو سخت نقصان پہنچا۔ مصنف
جاری تھا کہ یزید کا انتقال ہو گیا۔ یزید کی موت نے حالات کا پانسہ

پلٹ دیا اور ابن نمیر نے حضرت ابن زبیر کو پیغام بھیجا کہ ہم جس کے لئے
 جنگ کر رہے تھے جب وہ ہی نہ رہا تو اب جنگ جاری رکھنے سے
 کیا فائدہ۔ آئیے ہم دونوں باہم صلح کر لیں۔ اس کے بعد دونوں کی
 ملاقات ہوئی اور اس ملاقات میں ابن نمیر نے حضرت ابن زبیر کو یہ
 پیش کش کی کہ یہ یہاں کے بعد خاندان بنو امیہ میں کوئی ایسا شخص نہیں ہے
 جس پر لوگوں کا اجماع ہو سکے اور جو اس وسیع و عریض سلطنت کو
 سنبھالنے کی اہلیت رکھتا ہو۔ اس لئے آپ میرے ساتھ شام تشریف
 لے چلے میں آپ کے لئے راستے کی ساری رکاوٹیں دور کر دوں گا۔ مگر
 حضرت ابن زبیر نے ابن نمیر کی یہ پیش کش اس خیال سے رد کر دی کہ ان
 کا شام جانا سیاسی لحاظ سے درست نہ تھا۔ مورخین نے اس واقعہ کو اس رنگ
 میں پیش کیا ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ ابن زبیر کی سیاسی لغزش تھی
 حالانکہ یہ صحیح نہیں ہے۔ ان حالات میں کہ ہر طرف انفرافری تھی ابھی ان
 کی حکومت پوری طرح قائم نہ ہوئی تھی۔ نہ انہیں سیاسی استحکام حاصل ہوا
 تھا۔ ان کا شام جانا کسی طرح خطرات سے خالی نہ تھا وہ شام جہاں بنو امیہ
 کے قبیلے کے قبیلے آباد تھے اور جس زمین پر گزشتہ نصف صدی
 سے انہیں اقتدار حاصل تھا پھر ان میں اور خصوصاً شام میں بڑے مفسد اور
 فتنہ پرداز لوگ موجود تھے ان کے درمیان حضرت ابن زبیر کا جانا اور حجاز

کو خالی چھوڑ جانا دانشمندی کے لحاظ سے بھی مناسب نہ تھا۔ اسلئے انہوں نے
 کیا جو حالات اور سیاست کا تقاضا تھا ہاں البتہ ان سے ایک بڑی
 سیاسی غلطی ہوئی اور وہ یہ کہ مروان، اس کے بیٹے عبدالملک اور
 بنو امیہ کے بعض اور اکابر کو انہوں نے حجاز سے نکال دیا۔ بعد میں اسی
 مروان اور اس کے بیٹے عبدالملک سے ان کا مقابلہ ہوا اور انہیں
 ہاتھوں شکست کھا کر انہیں جام شہادت پینا پڑا حالانکہ اگر وہ اس
 وقت ان لوگوں کو مکہ یا مدینہ میں سے کسی شہر میں نظر بند کر دیتے تو یہ لوگ
 حجاز سے جا کر کسی قسم کا کوئی فتنہ نہ اٹھا سکتے اور ابن زبیر کی خلافت معنوی
 و مستحکم ہو جاتی۔

نوابین کا نعرہ انتقام

حضرت امام حسینؑ کی شہادت کا سب سے زیادہ غم ان لوگوں
 ہوا جنہوں نے خطوط پر خطوط لکھ کر اور وفود پر وفود بھیج کر انہیں عراق شریف
 لانے کی دعوت دی تھی مگر ابن زیاد کے ظلم و ستم اور اپنی کمزوری کی بنا
 پر وہ حضرت حسینؑ کی کوئی امداد نہ کر سکے تھے۔ شہادت حسینؑ کے بعد
 لوگ سلیمان بن صرد کے مکان میں جمع ہوئے یہ وہی مکان ہے جس میں
 جمع ہو کر انہیں لوگوں نے حضرت حسینؑ کو عراق شریف لانے کی سب
 سے پہلے دعوت دی تھی۔ جب یہ لوگ دوبارہ اس مکان میں اکٹھا ہوئے

توان میں سے ہر شخص کے چہرہ سے ندامت اور غیظ و غضب کے آثار
 ہر دیکھتے۔ اس اجتماع میں ان لوگوں نے اپنی اس غلطی پر سخت تشرساری
 کا اظہار کیا اور عہد کیا کہ جب تک حسینؑ کے قاتلوں سے انتقام نہ
 لے لیں گے آرام کی نیند نہ سوئیں گے۔ بعض لوگوں نے اس اجتماع
 میں بڑی دلولہ انگیز تقریریں کیں۔ مسیب بن نجبهؓ نے کہا کہ بد۔

ہم نے حضرت امام حسینؑ کو عراق آسنے کی دعوت دی اور ان
 کی امداد کا وعدہ کیا لیکن جب وہ تشریف لے آئے تو ہم
 نے ان کی امداد سے پہاڑ ہتی کی۔ داسے، درے، قدے
 سخن غرض کسی طرح اپنا عہد ایمانہ کیا۔ جب خدا و رسولؐ ہم
 سے باز پرس کریں گے تو ہم اپنی صفائی میں کیا کہیں گے۔ اب
 صرف یہی ممکن ہے کہ جن لوگوں نے حضرت حسینؑ کو قتل
 کرنے میں حصہ لیا ہے ان میں سے ایک شخص کو بھی قتل کئے
 بغیر باقی نہ چھوڑیں ورنہ ہم سب اپنی جانیں دے دیں۔
 (تاریخ طبری جلد ہفتم ص ۷۷)

حاضرین نے مسیب کی اس تقریر سے بے کلی اتفاق کیا اور متفقہ طور پر
 سلیمان بن صرد کو اپنا قائد منتخب کر لیا۔ اس کے بعد سلیمان نے ایک جوشیلی
 تقریر کی جس میں انہوں نے کہا کہ بد۔

”ہم لوگ حضرت حسینؑ کی آمد کے لئے چشم براہ رہتے تھے لیکن جب وہ تشریف لے آئے تو ہم نے ان کے ساتھ غفلت برتی۔ وہ ہمیں بلا رہے تھے اور ہم کوئی جواب نہ دیتے تھے آخر کو وہ ظالموں اور فاسقوں کے نیروں اور نیروں سے ہمارے قرب میں شہید ہو گئے اور شہادت کے بعد ان کے کپڑے اناڑ لئے گئے۔ اب خداوند تعالیٰ کا غضب جوش میں آیا ہے چاہتا ہے اس لئے عہد کر لو کہ جب تک انتقام نہیں لے لو گے اپنی بیویوں سے الگ رہو گے۔ خدا کی قسم جب تک کہ قاتلانِ حسینؑ کو ٹھکانے نہیں لگا دو گے یا اپنی جانیں نہیں دیدو گے خداوند تعالیٰ تم سے ناراض رہیگا اپنی تلواروں پر دھار رکھ لو۔ اپنے نیزے ٹھیک کر لو اور سامان جنگ کی پوری طرح تیاری کر لو تاکہ جب تمہیں پکارا جائے تو فی الفور میدان میں آ جاؤ۔“ (تاریخ طبری جلد ہفتم ص ۸۸)

یہ اور اس قسم کی دوسری تقریروں نے حاضرین میں عجیب جوش پیدا کر دیا اور وہ ایک آنے والے کے ساتھ اپنے اپنے گھروں کو چلے گئے۔ اس کے بعد بھی اکثر ان کے اجتماع ہوتے رہے اور خفیہ خفیہ انہوں نے تحریکِ انتقام جاری کر دی۔ اس سلسلے میں کوفہ کے علاوہ بصرہ، مدائن اور

عراق کے باہر بھی انہوں نے اپنے داعی بھیجے اور اس مقصد کے لئے متعدد خطوط لکھے جن میں سے ایک خط کا اقتباس درج ذیل ہے۔

”ہم لوگوں نے ابن رسول اللہ کو دعوت دے کر بلایا لیکن جب وہ تشریف لے آئے تو ان کی کوئی مدد نہ کی جاسکی۔ انہوں نے واپس جانے کا ارادہ ظاہر کیا مگر انہیں نہ جانے دیا گیا۔ انہیں امان دینے سے انکار کر دیا گیا۔ انہوں نے کہا کہ مجھے میرے حال پر چھوڑ دو مگر ان کی بات نہ سنی گئی بلکہ ان پر پلٹا کر کے شہید کر دیا گیا۔ ان کا لباس تک اتار لیا گیا اور ان کے جسم کو ننگا ڈال دیا گیا۔ ان واقعات پر غور و خوض کرنے کے بعد ہماری جماعت شدت کے ساتھ محسوس کر رہی ہے کہ ہم لوگوں سے ان کی امداد سے دست کش رہنے میں بہت بڑا گناہ ہوا ہے اس کے کفائے کی ایک ہی صورت ہے اور وہ یہ کہ قاتلین حسین کو ہلاک کر ڈالیں ورنہ خود بھی موت کے منہ میں جا پڑیں۔ ہم سب اس کے لئے تیار ہیں آپ لوگ بھی تیار ہی کر لیں۔ اور نیم ذبیحہ الثانی ص ۶۵ کو غیلہ کے مقام پر سب جمع ہو جائیں۔“

(تاریخ طبری جلد ہفتم ص ۱۹۱)

ان خطوط کے جواب میں ہر جانب سے نہایت مصلحت افزا خط موصول ہوئے

اور ہزاروں آدمیوں نے خونِ حسینؑ کا انتقام لینے کا عہد کیا۔ آخر یکم ربیع الثانی کی ساعتِ سیدہ آپہونچی اور حسینؑ کے نام پر کٹ مرنے والے گروہ درگروہ نخیلہ میں جمع ہونے لگے۔ ان کی تعداد چار ہزار تھی۔ سب سے پہلے یہ لوگ میدانِ کربلا میں گئے اور حضرت امام حسینؑ کے فرار پر جا کر دھار میں مار مار کر روئے۔ ایک دن اور ایک رات یہ لوگ فرار پر پڑے گریہ و زاری کرتے اور اپنی خطائیں معاف کراتے رہے۔ اسی لئے تاریخ انہیں تو ابین کے نام سے یاد کرتی ہے۔ اس کے بعد ان لوگوں نے شام کا رخ کیا تاکہ قاتلینِ حسینؑ کے سب سے بڑے ذمہ دار بن زیاد اور یزید کو سمجھیں۔ شامی حکومت کو بھی ان واقعات کی اطلاع ہو گئی اور حصین بن نمیر کو بارہ ہزار کا ایک زبردست لشکر دے کر ان کے مقابلے کے لئے روانہ کر دیا گیا۔ ۸ جمادی الاول کو تو ابین اور شامی فوج کا مقابلہ ہوا۔ حالانکہ تو ابین کی تعداد شامی فوج کے مقابلے میں ایک تہائی سے زیادہ نہ تھی مگر جو لوگ اپنی جان مستقبل پر رکھ کر آجائیں انہیں کون موت سے خوفزدہ کر سکتا ہے۔ اس قلتِ تعداد کے باوجود تو ابین نے شامیوں کے چمکے چمرا دیئے اور ان کے بے شمار افراد کو مار گرایا۔ جب شام ہوئی تو جنگ بند ہو گئی۔ دوسرے دن علی الصبح پھر مقابلہ شروع ہوا مگر اس روز آٹھ ہزار شامی فوج اور آٹھ تھی اس لئے شامیوں میں جوش و خروش زیادہ تھا لیکن اس کے

باوجود تو ابین نے بڑی بے جگری سے جنگ جاری رکھی اس جنگ میں
 انہیں زبردست جانی نقصان اٹھانا پڑا مگر اس کے باوجود جب شام ہوئی
 اور جنگ بند ہوئی تو کسی کے پاسے استقلال میں غرور تک نہ آئی تھی ۔
 تیسرے روز پھر مقابلہ ہوا اور اس مقابلے میں پہلے امیر لشکر سلیمان بن مرد شہید
 ہوئے ۔ ان کے بعد عبداللہ بن سعد امیر قرقر پاسے وہ بھی شہید ہو گئے ۔ پھر
 عبداللہ بن وائل نے علم سنبھالا آخر کار وہ بھی شہید ہو گئے ۔ شام کو جب لڑائی
 بند ہوئی تو مسیحی بھڑادی باقی رہ گئے تھے باقی یا تو مارے جا چکے تھے یا
 زخمی ہو گئے تھے ۔ اس طرح تو ابین نے جو عہد کیا تھا وہ کمال مردانگی سے
 پورا کر دکھایا ۔ جب رات ہوئی تو بقیۃ السیف افراد نے فیصلہ کیا کہ اس
 قلیل تعداد کے ساتھ جنگ کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا ہے اس لئے
 ہمیں آئندہ اقدامات کے لئے یہاں سے نکل جانا چاہیے چنانچہ رات کی
 تاریکی میں یہ لوگ میدان جنگ سے نکل گئے ۔

مختار ثقفی کا نعرۂ انتقام

خون حسینؑ کے انتقام کی سب سے زیادہ پُر زور اور موثر کوشش مختار
 بن ابی بید ثقفی کے ہاتھوں انجام پائی یہ وہی شخص ہے جس کے مکان میں
 حضرت مسلم بن عقیلؑ کو فرہوچ کر اتارے تھے ۔ مختار کو فد کے سرکردہ رئیس تھے
 ان کی بہن حضرت عبداللہ بن عمر کو بیاہی تھیں اور خود ان کی شادی رسول اللہ

کے صحابی نعمان بن بشیر گورنر کوفہ کی معاہدہ کی سے ہوئی تھی۔ شجاعت و مردانگی اور فراست و تدبیر کے اعتبار سے بہت کم لوگ ان کے ہم پلہ تھے۔ مورخین نے ان کے دامن شہرت پر بھی طرح طرح کے دافع لگائے اور عجیب عجیب طرح سے انہیں بدنام کیا۔ بعض لغزشوں سے عرف نظر کرتے ہوئے اگر دیکھا جائے تو مختار عرب کے چند بڑے لوگوں میں سے تھے۔ ان کی عظمت کی یہی دلیل کیا کم ہے کہ ان کے ذریعہ سے قاتلین حسینؑ سے نہایت ہترناک انتقام لیا گیا۔ اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان کا یہی عزم ان کی نیک نامی کو داغ دار کرنے کا موجب بنا۔

م شروع میں یہ حضرت عبداللہ بن زبیر کے ساتھ تھے اور جب بن زبیر نے یزید کے حکم سے مکہ پر حملہ کیا تو انہوں نے حضرت ابن زبیر کی طرف سے شامی فوج کا بڑا سخت مقابلہ کیا جب یزید کے انتقال کی خبر آئی تو مختار حضرت امام حسینؑ کے صحابی حضرت محمد بن حنفیہؑ کے پاس گئے اور ان سے خون حسینؑ کا انتقام لینے کی باقاعدہ اجازت حاصل کی۔ اس کے بعد یہ کوفہ کی طرف روانہ ہو گئے۔ کوفہ پہنچ کر انہوں نے عماد بن شہر اور مداحین اہل بیت سے گفتگو شروع کی ہی تھی کہ حکومت شام کے حکم سے گرفتار کر لئے گئے مگر پھر حضرت عبداللہ بن عمرؑ کی سفارش سے سامی مل گئی۔ رہا ہوتے ہی انہوں نے خون حسینؑ کے انتقام کی مساعی جمیلہ کا

از سر نو آغاز کر دیا اور بہت سے لوگوں کو جن میں بعض سربراہان اور وہ لوگ
 جیسے ابراہیم بن اثثر بھی شامل تھے اپنی امداد پر آمادہ کر دیا۔ یہ کیا گیا کہ
 جب تک شہر پر قبضہ نہیں کیا جائے گا اس وقت تک قاتلین حسینؑ سے
 انتقام لینے کی قدرت حاصل نہیں ہو سکتی۔ چنانچہ دینار مع الاول سترہ کی
 ایک تاربخ مقررہ کو مختار اور ابراہیم نے مل کر انقلاب برپا کر دیا اور کوفہ پر
 قابض ہو گئے۔ جب یہ خبر شام پہنچی تو وہاں سے ایک لشکر جرار مقلبلے
 کے لئے روانہ ہوا۔ اس لشکر کا امیر ابن زیاد تھا۔ مختار نے یزید بن السن
 کو ایک مختصر سی فوج دے کر ابن زیاد کی سرکوبی کے لئے بھیجا۔ موصل
 میں ان دونوں فوجوں کا مقابلہ ہوا جس میں ابن زیاد کو شکست ہوئی۔ اسی
 دوران میں یزید بن السن انتقال کر گئے اور ان کے نائب و زقار بن عازب
 نے اس خیال سے کہ ایک نوا میر لشکر فوت ہو گیا ہے دوسرے ہماری
 فوج کی تعداد کم ہے۔ مختار کو مزید امداد کے لئے لکھا۔ مختار نے ابراہیم
 بن مالک اثثر کو ایک جمعیت دے کر وفاق کی مدد کے لئے روانہ کر دیا۔
 ابراہیم کے کوفہ سے نکلنے ہی قاتلین حسینؑ نے مختار کے خلاف سازش
 کی اور یہ سمجھ کر کہ مختار تنہا ہیں بناوت کر دی۔ ان بغاوت کرنے والوں میں
 بیشتر لوگ وہی تھے جو قتل حسینؑ میں پیش پیش تھے مثلاً شمر ذی الجوشن،
 عمرو بن حجاج زہری، محمد بن اشعث اور یزید بن حارث شیبانی وغیرہ۔

مختار نے بڑی سرعت سے ابراہیم کو پیغام بھیجا کہ اپنی جمعیت کے ساتھ فوراً واپس آجاؤ۔
 تیسرے یا چوتھے روز ابراہیم کو نہ پہونچ گئے اور پھر مختار اور ابراہیم نے مل کر قاتلین حسین
 سے ایسا عبرتناک انتقام لیا کہ اس کے تصور سے بھی رنگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں ابراہیم کے
 کو نہ پہنچتے ہی قاتلین حسین اپنے اپنے گھروں میں چھپ گئے مگر مختار نے پولیس کی ایک
 جمعیت مقرر کی جس نے ڈھونڈ ڈھونڈ کر انہیں نکالا اور مختار کے سامنے پیش کیا۔ عمر
 بن سعد کا بیٹا گرفتار ہو کر آیا۔ مختار نے پوچھا کہ تیرا باپ کہاں ہے؟ اس
 نے جواب دیا کہ وہ تو خانہ نشین ہو گئے ہیں۔ مختار نے کہا کہ جس روز فرزند
 رسول میرا ان کو بلا میں امان طلب کرتے تھے اور ان پر تیروں کی بارش کی
 جارہی تھی اس روز کیوں نہ خانہ نشین نہ ہوئے۔ یہ کہہ کر ایک دستہ کو حکم دیا کہ
 ابن سعد کو گرفتار کر کے لے آؤ۔ چنانچہ یہ شخص رسیوں میں جکڑا ہوا مختار
 کے سامنے پیش ہوا۔ مختار نے حکم دیا کہ پہلے اس کے ہاتھ اور پیر کاٹنے
 جائیں پھر کان اور ناک اس کے بعد ٹوکڑے میں بند کر کے تندریش کر دیں
 جائے۔ چنانچہ وہ جابر شخص جو کل تک کسی کو خاطر میں نہ لاتا تھا اور جس
 نے نواسہ رسول کو بھوکا پیاسا شہید کیا تھا۔ تڑپ تڑپ کر مر رہا اس کے
 بعد شمر ذی الجوشن۔ خولی بن یزید اصبحی۔ سنان بن السن۔ قیس بن اشعث
 عبداللہ بن قیس خولانی اور عمران بن خالد غرض ایک ایک قاتل حسین کشاد
 کشاں مختار کے سامنے لا یا گیا اور سب کو اذیتیں دے دے کر ہلاک کر دیا۔

ان میں سے شمر ذی الجوشن کو تو بہت ہی عبرت ناک طریقے سے ہلاک کیا گیا۔ اس کے ہاتھ پر باندھ کر زمین پر ڈال دیا گیا اور پھر جنگی گھوڑے اس پر دوڑا دیئے گئے جنہوں نے اپنی ٹاپوں سے روند روند کر اسے مار ڈالا۔ اسی طرح خولی بن زید کو جو حضرت امام حسینؑ کا سر لے کر کوثر گیا تھا پکڑ کر پہلے روز ہاتھ کاٹے گئے۔ پھر دونوں پیرس کے بعد اسے سولی پر لٹکا دیا گیا۔ بعد ازاں مختار نے کوثر کے پولیس افسر کو حکم دیا کہ پولیس کی ایک جمعیت کے ہمراہ مزدور لے کر جاؤ اور جن جن لوگوں نے واقعہ کر بلا میں شرکت کی تھی ان کے مکان کھدواؤ اور چنانچہ ایک دن میں قاتلین حسینؑ کے سینکڑوں مکان تین دن سے اکھیر کر پھینک دیئے گئے۔ ان واقعات کے لئے ملاحظہ ہو طبری جلد ہفتم

ص ۱۲۲ تا ۱۳۹ اور اخبار الطوال ص ۲۸۶ تا ۲۹۴

ابن زیاد ابھی تک بچا ہوا تھا اور واقعہ کر بلا کا سب سے بڑا مجرم یہی تھا چنانچہ مختار نے اس کی سرکوبی کے لئے ابراہیم بن مالک افسر کو مقرر کیا اور انہیں لشکر دے کر روانہ کیا۔ اس وقت ابن زیاد موصل کے قریب اپنی فوج کے ساتھ خمیزہ بن ثقیف چنانچہ خازر کے مقام پر دونوں میں غول ریز جنگ ہوئی مگر ابن زیاد کی فوج کو شکست ہوئی اور وہ میدان جنگ سے بھاگ نکلا لیکن گرفتار ہوا اور ابراہیم نے اس کا سر کاٹ کر مختار کے پاس بھیج دیا۔ مختار نے اسے محمد بن الحنفیہ کی خدمت میں

روانہ کر دیا۔ راخبار الطوال ص ۲۸۸

عباسی تحریک

حضرت امام حسینؑ کے عقیدت مندوں نے نو اسٹہ رسولؐ اور اہل بیتؑ رسولؐ کے سفاکانہ قتل اور ان پر کئے جانے والے میہمانہ مظالم کا دل کھول کر انتقام لے لیا اور قاتلان حسینؑ میں سے ایک ایک کو چن چن کر قتل کر دیا۔ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کے جھڑپے کے نیچے متحد ہونے والوں نے بھی اس تحریک کو تقویت پہنچائی اور بنو امیہ کے اقتدار کو شدید ضعف پہنچایا مگر یہ کوششیں یہیں تک رہیں اور بنو امیہ کی سلطنت یخ و بن سے نہ افسر کی۔ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کے ساتھیوں نے بنو امیہ کے شدید محاسرے سے مجبور ہو کر ان کا ساتھ چھوڑ دیا۔ اور وہ نہایت بیدری سے شہید کر دیئے گئے اس طرح بنو امیہ کی سلطنت پھر قائم ہو گئی اور اس کے خلاف جاری ہونے والی تحریکوں کو نہایت سختی سے دبایا جاتا رہا مگر یہ تحریکیں بنو امیہ کے شدید مظالم کے باوجود بھی نہ دب سکیں اور عقیدت مندان حسینؑ اس غاصبانہ سلطنت کی اینٹ سے اینٹ بجانے کے لئے برابر اٹھتے رہے۔ ان تحریکوں میں سب سے زیادہ مضبوط تحریک عباسیوں کی تھی۔ محمد بن الحنفیہؑ کے فرزند ابوالاسم اس تحریک کے سربراہ اول تھے۔ ابوالاسم صاحب علم و فضل ہونے کے ساتھ ساتھ بڑے بد پر اور اللہ عز و جل کے

یہ شہادت حسینؑ کے المناک واقع سے بہت زیادہ متاثر ہوئے تھے، انہیں
 ہل جاز میں بڑی قدر و منزلت حاصل تھی اور لوگ انہیں اپنا مذہبی پیشوا تسلیم
 کرتے تھے۔ ابوبہ شتم نے حضرت امام حسینؑ کی شہادت کا انتقام لینے
 اور بوزامیہ کی حکومت کے خاتمے کے لئے ایک تحریک کی ابتدا کی مگر اس
 تحریک کے آغاز ہی میں اموی خلیفہ سلیمان ابوبہ شتم سے بدظن ہو گیا اور ایک
 موقع پر جب وہ اس سے ملنے گئے ہوئے تھے اس نے انہیں زیر و لوٹا
 جس سے واپسی کے وقت راستے میں ان کا انتقال ہو گیا۔ ابوبہ شتم کے
 انتقال کے بعد مشہور صحابی حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے پوتے محمد بن علی
 نے امامت کا دعویٰ کیا اور جنوبی فلسطین کے ایک گاؤں حمیمہ میں ان کی
 بیعت کی گئی۔ اس بیعت میں بہت سے عقیدتمندان حسینؑ بھی شامل تھے
 میرہ بن العبدی، حیان العطار، ابو عکرمہ السراج اور محمد بن حبیش، جنہوں نے
 امام محمد بن علی کے ہاتھ پر بیعت کی عقیدت مندان حسینؑ میں سے نمایاں
 حیثیت کے لوگ تھے۔ (ابن خلدون جلد سوم ص ۱۱۱)

یہ چاروں بڑے ذہین آدمی تھے اور محمد بن علیؑ نے ان کی ذہانت
 سے متاثر ہو کر انہیں عراق اور خراسان میں متعین کر دیا۔ ان علاقوں میں
 عباسی تحریک کے یہ اولین داعی تھے۔ ان چاروں داعیوں نے اس
 تحریک کو بڑی احتیاط کے ساتھ چلایا اور اپنی امداد کے لئے بیانیسی آدمی

مقرر کئے۔ یہ لوگ تاجروں کے محیس میں عراق اور خراسان کے شہروں اور
 قصبوں میں پھیل گئے۔ امام محمد بن علی نے اپنے داعیوں کو ہدایت کر دی
 کہ لوگوں کے سامنے شہادت حسینؑ کے المناک واقعات بیان کر کے
 انہیں انتقام پر آمادہ کرو اور اس کے ساتھ ساتھ اموی حکمرانوں کی بدعالمیوں
 کی اچھی طرح تشہیر کرو نیز لوگوں کو بتاؤ کہ خلافت اہل بیت نبویؐ کا حق
 ہے۔ اس تحریک کے پہلی تین بڑے بڑے ماہر Moto .
 تھے۔ امام محمد بن علیؑ کی ہدایت کے مطابق یہ ساری تحریک پوشیدہ رکھی
 گئی اور ذہین داعیوں نے جن میں بیشتر لوگ فصاحت و بلاغت اور
 طلاقت لسانی میں اپنا جواب نہ رکھتے تھے۔ ایران اور عراق کے علاقوں
 میں شہادت حسینؑ کے واقعات سنا سنا کر آگ لگا دی لوگ ان واقعات
 کو سنتے اور دھڑپیں مار مار کر روتے۔ اموی حکمرانوں اور گورنروں کی بدکرداری
 اس تحریک کو مزید تقویت دینے کا باعث ہوئی۔ کچھ ہی عرصے کے بعد
 حکومت کو بھی اس تحریک کی سرگرمیوں کا علم ہو گیا اور حاکم خراسان نے دو
 عباسی داعیوں ابی عکرمہ اور حیان کو گرفتار کر کے قتل کر دیا۔ ان کے قتل کے
 بعد امام محمد بن علیؑ نے پانچ نئے داعی سلیمان بن کثیر۔ طلحہ بن رزیف
 موسیٰ بن کثیر۔ مالک بن الہیثم اور خالد بن الہیثم مقرر کر کے خراسان
 بھیجے۔ (الدیوری ص ۳۳)

ان لوگوں کی کوشش سے عباسی تحریک میں نئی زندگی پیدا ہو گئی
 وراہوں نے ہزاروں افراد سے امام محمد بن علی کی بیعت لے کر ایک
 لاکھ ان قدر رقم بھی فراہم کر لی۔ ایک روایت کے مطابق اس رقم کا تخمینہ
 بیس ہزار دینار اور دو لاکھ درہم لگایا گیا ہے۔ ۶۳۷ء مطابق ۱۲ھ میں
 امام محمد بن علی کا انتقال ہو گیا اور انتقال سے پہلے انہوں نے اپنے بیٹوں
 ابراہیم ابوالعباس، عبداللہ اور ابو جعفر منصور کو یکے بعد دیگرے اپنا جانشین
 نامزد کیا۔ امام محمد بن علی کے انتقال کے بعد ان کے بیٹے امام ابراہیم کے
 ماتحت بیعت کی گئی اور یہی زمانہ اس تحریک کی مقبولیت کے لئے سازگار
 ثابت ہوا۔ کیونکہ اس دور میں عباسی تحریک کو دو عظیم دمانوں کا تعاون
 حاصل ہو گیا۔ ابومسلم خراسانی اور ابوسلمہ خلال دو ایرانی النسل نوجوانوں نے
 اس تحریک میں شامل ہو کر انقلاب عظیم برپا کر دیا۔ امام ابراہیم بھی ان
 دونوں نوجوانوں کی ذہانت و فراست کے معترف تھے اور انہوں نے
 ابومسلم خراسانی کو تمام دایوں کا سرگروہ بنا دیا۔ اور اسے عباسیوں کا بیاہ علم
 جس کا نام سحاب تھا اپنے دستِ حاص سے سوا کیا۔

قبائلی کشمکش

ابومسلم خراسان میں بیٹھ کر اس تحریک کی تنظیم کرنے لگا۔ اسی دوران
 میں عربوں کے دو مشہور قبیلوں مضر اور یمنیوں کی کشیدگی کی وجہ سے

خراسان کے حالات خراب ہونے لگے۔ خراسان کا اموی حاکم نصر بن سوار
 میانہوں کا دشمن تھا اور میانہوں کا سردار جلدیح بن علی الکرمانی نصر بن سوار
 کے تعصب کی بنا پر اسے تباہ کرنے کے لیے تھا۔ اس کشمکش کا نتیجہ
 یہ نکلا کہ نصر نے میانہوں کے سردار کرمانی کو گرفتار کر کے جیل میں ڈال دیا مگر
 جلدیح میانہوں نے اسے رہا کر لیا اور پھر دونوں میں جنگ شروع ہو گئی
 ابو مسلم خراسانی نے ان حالات سے پوری طرح فائدہ اٹھایا اور ہوامیہ
 شہادت حسینؑ کے المناک واقعہ کا ذمہ دار قرار دیکر میانہوں کو اموی حکومت
 سے اور زیادہ بدظن کر دیا۔ حالات کو اپنے حق میں سازگار دیکھ کر اس
 نے لوگوں کو خلافت اہل بیت کی طرف کھلم کھلا دعوت دینا شروع کر دیا
 مگر چونکہ حاکم خراسان میانہوں کے ساتھ جنگ و جدل میں الجھا ہوا تھا
 اس لئے وہ اس تحریک کے سد باب کے لئے کوئی موثر قدم نہ اٹھا
 رفتہ رفتہ ابو مسلم کے پاس دو لاکھ افراد جمع ہو گئے (الدیوری ص ۳۵۶)
 اس زمانے میں مروان بن محمد اموی حکومت کی مسند پر فائز تھا۔ جب
 اسے اس تحریک کو قوت کی اطلاع ہوئی تو اس نے امام ابراہیمؑ کی گرفتار
 کے احکامات جاری کر دیئے۔ ابراہیمؑ گرفتار کر کے جیل میں ڈال دیے
 گئے اور وہیں ان کی وفات ہو گئی۔ امام ابراہیمؑ کی وفات کے بعد
 کے بھائی ابوالعباس کے ہاتھ پر امامت کی بیعت کی گئی۔ ابوالعباس کی

عباسیوں کے لئے بڑی مبارک ثابت ہوئی کیونکہ اس امامت کے معاً بعد
 ابو مسلم خراسانی بیانیوں کے سردار کرمانی کو اس وعدے پر اپنے ساتھ ملانے
 میں کامیاب ہو گیا کہ وہ حاکم خراسان نصر بن سیار کے مقابلے میں اس کی پوری
 طرح امداد کرے گا۔ مگر اسی دوران میں نصر نے کرمانی کو دھوکے سے قتل
 کر دیا۔ اس واقعے نے بیانیوں کو نصر کے خلاف پھر مشتعل کر دیا اور کرمانی کا بیٹا
 علی، ابو مسلم کے پاس امداد کی درخواست لے کر آیا۔ ابو مسلم نے نہایت
 ہوشیاری سے کام لے کر علی کو اپنے ساتھ ملا لیا۔ اس طرح ہزاروں افراد کی
 ایک طاقت ور اور بہادر جماعت ابو مسلم کے ساتھ ہو گئی۔ اس کے بعد اس
 نے سارے خراسان کے داعیوں کو بغاوت کی تیاری مکمل کرنے کی ہدایت
 کی اور جب یہ تیاریاں مکمل ہو گئیں تو اس نے ۹ جون ۸۱۱ء مطابق رمضان
 ۱۲۹ھ کا دن عام بغاوت کے لئے مقرر کیا اور جب اس مقررہ دن کی
 صبح طلوع ہوئی تو ہر طرف سیاہ علم بلند ہو گئے اور عباسی رضا کار سیاہ کپڑے
 پہنے مسلح ہو کر گھروں سے نکل آئے۔ ابو مسلم خراسانی کی سرکردگی میں عباسی
 تحریک کے افراد اور بیانیوں نے مل کر خراسان کے گورنر نصر پر ایک
 بمباری چلا دی۔ اس جنگ میں نصر کو بڑی طرح شکست ہوئی اور وہ
 اپنے اہل و عیال کو لے کر نکل بھاگا۔ اس طرح خراسان کے اہم ترین شہر
 مرو پر عباسیوں کا علم لہرانے لگا۔ اس کے بعد عباسی فتوحات کا سیلاب

طوس۔ سوذقان۔ نیشاپور۔ جرجان اور دے کی طرف بڑھا اور ہر مقام پر
اموی فوجوں کو شکست دی۔ اسی اثنا میں ربیع الاول ۱۳۱ھ مطابق نومبر
۷۴۸ء میں اموی خلیفہ مروان کی موت واقع ہو گئی اور مروان ثانی خلیفہ ہوا
اب ابو مسلم کی سب سے بڑی کوشش یہ تھی کہ نئے خلیفہ کو استحکام حاصل
ہونے سے پہلے ہی اموی حکومت کو ختم کر دیا جائے۔ چنانچہ اس نے اپنے
جرنیل فخطیب ابن شیبہ کو مغرب کی طرف پیش قدمی کرنے کا حکم دیا اور اس
کے بیٹے ابن فخطیب نے نہادند کا محاصرہ کیا۔ محاصرہ جاری تھا کہ ایک روز
اموی فوج عبداللہ ابن معاویہ کی سرکردگی میں نہادند پہنچ گئی۔ باوجودیکہ اس
فوج کی تعداد ایک لاکھ تھی مگر جب اس کا عباسیوں سے مقابلہ ہوا تو اس
نے بڑی بزدلی کا مظاہرہ کیا اور میدان سے اس طرح بھاگنے لگی جس
چوہے بٹوں میں گھستے ہیں۔ حالانکہ عباسیوں کے ساتھ صرف بیس ہزار فوج
تھے۔ اس کے بعد عباسیوں کا لشکر عراق کی طرف بڑھا اور امیر لشکر فخطیب
اور اموی جرنیل ابن زہبیرہ کے درمیان ۸ محرم ۱۳۲ھ مطابق ۷ مارچ
۷۴۹ء کو کربلا کے قریب نہادند جنگ ہوئی جس میں امویوں کو
شکست کا منہ دیکھنا پڑا۔ اس جنگ میں ہزاروں اموی قتل کئے گئے
طرح عباسیوں کے ہاتھوں کربلا کا انتقام کربلا کے میدان کے قریب
لے لیا گیا اور وہ بھی محرم کے پہلے عشرے میں۔ اور کوفہ میں بھی بغاوت

ہو گئی اور میانوں کے سردار محمد بن خالد بن عبداللہ القسری نے کوفہ پر قبضہ کر لیا۔ امام ابوالعباس جو ابھی تک کوفہ کے ایک عباسی داعی کے گھر میں پوش تھے پہلی بار ظاہر ہوئے اور ۲۸ ذی قعدہ ۱۲۵ھ مطابق ۱۲ ربیع الثانی ۸۳۷ھ کو کوفہ کی جامع مسجد میں کھلم کھلا بیعت لی۔ منبر پر بیٹھ کر خطبہ دیا اور ابوسلمہ خلیل کو اپنا وزیر مقرر کیا۔

جنگ زاب

ہر طرف سے شکست کھاتے ہوئے کھاکر بقیۃ السیاف اموی مروان ثانی کے پاس جمع ہونے لگے اور ایک بڑی اور فیصلہ کن جنگ کی تیاریاں ہونے لگیں۔ یہ جنگ تاریخ میں جنگ زاب کے نام سے مشہور ہے۔ ۱۱ جمادی الثانی ۸۳۷ھ مطابق ۱۲ جنوری ۸۵۷ء کو دریائے زاب کے کنارے اموی حکمران مروان ثانی ایک لشکر ہزار کے ساتھ صحت آرا ہوا اس لشکر میں ایک لاکھ سے زیادہ جنگ آزما تھے۔ عباسیوں کی طرف سے امام ابوالعباس کا چچا عبداللہ مقلبے کے لئے نکلا مگر یہاں بھی امویوں کے قدم نہ جم سکے اور وہ اپنے خلیفہ کو بے یار و مددگار چھوڑ کر مہاجگ کھڑے ہوئے۔ مروان بھی مہاجگا اور شام پہنچ کر پھر مقلبے کی تیاریاں کرنے لگا۔ عبداللہ نے بھی اپنے لشکر کو شام کی طرف کوچ کرنے کا حکم دیا اور دمشق پہنچ کر شہر کا محاصرہ کر لیا۔ شام بنو امیہ کا مستقر تھا اور یہاں وہ طویل عرصے سے

حکمرانی کر رہے تھے ان کی ایک بڑی تعداد یہاں آباد تھی باس لئے خیال تھا کہ عباسی شام میں کامیابی حاصل نہیں کر سکیں گے۔ یہاں مروان کے جھنڈے کے نیچے سو لاکھ کی جمعیت تھی جس میں سے پچاس ہزار تو صرف اموی تھے مگر یہ دیکھ کر حیرت ہوتی ہے کہ جب دونوں فوجوں کا مقابلہ ہوا تو امویوں نے بڑی بزدلی کا مظاہرہ کیا۔ ہزاروں آدمی گاجرمولی کی طرح کاٹ دیئے گئے اور باقی نامردوں کی طرح بھاگ کھڑے ہوئے۔ اس طرح اموی حکومت کا دارالخلافہ بھی ان کے ہاتھ سے نکل گیا۔ مروان یہاں سے بھاگ کر مصر پہنچا۔ عباسیوں نے یہاں بھی اسے چین سے نہ بیٹھنے دیا۔ اور مصر پہنچ کر اسے ایک گرجا کی عمارت سے جہاں وہ عباسیوں کے در سے روپوش تھا گرفتار کر کے ۳۶۱ھ مطابق ۱۵ اگست ۹۷۸ء کو قتل کر دیا اور اس کے سر عباسی خلیفہ ابوالعباس کے پاس بھیج دیا۔

عبرت ناک انتقام

اس ہنگامہ داروگیر میں چھ لاکھ اموی تو صرف ابوسلم خراسانی اور اس کی فوج کے ہاتھوں قتل کئے گئے۔ اموی خاندانوں کے سرداروں اور خصوصاً شاہی خان دان کے ایک ایک فرد کا چن چن کر کام تمام کیا گیا عراق اور شام میں سکڑوں جاسوس یہ معلوم کرنے کے لئے متعین کئے گئے کہ حضرت امام حسینؑ کی شہادت میں حصہ لینے والوں میں سے کوئی باقی تو نہیں رہا ہے۔

جس پر ذرا بھی شبہ ہوا اسے بڑے اذیت ناک طریقے سے ہلاک کیا گیا ۔
 بنو امیہ کے بہتر نمونہ کردہ افراد کو ابوالعباس نے ایک دعوت میں مدعو کیا مگر
 پیشتر اس سے کہ وہ دسترخوان پر بیٹھتے ابوالعباس کے اشارے سے
 سب کی گردن مار دی گئی اور پھر ان کی تڑپتی ہوئی لاشوں پر چٹائیاں بچھا
 کر ابوالعباس نے اپنے ہم جلسوں کے ساتھ کھانا کھایا ۔ (الفخری ص ۱۳۵)
 اس پر بھی آتش انتقام فرو نہ ہوئی تو عباسیوں نے حکم دیا کہ اموی بادشاہوں
 کی قبریں کھود کر ان کی لاشیں نکال لی جائیں چنانچہ مزید بن معاویہ اور ہشام
 بن عبدالملک کی لاشیں نکال کر انہیں ذرا آتش کیا گیا اور پھر ان کی خاک
 ہتھیلی پر رکھی اور پھونک مار کر ہوا میں منتشر کر دی تاکہ ان کا نشان تک
 باقی نہ رہے بلاشبہ یہ بڑا سخت انتقام تھا کہ زندہ تو زندہ مردوں کو بھی
 معاف نہ کیا گیا ۔ لیکن بنو امیہ کا جرم بھی کچھ کم نہ تھا ۔ خاندان رسالت کے
 افراد پر جو مظالم کئے گئے اور میدان کربلا میں نواسہ رسولؐ اور آپ کے
 رفقاء کو جس بے دردی سے ذبح کیا گیا اس کا انتقام اگر اس سے بھی زیادہ
 سخت ہوتا تو تعجب نہ تھا ۔ اس میں شبہ نہیں کہ بنو امیہ کے خلاف جو تحریک
 جاری کی گئی دھننی اس نے جلد ہی خواہش اقتدار کی صورت اختیار کر لی اور یہ
 موقع اس تفصیل کا نہیں کہ اہل بیت کی خلافت و امامت کی دعوت دینے
 کے باوجود عباسی مسند حکومت پر کیسے فائز ہو گئے ؛ مگر اس حقیقت

سے انکار ممکن نہیں کہ بنو امیہ کی تباہی میں خون حسینؑ کے نعرہ انتقام کو
 بڑی اہمیت حاصل ہے اور یہی نعرہ شروع سے آخر تک اس تحریک
 میں کار فرما رہا۔ اس طرح وہ حکومت جس کی بنیاد اس کے بانی نے
 نسلی عنیبت پر رکھی تھی عنیبت ہی کے ہاتھوں نہایت دردناک
 طریقے سے نیست و نابود ہو گئی۔ قاع تبر وایا اولی الالبصار۔

امارتِ معاویہ و نیزید

امارت معاویہ و یزید

کچھ عرصہ ہوا کراچی سے ایک کتاب خلافت معاویہ و یزید کے نام سے شائع ہوئی تھی جس کے مولف جناب محمود احمد صاحب عباسی ہیں۔ کتاب دراصل ان لوگوں کے رد میں لکھی گئی ہے جو خلفائے ثلاثہ سے پیروی کا اظہار کرتے ہیں اس لئے اس میں مناظرانہ رنگ پیدا ہو جانا ایک قدرتی بات تھی لیکن اگر بات یہیں تک رہتی تو غنیمت ہوتا اسنو اس بات کا ہے کہ مولف نے ان بزرگ شخصیتوں پر بھی اتنا ڈال دیا جن کی عزت و حرمت کرنا ہمارے مذہب ہی کا جزو نہیں ہے بلکہ ان بزرگوں کی پاکیزہ زندگیاں بلند کردار اور عظیم الشان خدمات بھی اس کی متقاضی ہیں اور جن کی عظمت کے اعتراف پر امت مسلمہ گزشتہ

چودہ سو سال سے متفق ہے۔ ہم جانتے ہیں کہ سینکڑوں سال سے
 خلفائے ثلاثہ کی شان میں جو گستاخیاں کی جا رہی ہیں یہ اسی کار و عمل
 ہے لیکن اگر ایک عیسائی آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق تاریخی
 کلمات استعمال کرے تو کیا ہم اس کے جواب میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام
 کو گالیاں دینا شروع کر دیں گے؟ قصور تو ان کا ہے جنہوں نے حضرات
 خلفائے ثلاثہ پر بہتان باندھنا اپنی زندگی کا شعار بنا لیا ہے حضرت علی
 یا حضرت امام حسینؑ نے تو کبھی ان بزدلوں کی ہتک نہیں کی بلکہ سارے
 عمران کے سمندر واد رہی خواہ رہے۔ پھر ہم ان پاکیزہ شخصیتوں
 پر بیت ملامت بنا کر اپنے انتقام کی آگ کیسے ٹھنڈی کر سکتے ہیں
 اگر خلفائے ثلاثہ کا مرتبہ گنہگارنے والے خطاکار ہیں تو حضرت علیؑ اور
 امام حسینؑ کی تنقیص کرنے والے بھی اسی قدر مجرم ہیں۔ آنحضرتؐ
 میں فرق کیا ہوا؟ لیکن مؤلف نے حضرت علیؑ اور حضرت امام حسینؑ
 الزامات لگائے ہیں اور بیزید کی جس طرح طرح ملامتی کی ہے اگر
 اس کے ثبوت میں تاریخ سے دلائل بھی پیش کر دیتا تو شاید اس
 اس اقدام سے چشم پوشی بھی کر لی جاتی لیکن افسوس تو اس کا
 مؤلف نے بغض اہل بیت میں دیانت و امانت کا دامن بھی ہاتھ
 چھوڑ دیا اور تاریخ کو جس قدر بگاڑ سکتے تھے بگاڑا۔ حوالوں میں کتر بیوں

کرنے اور سیاق و سباق کو دانستہ نظر انداز کر کے اپنے مطلب کی بات اڑالینے کا کوئی موقع انہوں نے ہاتھ سے نہیں جاتے دیا شاید اس لئے کہ اس کے بغیر وہ اپنا مقصد حاصل کرنے میں ناکام رہتے۔ یہی نہیں انہوں نے اس کتاب کے ذریعہ سے امت کے دو فرقوں میں آتش بغض و حسد مشتعل کرنے کی بھی سرٹوڈ کوشش کی اور ایک کتاب کے حوالے سے ایک مخصوص فرقے کے متعلق یہاں تک لگو دیا کہ :-

"تمام علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ ہیں کذب بیانی

اہل قبلہ کے تمام گروہوں سے زیادہ ہے۔

(خلافت معاویہ و غیرہ ص ۱۳۳)

ایک فرد یا چند افراد کو نہیں بلکہ ایک پورے فرقے کو کاذب کہنا نہ صرف یہ کہ واقعات کے خلاف ہے بلکہ ملی استحکام کو سخت ضعت پہنچانے کا باعث ہے۔ کوئی فرقہ کوئی مذہب اور کوئی ملک ایسا نہیں جس میں سچے اور جھوٹے، اچھے اور برے دونوں طرح کے لوگ نہ ہوں۔ صرف ان چند فرقوں سے مولف کی ذہنیت کا اندازہ ہو جاتا ہے اور حقائق معلوم ہوتا ہے کہ وہ سخت قسم کا متعصب شخص ہے۔ ظاہر ہے کہ ایسے مصنف یا مولف سے جو غیر جانبدار نہ ہو اور کتاب لکھنے سے پہلے ہی کسی فرقے کے متعلق متعصبانہ نظریہ

قائم کر لے کسی صحیح بات کی توقع کیونکر کی جاسکتی ہے۔ چنانچہ اس کتاب کا مطالعہ کرنے کے بعد ہر منصف مزاج قاری محسوس کرے گا کہ ساری کتاب ایک خاص نقطہ نگاہ سے لکھی گئی ہے جس کی تہہ میں گہرے فرقہ وارانہ تعصب کا رفرما ہے۔

ان سطور میں اتنی گنجائش تو نہیں ہے کہ مولف کی ہر بات کا جواب دیا جائے اس کے لئے ایک علیحدہ تالیف کی ضرورت ہے اس لئے آئندہ صفحات میں ہم اس کتاب کے مندرجات کے صرف ان حصوں پر بحث کریں گے جو بنیادی حیثیت رکھتے ہیں اور صرف ان ہی ماضی پر انحصار کریں گے جنہیں خلافت معاویہ و یزید کا مولف معتبر و مستند قرار دیتا ہے ورنہ ہمارے پاس ایسے حوالوں کا انبار لگا ہوا ہے جو ہیں تو ہیں مگر مولف "خلافت معاویہ و یزید" انہیں اپنی مخصوص مصلحتوں کی بنا پر مستند قرار دینے سے انکار کریں گے۔

طبری کا مسلک

اس کتاب کی ابتدا ہی غلط بیانی سے ہوتی ہے چنانچہ آغاز کتاب میں جو مقدمہ شامل کیا گیا ہے اس میں مشہور مورخ محمد بن جریر طبری کے متعلق لکھا ہے کہ وہ شیعہ مسلک سے تعلق رکھتا تھا ملاحظہ ہو مقدمہ کتاب خود مولف کتاب نے بھی طبری کو شیعہ لکھا ہے اور اس پر بار بار اصرار

کیا ہے (ملاحظہ ہو صفحہ ۲۷، ۲۸، ۲۹، ۳۰، ۳۱، ۳۲، ۳۳)

عام حالات میں اس بات کو کوئی اہمیت نہ دی جاتی کہ مولف کس موزع کو کون سے فرقے سے وابستہ کر رہا ہے لیکن اس موقع پر اس کا طبری کے مسلک کا تعین ایک گہری چال ہے۔ اسے معلوم تھا کہ سیدنا حضرت امام حسینؑ کی شہادت کے واقعات سب سے زیادہ تفصیل کے ساتھ طبری ہی نے بیان کئے ہیں اور بعد کے موزعون نے بھی ان واقعات کے بیان میں طبری ہی پر انحصار کیا ہے چونکہ یہ واقعات مولف کے مقاصد کے خلاف جا رہے تھے، اس لئے اسے ایک ہی راستہ نظر آیا کہ طبری کو شیعہ قرار دے دیا جائے تاکہ یہ ساری عمارت ہی منہدم ہو جائے اور لوگ اسے غیر معتبر سمجھ کر اس کی بیان کردہ روایات کی طرف التفات ہی نہ کریں پیشتر اس سے کہ ہم داخلی اور خارجی شہادتوں سے طبری کا مسلک ثابت کریں۔ خود مولف کے ایک معتبر اور ثقہ گواہ سے شہادت والا دینا مناسب سمجھتے ہیں۔ مولف ابن خلدون کی تاریخ دانی کے بے حد مغرور ہیں۔ چنانچہ "عرض مولف" کے تحت لکھتے ہیں کہ

..... "سچ کو جھوٹ سے تمیز" کرنے کی یا وضعی روایتوں اور
 عبارات کو جو کتب تاریخ میں مذکور ہیں نقد و رایت سے
 جانچنے کی کوشش سوائے علامہ ابن خلدون کے کسی اور

نے نہیں کی۔ (ص ۳)

اسی طرح حصہ ۳ پر ابن خلدون کو "امام المورخین" کے نام سے یاد کیا ہے اب دیکھئے یہ امام المورخین اور روایات کو نقد و درایت سے جانچنے والے "تہا مورخ طبری کے متعلق کیا فرماتے ہیں۔

میں نے جو حالات کلی یا جزوی طور پر قلم بند کئے ہیں وہ اکثر و

بیشتر محمد بن جریر الطبری کی تاریخ کیسیر کی تلخیص ہیں کیونکہ فن

تاریخ پر جس قدر کتنا ہیں میری نظر سے گزری ہیں ان سب

میں سے مجھے صرف یہی کتاب اعتماد کے قابل معلوم ہوئی اور

میں نے دیکھا کہ اس کتاب میں اکابر امت صحابہ اور تابعین

کو دشنام دہی سے اختراذ کیا گیا ہے۔ بیشتر مورخین کے یہاں

ایسی روایات ملتی ہیں جن سے ان بوگزیہ شخصیتوں کے

متعلق خیالات قاسد پیدا ہوتے ہیں اس لئے ایسی کتابیں لائق

اعتنا نہیں۔ تاریخ ابن خلدون جز ثانی حصہ دوم ص ۱۸ مطبوعہ مصر

آپ نے دیکھا کہ مولف کا محبوب اور مقرب ترین مورخ کبھی امام المورخین

کس طرح طبری کی تاریخ والی کا معترف ہے اور اس کی کتاب کو

ساری کتابوں میں قابل اعتماد قرار دیتا ہے اور اعتراف کرتا ہے کہ اس

کی کتاب دراصل تاریخ طبری کا خلاصہ ہے۔

بھی نہیں بلکہ یہ بھی کہتا ہے کہ یہ کتاب صحابہ کے متعلق و شام طرزی سے پاک ہے وہ دوسرے مورخوں کو بھی مشورہ دیتا ہے کہ اسی کتاب سے استفادہ کرو کیونکہ اس کے علاوہ بیشتر کتابوں کی روایات سے تاریخ کی بزرگ شخصیتوں کے متعلق حیا لایت فاسد پیدا ہوتے ہیں اس لئے وہ قابل اعتبار نہیں ہیں مگر "خلافت معاویہ و یزید" کے مولف فرماتے ہیں کہ طبری شیعہ تھا اس لئے اس کی روایات ناقابل اعتبار ہیں اور اس نے واقعات کی چھان بین نہیں کی اس کا فیصلہ قارئین ہی کر سکتے ہیں کہ مولف "خلافت معاویہ و یزید" بڑا مورخ ہے یا "امام المورخین" ابن خلدون ۹ اور دونوں میں سے کسی کی بات تسلیم کی جائے۔ مولف کا گواہ خود ان کے خلافت جبار ہے۔ اب ہم ایک اور مورخ ابن کثیر کی گواہی پیش کرتے ہیں اور اتفاق سے یہ مورخ بھی مولف کو بے حد محبوب ہے اور انہوں نے اپنی کتاب میں جس مورخ کے سب سے زیادہ واسلے درج کیے ہیں وہ بھی "نعمش فہمت" ابن کثیر ہے۔ وہ طبری کے متعلق لکھتا ہے کہ۔

"ابن جریر طبری روایات کے حفاظ اور ائمہ میں سے تھے"

(البدایہ والنہایہ جلد ہشتم ص ۲۰۲)

لیکن ابھی ایک بار ایک سا پرودہ درمیان میں باقی ہے یعنی طبری

کی شیعیت کے متعلق تصریح نہیں ہوئی۔ اب وہ پودہ بھی اٹھتا ہے۔ برصغیر پاک و ہند کے ایہ ناز مودرخ علامہ شبلی نعمانی فرماتے ہیں کہ:-

”ابو جعفر محمد بن حزیق الطبری المتوفی ۳۲۰ھ۔ یہ حدیث وفقہ میں بھی امام مانے جاتے ہیں چنانچہ ائمہ اربعہ کے ساتھ لوگوں نے ان کو مجتہد کے زمرہ میں شمار کیا ہے۔ تاریخ میں انہوں نے ایک نہایت بسیط کتاب لکھی جو ۱۳ ضخیم جلدوں میں ہے اور یورپ میں مقام لندن نہایت صحت اور انتظام کے ساتھ چھپی ہے۔“ (الفاروق حصہ اول ص ۵ مطبوعہ تحلی پریس دہلی)

گویا طبری بلند پایہ مورخ ہی نہیں تھے بلکہ حدیث وفقہ کے امام بھی تھے اور ہمارے چار اماموں کے ہم پایہ بلکہ انہیں کے زمرے میں سے تھے مگر خلافت معاویہ و یزید کے مولف کو اصرار ہے کہ نہیں طبری شیعہ تھے کہیں ایسا تو نہیں کہ طبری کو اہل سنت کا امام کہنے والے اور ثقہ مورخ جانتے والے علامہ ابن خلدون۔ علامہ ابن کثیر اور علامہ شبلی ہی شیعہ ہوں؛ اب مولف کو ایک کتاب اس موضوع پر لکھنی چاہیے۔ ہم نے بے لاگ تحقیق و ریسرچ کا ایک نیا میدان انہیں دیدیا ہے۔

یہاں تک تو ہم نے طبری کے مسلک کے متعلق خارجی شہادتوں سے بحث کی۔ اب ہم داخلی شہادتیں پیش کرتے ہیں۔ یعنی طبری کی کتاب سے

ایسی عبارتیں نقل کرتے ہیں جو ان کے حنفی المسلک ہونے کی بین دلیل ہیں۔ اسلام اور تاریخ اسلام کا ایک ادنیٰ طالب علم بھی جانتا ہے کہ شیعہ حضرات کا عقیدہ ہے کہ دنیا میں رسول اللہ کے بعد سب سے پہلے مسلمان حضرت علیؑ ہیں اور جن امور میں دونوں ایک دوسرے سے بنیادی اختلاف رکھتے ہیں ان میں سے حضرت علیؑ کا سابق فی الاسلام ہونا نہ فرہست ہے۔ گذشتہ سیکڑوں سال سے یہ مسئلہ دونوں فرقوں میں نزاع کا موضوع بنا ہوا ہے کہ سب سے پہلے حضرت علیؑ نے اسلام قبول کیا یا حضرت ابوبکرؓ نے۔ اہل سنت کے نظریے کے مطابق حضرت ابوبکرؓ سب سے پہلے اسلام لائے۔ اب اگر طبری بھی حضرت ابوبکرؓ کے سابق فی الاسلام ہونے کی روایات درج کرتا ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ شیعہ نہیں تھا، ملاحظہ فرمائیے وہ کہتا ہے کہ:-

”زید بن ارقم راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر سب سے پہلے حضرت علیؑ مشرف باسلام ہوئے جب میں نے یہ بات نخعی سے کہی تو انہوں نے اس کی تردید کی اور کہا کہ نہیں سب سے پہلے حضرت ابوبکرؓ مشرف باسلام ہوئے“
(تاریخ طبری ص ۱۱۹ جلد اول حصہ سوم مطبوعہ ۱۸۹۱ء بریل)
پھر ایک اور روایت بیان کرتے ہیں کہ:-

واقعی کا بیان ہے کہ ہمارے دوست اس امر پر متفق ہیں کہ
 حضرت علیؑ بشت نبویؐ کے ایک سال بعد شرف بہ اسلام
 ہوئے۔ (تاریخ طبری ۱۱۶۵ جلد اول حصہ سوم مطبوعہ ۱۸۸۱ء بریل)
 اس روایت کی رو سے گویا حضرت علیؑ کا نمبر دوسرا تیسرا یا چوتھا بھی
 نہیں آتا۔ ایک سال کے بعد جب پوری جماعت کی جماعت اسلام لا چکی
 تھی طبری کے خیال کے مطابق اس کے بعد حضرت علیؑ ایمان لائے
 کیا یہ شیعہ عقیدہ ہے ؟

طبری اس پر پس نہیں کرتے اور سنیے۔
 "شیعی روایت کرتے ہیں کہ میں نے ابن عباس سے دریافت
 کیا کہ سب سے پہلے کس نے اسلام قبول کیا؟ اس پر انہوں
 نے کہا کہ کیا تم نے حسان بن ثابت کے یہ شعر نہیں سنے؟
 اچھر شعر درج کیے ہیں کہ ان کا ترجمہ حسب ذیل ہے) جب کسی
 مسند کا اچھے رنگ میں ذکر کرو تو ابوبکرؓ کو ان کی خدمات کی
 وجہ سے ضرور یاد کرو۔
 رسول اللہ کے بعد خلق اللہ میں وہ سب سے زیادہ خدا
 سے خوف کرنے والا عدل قائم کرنے والا اور اپنے فرائض
 منصبی کو پوری طرح ادا کرنے والا تھا۔

وہ رسول اللہ کا دوسرا متبع تھا جس کی خدمت رسولؐ میں حاضری ہمیشہ
تختین کی مستحق قرار پائی اور وہ پہلا شخص تھا جس نے رسولؐ خدا کی
تصدیق کی (یعنی ایمان لایا)

تاریخ طبری ۱۱۷۵ حصہ اول جلد سوم مطبوعہ ۱۸۸۱-۱۸۸۲ء (بریل)
کیا حضرت ابو بکرؓ کی اس شان سے شہادۂ صفت کوئی شیعہ کہہ سکتا ہے؟
اور سنیئے اور

عمر و بن عبسہ نے بروایت حضرت ابن عباسؓ بیان کیا کہ
رسولؐ خدا عکاظ میں مقیم تھے یہاں ان کی خدمت میں حاضر ہوا
اور عرض کیا کہ یا رسول اللہؐ دعوت اسلام میں (میں سے پہلے)
کس نے آپ کی تصدیق کی؟ حضورؐ نے فرمایا کہ دو آدمیوں
نے۔ ان دونوں میں سے ایک آزاد شخص ہے اور دوسرا
غلام ابو بکرؓ اور بلالؓ۔

تاریخ طبری ۱۱۷۶ حصہ اول جلد سوم مطبوعہ ۱۸۸۱-۱۸۸۲ء (بریل)
اہل تشیع اور اہل سنت میں دوسرا اختلافی مسئلہ حضرت علیؓ کی بیعت کا
ہے۔ شیعہ حضرات کے عقیدے اور نظریے کے مطابق حضرت علیؓ
منصوص من اللہ امام تھے خلافت ان کا حق تھا۔ انہوں نے کسی کی
بیعت نہیں کی اور نہ وہ ایسا کر سکتے تھے کیونکہ یہ امر (بقول شیعہ حضرات)

حکم خداوندی کے خلاف تمقاہ شیعہ دنیا کی ہر بات تسلیم کر سکتا ہے مگر یہ
 کبھی تسلیم نہیں کر سکتا کہ حضرت علیؓ نے حضرت ابو بکرؓ یا دوسرے خلفاء
 کی بیعت کر لی تھی۔ اگر طبری ایسی روایت پیش کرتا ہے جس میں حضرت
 علیؓ کا حضرت ابو بکرؓ کی بیعت کرنا بیان کیا گیا ہے تو وہ کبھی شیعہ نہیں
 ہو سکتا۔ اب اس کی روایت دیکھئے وہ لکھتا ہے کہ :-

”حبیب ابن ثاپت راوی ہیں کہ حضرت علیؓ اپنے مکان میں بیٹھے
 تھے کہ ایک شخص ان کے پاس آیا اور کہا کہ حضرت ابو بکرؓ لوگوں
 سے مسجد میں بیعت لے رہے ہیں یہ سن کر آپ اسی وقت
 صرف قمیض پہنے اور بغیر چادر و ازار کے اٹھ کھڑے ہوئے
 اس خیال سے کہ وہ بیعت کرنے میں دوسروں سے

نیچے نہ رہ جائیں مسجد میں جا کر حضرت ابو بکرؓ کے ہاتھ پر
 بیعت کی اور انہیں کے قریب بیٹھ گئے پھر ایک شخص
 کو اپنے گھر بھیج کر باقی کپڑے منگوائے اور پہی کر وہیں بیٹھے
 رہے۔“ (تاریخ طبری ص ۱۸۲۵ مطبوعہ ۱۸۹۰ء بیروت)

صرف یہی نہیں کہ طبری نے حضرت علیؓ کا حضرت ابو بکرؓ کی بیعت
 کرنا بیان کر دیا بلکہ یہ بھی دکھا دیا کہ یہ بیعت انہوں نے کسی خوف
 یا تقیہ کی وجہ سے نہیں کی تھی بلکہ بیعت میں جلدی اس وجہ سے تھی

ہ اس نیک کام میں دوسروں سے پیچھے نہ رہ جائیں نہ خط کشیدہ الفاظ
 ہر پڑھ لیجئے یہ چند روایات ہیں جو ہم نے طبری کی کتاب سے پیش کی
 ہیں ورنہ اس قسم کی روایات کا اس کے ہاں بڑا ذخیرہ ہے ہم حیران
 ہیں کہ خلافت معاویہؓ و یزیدؓ کے مولف کو کیا ہو گیا کہ وہ ایک ایسے شخص
 و شیعہ قرار دیتا ہے (صرف اپنے مطلب کے لئے) جو حضرات خلفائے
 ثلاثہ کی اسلامی خدمات کا معترف ہے حضرت ابوبکرؓ کا سابق فی الاسلام
 ہونا بیان کرتا ہے۔ حضرت علیؓ کو حضرت ابوبکرؓ کی بیعت کرتا دکھاتا ہے۔
 حضرت عمرؓ اور دوسرے صحابہ کو رسول اللہؐ کا جان نثار ثابت کرتا ہے۔
 ان بزرگوں کے عدل و انصاف کے قصیدے پڑھتا ہے ان کے تقویٰ،
 نیکی اور پرہیزگاری کی روایتیں بیان کرتا ہے۔ رسول اللہؐ کی زبانی ان کو
 جنت کی بشارت دیتا ہے اور کہتا ہے کہ رسول اللہؐ نے (ابوبکرؓ سے)
 فرمایا کہ "انت عتیق من النار" (تم دوزخ کے عذاب سے آزاد
 ہو) (ملاحظہ ہو تارخ طبری ص ۲۱۳ مطبوعہ سنہ ۱۹۹۷ء بریل)

اگر شیعوں کے عقائد و نظریات یہی ہیں تو ان میں اور حنفیوں میں فرق
 ہی کیا ہے؟ کاش مولف طبری کو شیعہ لکھنے سے پہلے تارخ طبری کے
 ان حصوں پر بھی ایک نظر ڈال لیتا جو بطور بالا میں ہم نے پیش کئے ہیں۔

سے بانجبر نہیں کیا۔

حقیقت یہ ہے کہ ازالۃ الخفا اور مہاجج السنۃ دونوں کتابیں ان
 لوگوں کے زعم میں لکھی گئی ہیں جو خلفائے ثلاثہ کے مخالف ہیں، اگرچہ بعد
 کی فضیلت کا تو قائل ہو مگر عمر کے حق میں زبانِ طعن و راند کرے تو اس کے
 ماننے بکر کی نہیں بلکہ عمر کی فضیلت سے تعلق رکھتے والی روایات
 پیش کی جائیں گی کیونکہ ثبوت اسی چیز کا دیا جاتا ہے جس کا انکار کیا جائے
 ہی وجہ ہے کہ ان دونوں کتابوں میں خلفائے ثلاثہ کی فضیلت اور
 استحقاقِ خلافت کا ثبوت پیش کیا گیا ہے کیونکہ مخاطب انہیں حضرات
 کے مخالف اور انہیں کی فضیلت کے منکر ہیں، حضرت علیؓ کو تو وہ پہلے
 ہی افضل اور مستحقِ خلافت مانتے ہیں مگر چونکہ یہ دونوں بزرگ حضرت
 شاہ ولی اللہ محدثؒ دہلوی اور حضرت امام ابن تیمیہؒ رحمہما اللہ
 اور تاریخ سے بانجبر تھے اور ان کے دلوں میں اہل بیت کا احترام تھا
 اس لئے انہوں نے غلط فہمی ثلاثہ کے اثباتِ خلافت کے ساتھ
 ساتھ حضرت علیؓ کی خلافت کو بھی نظر انداز نہیں کیا اور نہ ہی بیتِ واضح
 الفاظ میں ان کی خلافت کو خلافتِ حق قرار دیا مگر "خلافت معاویہ و یزید"
 کے مولف نے ہر جگہ ان دونوں بزرگوں کی کتابوں کے وہ حصے تو
 پیش کر دیئے جن میں انہوں نے مخالفین کے اعتراضات کا اصرار ہی کیا

دیا تمنا یاد و مسروں کے خیالات بیان کئے تھے لیکن وہ حصے دانستہ نظر انداز کر دیئے جن سے حضرت علیؑ کی عظمت ظاہر ہوتی تھی اور ان کی خلافت کا اثبات ہوتا تھا۔ صرف ایک مثال سے حقیقت واضح ہو جائے گی مولانا حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کی کتاب ازالۃ الخفا کا حوالہ دیتے ہوئے لکھتا ہے کہ :-

”خلافت حضرت مرتضیٰ کے لئے قائم نہیں ہوئی کیونکہ اہل حل و عقد نے اپنے اجتہاد سے اور مسلمانوں کی نصیحت کی غرض سے ان کی بیعت نہیں کی“ (خلافت معاویہؓ و یزید ص ۱۷)

مولف کے یہ الفاظ پڑھ کر ہر شخص یہی نتیجہ نکالنے پر مجبور ہے کہ خیالات حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ کے ہیں حالانکہ امر واقعہ یہ نہیں ہے دراصل شاہ صاحب جنگ جمل کے واقعات بیان کر رہے ہیں اور نہ ہی یہ ہے کہ ائمہ المومنین حضرت عائشہؓ، حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ حضرت علیؑ کے مقابلے میں کیوں صف آرا ہوئے۔ اس کی وجہ بیان کر رہے ہیں کہ وہ فرماتے ہیں کہ ان حضرات نے دو شبہات کی وجہ سے حضرت علیؑ کی مخالفت کی یعنی ان کا خیال تھا کہ حضرت علیؑ کی خلافت ابھی قائم نہیں ہوئی ہے اور اب اہل حل و عقد نے ان کی بیعت نہیں کی ہے۔

رہا خطہ ہوازلۃ الخفا عن خلافت الخلفاء حصہ دوم ص ۲۷ مطبوعہ مطبعہ

یعنی یہ شبہ حضرات عائشہؓ و زبیرؓ کو پیش آیا حضرت شاہ ولی اللہ کو نہیں۔
مگر مولف ان کی عبارت کو اس رنگ میں پیش کرتا ہے کہ یہ خیالات شاہ
صاحب کے معلوم ہوتے ہیں۔ پھر آگے چل کر شاہ صاحب اس شبہ ازالہ
بھی فرما دیتے ہیں اور صاف الفاظ میں کہہ دیتے ہیں کہ اس شبہ کی کوئی وجہ
منہیں تھی۔ چنانچہ فرماتے ہیں کہ :-

”حالانکہ اس سے زیادہ قوی دلیل (خلافت مرتضیٰ کے قیام کیلئے)
موجود تھی۔ (ازالۃ الخفا حصہ دوم ص ۷۷) یعنی حضرت عائشہؓ اور حضرت
زبیرؓ کا شبہ صحیح نہ تھا صرف اس ایک مثال سے اندازہ کیا جاسکتا ہے
کہ مولف کی نیت میں کس قدر فتوہ ہے اور وہ حضرت علیؓ کے عہد خلافت
کی تصویر مسخ کرنے پر کس طرح تلاً بیٹھا ہے۔ ایسے مولف کے باقی حوالوں
کا اعتبار کیسے جاسکتا ہے۔ اب ہم حضرت شاہ ولی اللہؒ کی کتاب کے
وہ مقامات پیش کرتے ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ حضرت علیؓ کی
خلافت کو خلافت علیؓ منہاج نبوت سمجھتے تھے اور ان کے خیال میں
رسول اللہؐ نے حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ کے ساتھ ساتھ
حضرت علیؓ کی خلافت کی طرف بھی اشارہ فرما دیا تھا۔ چنانچہ لکھتے ہیں کہ :-
”اں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے طرز عمل سے ثابت ہوتا ہے
کہ آپؐ نے ان چاروں بزرگوں کے ساتھ ولی عہدوں کا سا طریقہ

اختیار فرمایا تھا جیسے کہ قبیلہ عمرو بن عوف کی طرف بھیجنے وقت
حضرت ابوبکرؓ کو امام الصلوٰۃ مقرر کرنا جبکہ جو کہ ہیں اسلامی
فوجوں کے شہر سے باہر آتے وقت حضرت ابوبکرؓ کو لشکر کے
معلمے کے لئے بھیجنا اور نماز پڑھانے کے لئے متعین فرمانا

اپنے مرض الموت میں بھی حضرت ابوبکرؓ ہی کو امام الصلوٰۃ مقرر کرنا ۔
ہجرت کے ذیل میں سال انہیں کو امیر الحج بنانا اور انہیں کو متعدد
سفرات میں بھیجنا اور مدینہ میں عامل صدقات مقرر فرمانا حضرت
عثمانؓ کو صلح حدیبیہ کے موقع پر اہل مکہ کے پاس دینا مناسدہ
بنانا م بھیجنا اور حضرت علیؓ کو یمن کا گورنر مقرر فرمانا اور آپ کے
لئے یہ دعا کرنا کہ خدا تعالیٰ ان کے لئے فیصلہ کرنا آسان کر دے
یعنی سب امور اس امر پر مشاہد ہیں کہ ان چاروں کے ساتھ رسول اللہ
کا سلوک ولی عہدوں اور اپنے جانشینوں کا سا تھا

اذ التواخفا حصہ اول صلا مطبوعہ مطبع صدیقی بریلی
پھر ایک جگہ حضرت علیؓ کے متعلق حضرت عمرؓ کا قول نقل کرتے ہوئے
فرماتے ہیں کہ

”حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ ان لوگوں سے زیادہ خلافت کا کوئی حقدار
میں نہیں سہجہن سے رسول اللہ اپنے وصال کے وقت تک

خوش رہے پھر حضرت عمرؓ نے علیؓ، عثمانؓ، زبیرؓ طلحہؓ اور
 عبدالرحمنؓ ابن عوفؓ کے نام لئے ”خیال رہے کہ حضرت
 علیؓ کا نام سب سے پہلے آیا ہے“ ازالۃ الخفا حصہ اول ص ۱۷ مطبوعہ مفتح صدیقی بکلی
 پھر ایک اور موقع پر اس سے زیادہ صراحت سے فرماتے ہیں کہ :-
 ”خلفائے اربعہ حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ حضرت
 علیؓ کے لئے خلافت عامہ کا اثبات ایک کھلی ہوئی بات
 ہے کیونکہ جب ہم خلافت کے مفہوم اور اس کی شرائط پر غور
 کرتے ہیں اور خلفائے اربعہ کے جو حالات بہ اسناد ہم تک
 پہنچے ہیں ان پر نظر ڈالتے ہیں تو صاف معلوم ہوتا ہے کہ
 خلافت کی ساری شرطیں ان میں موجود تھیں اور خلافت کے
 مقاصد ان سے پورے ہوئے اور اس میں کسی قسم کا اخفا باقی
 نہیں رہا۔“ ازالۃ الخفا حصہ اول ص ۱۸

آپ نے دیکھا کہ شاہ صاحبؒ خلفائے اربعہ جن میں حضرت
 علیؓ بھی شامل ہیں، کی خلافت کو خلافت حقہ قرار دیتے ہیں اور فرماتے
 ہیں انہوں نے مقاصد خلافت پورے کر دیئے مگر خلافت معاویہ و یزیدؓ
 کا مولف کہتا ہے کہ حضرت علیؓ فریق خلافت سے عہدہ برآ نہیں ہو سکے
 اور نہ ان کی خلافت قائم ہوئی کیونکہ او باب شور مٹی نے ان کی بیعت

منہیں کی۔ ارباب شوریٰ نے ان کی بیعت کی یا نہیں؟ اس کے متعلق بھی ہم اپنی طرف سے کچھ منہیں کہتے بلکہ حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ ہی کی رائے پیش کرتے ہیں۔ وہ انعقادِ خلافت کی مختلف صورتوں پر روشنی ڈالتے ہوئے حضرت ابوبکرؓ و حضرت عمرؓ کے طریق انتخاب کا ذکر کرتے ہیں اور پھر کہتے ہیں کہ:-

”یا پھر شوریٰ کے ذریعہ سے خلیفہ منتخب کیا جائے جس طرح حضرت عثمانؓ کو منتخب کیا گیا بلکہ میں تو کہوں گا کہ حضرت علیؓ کی خلافت بھی اسی طریقے سے قائم ہوئی۔“ (حجتہ اللہ البائعہ جلد دوم ص ۱۳۸)

شاید مولف یہ کہے کہ صرف مرکز کے اکابر کا بیعت کر لینا انعقادِ خلافت کیلئے کیسے کافی ہو سکتا ہے مگر حضرت شاہ صاحبؒ ہی اس خیالِ فاسد کی بھی ترمیم فرما دیتے ہیں۔ وہ لکھتے ہیں کہ:-

”انتخاب خلیفہ کے لئے علماء، قضاة اور سرداروں کا بیعت کر لینا کافی ہے جو بآسانی میسر آسکیں تمام ممالک اسلامی کے اربابِ حل و عقد کا متفق ہونا شرطِ خلافت نہیں ہے کیونکہ یہ مشکل ہے۔“ (ازالتہ النفاہ حصہ اول ص ۵ مطبوعہ مطبع صدیقی بریلی)

کیا ”مولفِ خلافت معاویہؓ و یزیدؓ کو اب بھی حضرت علیؓ کی خلافت قائم ہونے میں کوئی شک ہے۔ اب ایک حوالہ ایک ایسی شخصیت کا

پیش کر دینا سب ہو گا جسے خود مولعت "پیران پیر" کے لقب سے یاد
 رہتا ہے اور اپنی کتاب میں ان کی تصنیف کا حوالہ بھی درج کر تاکہ گویا
 ان کی ثقافت، ہزرگی اور اصابت رائے کا معترف ہے یہ بزرگ حضرت
 شیخ عبد القادر جیلانی ہیں۔ آپ فرماتے ہیں :-

حضرت عثمان کی شہادت کے بعد لوگ حضرت علیؓ کے پاس
 آئے اور ان سے کہا کہ حضرت عثمانؓ کو تو شہید کر دیا گیا ہے ہم
 بغیر خلیفہ کے نہیں رہ سکتے اور ہمیں سوائے آپ کے اور
 کوئی خلافت کا اہل نظر نہیں آتا اس پر حضرت علیؓ نے فرمایا کہ
 مجھے خلیفہ نہ بناؤ میں خلیفہ ہونے سے مشیر ہونے کو بہتر سمجھتا
 ہوں۔ لوگوں نے کہا کہ خدا کی قسم آپ سے زیادہ مستحق
 خلافت اور کوئی نہیں ہے حضرت علیؓ نے فرمایا کہ اچھا اگر تم
 سوائے میرے اور کسی کو خلیفہ بنائے پر رضامند نہیں ہو تو
 میری بیعت چھپ کر یعنی گھر میں نہ کرو۔ میں مسجد میں آؤں گا
 بیعت کیے گا اور وہاں کرے چنانچہ آپ مسجد میں تشریف
 لے گئے اور وہاں جا کر لوگوں نے آپ کے ہاتھ پر خلافت
 کی بیعت کی اس لئے آپ امام برحق تھے اور شہادت کے
 وقت تک سچے امام رہے۔ خدا انہیں جیوں کو تباہ کرے جو کہنے

ہیں کہ حضرت علیؑ امام برحق نہ تھے؟ دغیتہ الطالبینؑ مطبوعہ مطبع مرقومہ
 "خدا خاتمہ جہوں کو برباد کرے" اگر ان الفاظ سے "خلافت معاویہ ویرہ" کے مولف کو صدمہ پہنچا ہو تو ہم ان سے معذرت خواہ ہیں مگر یہ الفاظ ہمارے
 نہیں ہیں بلکہ پیران پیر حضرت عبدالغادر جیلانی کے ہیں۔

"ازالۃ الخفا" کے بعد مولف نے حضرت امام ابن تیمیہؒ کی کتاب "منہاج السنہ" سے مطلب برآری کی کوشش کی ہے اور ان کی کتاب کا بھی وہی حشر کیا ہے جو شاہ ولی اللہؒ کی "ازالۃ الخفا" کا کیا تھا یعنی ان کی عبارتوں کے سیاق و سباق کو نظر انداز کر کے اپنے مطلب کی عبارتوں کے ٹکڑے لے لئے ہیں اور ان پر عاشرے چڑھا چڑھا کر پیش کر دیا ہے حالانکہ امر واقعہ یہ ہے کہ حضرت شاہ ولی اللہؒ کی طرح حضرت امام ابن تیمیہؒ بھی حضرت علیؑ کی خلافت کے قائل تھے خیر حوالے ملاحظہ ہوں۔

حضرت علیؑ کی خلافت اہل شوکت کی بیعت سے قائم ہوئی تھی گو سارے عالم اسلام کے مسلمانوں نے ان کی بیعت نہیں کی جیسے ان سے پہلے خلفاء کی بیعت کی تھی لیکن اس میں شبہ نہیں کہ اہل شوکت کی بیعت نے ان کی خلافت کو طاقت عطا کی تھی اور نفس ظاہر کو قوتی ہے کہ ان کی خلافت خلافت نبوت تھی۔
 ر منہاج السنہ جلد دوم ص ۲۰۴

اس کے بعد حضرت امام ابن تیمیہ فرماتے ہیں کہ جن لوگوں نے انکی بیعت نہیں کی ان کے اختلاف کے پیش نظریہ نہ سمجھنا چاہیے کہ حضرت علیؑ کی خلافت قائم نہیں ہوئی کیونکہ ان سے پہلے ایک صحابی حضرت سعد بن عبادہ نے حضرت ابوبکرؓ کی بھی بیعت نہیں کی تھی یعنی اگر حضرت سعد بن عبادہ کے بیعت نہ کرنے کے باوجود حضرت ابوبکرؓ کی خلافت قائم ہو سکتی ہے تو کچھ لوگوں کے بیعت نہ کرنے کی وجہ سے حضرت علیؑ کی خلافت کیوں قائم نہیں ہو سکتی۔ حضرت امام ابن تیمیہ کی اصل عبارت کا ترجمہ درج ذیل ہے:-

”اور جن لوگوں نے ان (حضرت علیؑ) کی بیعت نہیں کی ان کا بیعت نہ کرنا ایسا ہے جیسے سعد بن عبادہ کا حضرت ابوبکرؓ کی بیعت سے دشمنی رہنا“ (منہاج السنۃ جلد دوم ص ۱۴۲)

۱۔ حضرت سعد بن عبادہ مدینہ کے رہنے والے تھے اور کابریہ میں شمار ہوتے تھے۔ آپ رسول اللہ کے جان نثار صحابہ میں سے تھے جنہوں کے وصال کے بعد جب سفینہ بنی ساعدہ میں خلافت کا مسئلہ پیش ہوا تو انصار نے انہیں کو خلیفہ بنانے کی کوشش تھی مگر جب حضرت ابوبکرؓ کے ہاتھ پر بیعت کر لی گئی تو حضرت سعد بن عبادہ اپنے قبیلے کے لوگوں کے ساتھ بغیر بیعت کے واپس چلے گئے اور آخر تک بیعت نہیں کی حضرت ابوبکرؓ نے بھی ان سے تعرض نہ کیا اور حضرت سعدؓ نے بھی خاموشی سے بقیہ زندگی گزار دی۔ امام ابن تیمیہ نے اسی طرف اشارہ کیا ہے۔ (مولف)

پھر فرماتے ہیں کہ:

”اہل سنت اس امر پر متفق ہیں کہ حضرت علیؓ کا مرتبہ بلند ہے اور

وہ زمینِ قباہ دو سرزمین کے خلافت کے زیادہ مستحق ہیں اور خدا

رسولؐ اور عارفِ مسلمین کی نظر میں افضل ہیں“ (منہاج السنۃ جلد دوم ص ۲۰۶)

ایک اور جگہ فرماتے ہیں کہ:-

”اگر کوئی کہے کہ حضرت علیؓ نے معاویہؓ اور ان کے ساتھیوں طلحہؓ

وزبیرؓ سے جنگ کی تو اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت علیؓ ان

لوگوں پر فضیلت رکھتے تھے اور قیامِ عدل اور علم و فضل میں ان

سے بہت بڑھے ہوئے تھے جو آپؐ کے مقابلے میں جنگ کرنے

آئے تھے یہ مناسب نہیں کہ جن لوگوں نے حضرت علیؓ سے

جنگ کی انہیں عادل قرار دیا جائے“ (منہاج السنۃ جلد سوم ص ۱۹۵)

زمانہ خال کے نامور مورخ ڈاکٹر طحطاہ حسین (جن کا شیخیت سے کوئی واسعہ

نہیں) حضرت علیؓ کی بیعتِ خلافت کے مسئلے پر اظہارِ خیال کرتے ہوئے

لکھتے ہیں کہ:-

”حضرت عثمانؓ کی شہادت کے بعد مہاجرین اور انصار دونوں نے

غور و فکر کیا اور صحابہ سے ملاقاتیں کیں انہوں نے دیکھا کہ سارے

صحابہؓ حضرت علیؓ کی خلافت کو پسند کرتے ہیں اور ان کے ساتھیوں

حضرت طلحہؓ و زبیرؓ کے مقابلے میں حضرت علیؓ کو خلافت کا اہل
 سمجھتے ہیں چنانچہ صحابہ حضرت علیؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور
 ان سے خلافت قبول کرنے کی درخواست کی اور اس پر صریح
 مسندوں (جنہوں نے حضرت عثمانؓ کو شہید کیا تھا) نے بھی صحابہؓ
 کی تائید کی حضرت علیؓ نے امر خلافت سے علیحدہ رہنا چاہا مگر کوئی
 صورت نظر نہ آئی جب (صرف) مفسدین نے ان سے خلافت
 قبول کرنے کی درخواست کی تھی تو انہوں نے یہ درخواست ذکر دی
 تھی مگر چونکہ اب مہاجرین و انصار یہ درخواست لے کر آئے تھے
 اس لئے انہوں نے قبول کر لی۔ (الشتہ الکبریٰ علیؓ و نبوہ ص ۵۴)
 اب آخری حوالہ ایک اور بڑی اور مستند کتاب کا پیش کیا جاتا ہے۔
 ”حضرت عثمانؓ کی شہادت کے معا بعد ذی الحج کے آغاز میں
 حضرت علیؓ کی بیعت خلافت کی گئی اس بیعت میں مدینہ کا ہر
 وہ شخص شریک ہوا جو اس وقت شہر میں موجود تھا تمام اسلامی
 ممالکوں میں اس بیعت کی اطلاع پہنچی گئی اور ہر شہر کے
 مسلمانوں نے بوضا و رغبت حضرت علیؓ کی اطاعت اختیار کی
 صرف معاویہؓ اور اہل شام نے انکار کیا۔“
 (فتح الباری شرح صحیح بخاری جلد ۷ ص ۵۷)

آپ نے دیکھا کہ مولف کا یہ دعویٰ کس قدر بوجہ ہے اور کس طرح اس کی قلعی کھل گئی کہ حضرت علیؑ مسندوں کی تائید سے خلیفہ بنے تھے یا صحابہ نے ان کی بیعت نہیں کی تھی۔

ہمارا خیال ہے کہ حضرت علیؑ کی بیعت خلافت قیام خلافت اور استحقاق خلافت کے متعلق ہم نے ان کتابوں سے جو خلافت معاویہ و یزید کے مولف کے نزدیک معتبر و مستند ہیں بہت کافی حوالے دے دیئے ہیں گو ہمارے پاس حوالہ جات اور دلائل کا انبار موجود ہے مگر طوالت کے خوف سے ہم انہیں پر اکتفا کرتے ہیں۔

حضرت علیؑ کی حد و سلطنت

مولف نے اپنی کتاب میں ایک اور عجیب بات لکھی ہے اور اس کا مقصد بھی یہی ہے کہ قارئین کو حضرت علیؑ کی قوت تدبیر اور ملکی انتظام کے اعتبار سے نااہل ہونے کا یقین دلایا جائے۔ چنانچہ ایک کتاب کے حوالے سے لکھتا ہے کہ :-

یعنی ان کی سلطنت کا دائرہ ہر روز خاص کر تالشی کے بعد زیادہ تنگ ہوتا گیا یہاں تک کہ آخر میں سوائے کوفہ اور اس کے آس پاس کے اور کچھ ان کے لئے باقی نہ رہا۔

(خلافت معاویہ و یزید ص ۱۴)

اگر مصنف کی نیت نیک ہوتی تو وہ قدیم تاریخیں کھول کر دیکھتا اور
 سمجھتا کہ یہ روایت کہاں تک درست ہے لیکن وہ تو حضرت علیؓ
 بدنام کرنے کی قسم کھا چکا تھا اس لئے اس سے وہ کام کرنے کی
 قح کیسے کی جاسکتی ہے جس کے نتیجے میں حضرت علیؓ کی عظمت قائم
 رہتی۔ دود جانے کی بھی ضرورت نہ تھی خود مولف نے اپنی کتاب میں
 لکھا ہے کہ :-

”وہ نور عبید اللہ، اس باپ (زیاد) کا بیٹا تھا جو حضرت
 علیؓ کے معتمد خاص اور ایسے وفادار تھے کہ ان کی شہادت
 کے بعد بھی سوسے تک ان کے نام لیوا رہے۔“
 (خلافت معاویہ و نیرید ص ۲۰)

اور تاریخ کا ہر طالب علم جانتا ہے کہ زیاد کو حضرت علیؓ نے فارس کا
 گورنر مقرر کیا تھا۔ فارس کا علاقہ ایران اور اس کے ملحقات سے لے کر
 افغانستان اور سابق سندھ کی سرحدوں تک پھیلا ہوا تھا یہ بات مولف
 کو خوب معلوم تھی اور اس کا ثبوت یہ ہے کہ وہ اپنی کتاب میں زیاد کو
 حضرت علیؓ کا وفادار لکھ چکا ہے لیکن غلط بیانی ملاحظہ ہو کہ پھر بھی کہتا
 ہے کہ ”آخر میں حضرت علیؓ کی حکومت کو فہ اور اس کے آس پاس تک
 محدود ہو گئی تھی۔“ کوئی اس عقلمند سے پوچھے کہ کیا ایران اور

افغانستان کو فدائے آس پاس کے مواضعات ہیں؟ ہو سکتا ہے کہ مولانا
 کے طرز تحریر پر کار از کمال جلسے کی وجہ سے لوگ اس کی اس تحریر پر
 اعتماد نہ کریں جو ہم نے مسطور بالا میں پیش کی ہے جس میں زیادہ حضرت
 علی کا وفادار لکھا گیا ہے اس لئے ذیل میں "امام المورخین" علامہ ابن خلدون
 کی تاریخ کا ایک حوالہ پیش کیا جاتا ہے، مولف بھی ابن خلدون کو غلط
 مورخ مانتا ہے اور امام المورخین کا خطاب بھی اس کا دیا ہوا ہے اور
 بقول اس کے ابن خلدون پہلا مورخ ہے جسے روایات کی چھان ہیں
 اور ان پر نقد و تبصرہ کرنیکی سعادت پہلی بار نصیب ہوئی، وہ حضرت علیؑ کے
 گورنروں کی فہرست پیش کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ یہ
 "علی رضی اللہ عنہ کی شہادت کے وقت ان کے علاقوں پر یہ
 لوگ گورنر تھے، بصرہ پر عبداللہ بن عباسؓ اور بصرہ کے
 چیف حبشہ ابوالاسد الدولی، فارس پر زیادہ بن سمیہ بن
 پر عبداللہ بن عباسؓ مدینہ تک بصرہ بن اوطا قس نے حملہ نہیں کیا
 مگر حضرت معاویہؓ نے حکیم کے بعد بصرہ اور طاقہ کو لے کر دے کر حضرت علیؑ کے علاقوں
 تاراج کرنے پر آمادہ کیا تھا اور اس نے یمن پر قبضہ کر لیا تھا مگر جلد ہی حضرت علیؑ نے حاکم
 قدامہ اور وہب بن مسود کو چار ہزار فوج دے کر یمن بھیجا جس نے بصرہ کو مار مار کر یمن
 نکال دیا اور یمن پر پھر حضرت علیؑ کا تسلط ہو گیا جو آخر تک قائم رہا اور حضرت

تھا مکہ اور طائف پر قبضہ بن عباسؓ، مدینہ پر ابوالیوب انصاریؓ یا
 سہیل بن حنیفؓ۔ رتاریخ ابن خلدونؒ نے حضرت علیؓ کے مطالبہ کو یا حضرت علیؓ کی
 امام المورخین علامہ ابن خلدونؒ کے بیان کے مطابق گویا حضرت علیؓ کی
 شہادت تک مندرجہ ذیل علاقے آپ کے زیر نگین تھے اور یہ کہنا مباغی
 سے قطعاً خالی ہے کہ اس وقت روسے زمین پر اتنی بڑی سلطنت کسی
 ایک شخص کے زیر نگین نہیں تھی۔

کوفہ، بصرہ، سارا عراق، فارس، ایران، افغانستان اور سندھ
 کے مضافاتی علاقے، مکہ، طائف، یمن اور مدینہ (سارا حجاز) صحر
 شام اور مصر حضرت معاویہؓ کے پاس تھا۔

مولف "خلافت معاویہ و یزید" نے حضرت علیؓ کے عہد کی تصویر
 اس طرح کھینچی ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان کے عہد میں سوائے
 کشت و خون، ریزی کے اور کچھ نہیں ہوا ہر طرف بامنی اور قتل و غارت کا
 بازار گرم تھا۔ راستے غیر محفوظ تھے یہودی اور عجمی مسلمانوں کو تباہ
 کرنے کی کوشش کی رہی تھی اور حضرت علیؓ نے بس بیٹھے تماشہ دیکھ رہے
 تھے اور جہاد تو ان کے زمانے میں بالکل مہما ہی نہیں ہاں کے عہد کے
 لوگوں بلکہ ان کے بیانی بندوں کا خیال تھا کہ حضرت علیؓ کے زمانے
 میں ملت اسلام کا پیرا فرق ہو کر رہ گیا اور آخر کار دوستے بیٹھے وہ

ایک نام کام و نامراد شخص کی حیثیت سے اپنی ہی پارٹی کے ایک شخص کے
 ہاتھوں قتل ہو گئے (ملاحظہ ہو ص ۵ ص ۵ ص ۱۲)
 حضرت علیؑ کی عسکری صلاحیت

حضرت علیؑ کے عہد کی یہ تصویر کچھ تو مصنف کے ذہن کی اختراع
 ہے اور کچھ کذا بین بنو امیہ کی غلط اور بے سرو پا روایتوں کی مدد سے
 تیار کی گئی ہے ورنہ حقیقت اس کے بالکل برعکس ہے۔
 اس میں شک نہیں کہ حضرت علیؑ کے زمانے میں جنگیں ہوئیں۔ یہ
 فرماں رواؤں کے لئے کوئی عجیب بات نہیں ہے انہیں مخالفین کی
 سرکوبی کے لئے تلوار اٹھانا ہی پڑتی ہے چنانچہ حضرت علیؑ نے بھی اپنے
 مخالفوں سے جنگیں لڑیں اور تاریخ سے ثابت ہے کہ وہ ہر جنگ میں کامیاب
 ہوئے۔ سب کو معلوم ہے اور اس کے لئے کسی حوالے کی ضرورت نہیں کہ
 حضرت علیؑ کا پہلا مقابلہ ام المومنین حضرت عائشہؓ اور حضرت طلحہؓ و حضرت زبیرؓ
 سے ہوا اور اس میں حضرت علیؑ کو فتح حاصل ہوئی۔ ان کا دوسرا مقابلہ حضرت
 معاویہؓ سے ہوا۔ اس جنگ میں جو واقعات "خلافت معاویہ و یزید" کے مولف
 کے محبوب مورخ "امام المورخین" علامہ ابن خلدون نے بیان کئے ہیں۔
 ان کے بعض اقتباسات سے اندازہ ہو سکے گا کہ اس جنگ میں کس کا ہاتھ بھاری
 تھا وہ لکھتے ہیں :-

تیسرے دن عمار بن یاسر حضرت علیؓ کی طرف سے ۱۱ اور عمرو بن العاصؓ حضرت معاویہؓ کی طرف سے) میدان میں نکلے یہ معرکہ گذشتہ معرکوں کے مقابلے میں بڑا سخت تھا۔ آخر عمار بن یاسر نے اس شدت سے حملہ کیا کہ حضرت معاویہؓ کے کمانڈر عمرو بن العاصؓ کو پسپا ہونا پڑا۔ تاریخ ابن خلدون جز ثانی حصہ دوم ص ۱۷۱ مطبوعہ مصر) پھر فرماتے ہیں :-

”معاویہؓ ایک شاندار خیمے میں بیٹھے لوگوں سے مارنے مرنے کی بیعت لے رہے تھے کہ حضرت علیؓ کے کمانڈر عبداللہ بن بدیل نے شام کے کمانڈر لشکر حبیب بن مسلمہ پر حملہ کیا۔ دو پہر تک بڑی شدید جنگ ہوتی رہی۔ ظہر کے بعد حضرت علیؓ کے کمانڈر عبداللہ بن بدیل نے اپنی فوج کو جوش دلا کر مستعد حملہ کیا۔ یہ حملہ اتنا شدید تھا کہ حبیب بن مسلمہ مع اپنے لشکر کے میدان سے نکل مہاجا اور معاویہؓ کے پاس جا کر دم لیا۔“ (ابن خلدون جز ثانی حصہ دوم ص ۱۷۱ مطبوعہ مصر) یہ صورت حال دیکھ کر حضرت معاویہؓ نے اُن لوگوں کا ایک لشکر حضرت علیؓ کے لشکر پر حملہ کرنے کے لئے بھیجا جو ان کے ہاتھ پر مارنے مرنے کی قسم کھا چکے تھے۔ اس لشکر نے حضرت علیؓ کی فوج کے دائیں بازو پر حملہ کیا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ میمنہ کی ترتیب بگڑ گئی مگر عبداللہ بن بدیل کے ساتھ

دو تین سو آدمی دیکھ کر بھی) ثابت قدم رہے۔ البتہ بائیں بازو کے کمانڈر مقرر
کو پسپا ہونا پڑا۔

(حضرت علیؑ کے ایک کمانڈر "اشتر" نے فوج کے ایک گروہ کے

ساتھ قسم کھائی کہ جب تک فتح مندرجہ ہو جائیں میدان سے نہیں

پھیں گے۔ اس کے بعد اشتر نے لشکرِ شام کے دائیں بازو پر

اور ان کے بعد حضرت علیؑ کی باقی فوج نے تاثر توڑ حملے شروع

کرو دیے۔ آخر عشر اور مغرب کے درمیان شام کے لشکر کی

ترتیب بگڑ گئی اور وہ بھاگ کھڑا ہوا۔ اشتر نے شکست خوردہ

سپاہیوں کا پیچھا کیا اور انہیں راستے راستے معاویہؓ کے پاس

پہنچا دیا۔ (ابن حلد: جن ثانی جلد دوم ص ۳۱۱ مطبوعہ مصر)

اس کے بعد حضرت علیؑ کے لشکر نے پھر ایک حملہ کیا اور لڑتا ہوا حضرت

معاویہؓ تک پہنچ گیا۔ اس لشکر نے بڑی بے جگری سے جنگ کی اور

اس کے بہت سے افراد قتل ہوئے باقی زندگی ہو کر لوٹ آئے۔

"پھر اشتر (حضرت علیؑ کا کمانڈر) قبیلہ مہدان اور بعض دوسرے

قبائل کو لے کر شامی فوج کی طرف بڑھا اور اس قوت سے حملہ کیا

کہ اہل شام کو شکست ہو گئی اور وہ بھاگ کر ان لوگوں کے پاس

چلے گئے جنہوں نے حضرت معاویہؓ کے ہاتھ پر مارنے پر رضامندی کی قسم

کہانی محقق یہ لوگ اس پیشے آپ کو عماموں کے ساتھ باندھے ہوئے
معاویہؓ کے ارد گرد حلقہ کئے ہوئے تھے اشتہار لگے بڑھ کر ان
پر بھی حملہ کیا اور ان کی چار صفیں کاٹ کر پھینک دیں۔

(تاریخ ابن خلدون ج ۲ ثانی حصہ دوم ص ۳۳۱ مطبوعہ مصر)

اس کے بعد متعدد جنگیں ہوئیں جن میں سے اکثر میں شامی فوجوں کو
پے درپے شکستیں اٹھانی پڑیں اس کے بعد ایک جنگ کا حال بیان
کرتے ہوئے امام المورخین علامہ ابن خلدون لکھتے ہیں کہ:-

حضرت علیؓ نے قبائل رومیہ، مغراند، مہدان کو ساتھ لے کر شامی
فوج پر شدید حملہ کیا جس سے اہل شام کی صفیں تتر بتر
ہو گئیں اور ان کے مقتولوں کے ڈیرے لگ گئے حضرت علیؓ
جنگ کرتے اور شاہیوں کو قتل کرتے ہوئے حضرت معاویہؓ
تک پہنچ گئے اور جوش میں آکر انہیں الٹا کہہ کر اے معاویہؓ!
خلق خدا کا بلا وجہ خون بہانے سے کیا حاصل؟ آؤ ہم دونوں
آبیں میں نہٹ لیں اور جو دوسرے پر غالب آجائے وہی
امیر ہو۔ یہ سن کر حضرت عمرو بن العاصؓ نے (جو قریب ہی
کھڑے تھے) حضرت معاویہؓ سے کہا کہ "اے معاویہؓ! یہ تو
فیصلہ کا بڑا اچھا طریقہ ہے یعنی اسے قبول کر لو حضرت معاویہؓ نے

کہا کہ اگر یہ فیصلہ آتا ہی اچھا ہے تو اسے تم اپنے لئے کیوں پسند نہیں کر لیتے۔ کیا تم نہیں جانتے کہ جو علیؑ کے مقابلے پر آئے یہ اسے ہلاک کئے بغیر نہیں چھوڑتے۔

تاریخ ابن خلدون خبر ثانی حصہ دوم ص ۱۷۱ مطبوعہ مصر

• خلافت معاویہؓ و یزیدؓ کے مولف یا ان کے ہم خیال لوگوں کو ہم زیادہ نہیں ہونا چاہیے کیونکہ یہ بیان ہمارا نہیں ہے نہ غریب طبری کا تو سنیوں تھا اور نہ ابو مخنف وغیرہ کا یہ بیان امام المورخین علامہ ابن خلدون کا ہے جنہوں نے بقول مولف گذشتہ سائے تیرہ یا پونے چودہ سو سال میں پہلی مرتبہ ایمان کو نقد و روایت کی کسوٹی پر پکھنے کی توفیق نصیب ہوئی۔ ان کے بیان سے ہم یہ نتیجہ نکالنے میں حق بجانب ہیں کہ جنگ صفین میں حضرت علیؑ اور ان کی فوجوں نے حضرت معاویہؓ اور ان کی فوجوں کے دانت کھٹے کر دیئے اور خود حضرت معاویہؓ نے حضرت علیؑ کی شجاعت اور عسکری صلاحیتوں کو اعتراف کرتے ہوئے انہیں وہ شریفیٹ عطا فرمایا جسے دیکھ کر مولف "خلافت معاویہ و یزید" کا سر شرم سے جھک جانا چاہیے۔ اب آخر میں اس جنگ کے انجام کے متعلق بھی انہیں "امام المورخین" کا بیان سن لیں "ساری رات جنگ ہوتی رہی۔ یہ جمعہ کی شب تھی اور لیلۃ الہریرہ کہلاتی ہے۔ حضرت علیؑ رات بھر اپنی فوجوں میں پھرتے اور انہیں

جوش و لا۔ دلا کر آگے بڑھاتے رہے۔ صبح تک جنگ اسی صورت سے جاری رہی۔ اشتر وائیں بازو پر رکنا ڈرہ تھے اور ابن عباس بائیں بازو پر۔ حضرت علیؑ کی فوج یک جا ہو کر متحدہ طاقت سے حملے کر رہی تھی۔ یہ جمعہ کے دن کا واقعہ ہے۔ دوپہر کے بعد اشتر نے فوج کا علم چنان بن ہودہ نخعی کو دیا اور خود گھوڑے پر بیٹھ کر سواروں کے لشکر کی طرف گئے اور شامیوں پر حملہ آور ہونے کے تلقین کی۔ ایک بڑی جماعت بے فروشی پر کمر بستہ ہو کر اشتر کے ساتھ حملہ کرنے بڑھی۔ اشتر اور ان کے ہمراہیوں نے نعرۂ بکیر لگا کر اس شدت سے حملہ کیا کہ شامی مہیاگ کھڑے ہوئے۔ اشتر لڑتے ہوئے شامیوں کی لشکر گاہ تک جا پہنچے اور ان کے علمبردار کو قتل کر دیا۔ حضرت علیؑ نے اشتر کو کامیاب ہوتے دیکھ کر پے در پے کمک روانہ کرنا شروع کر دی۔ عمرو بن العاص اشتر کی شدت جنگ سے گھبرا گئے اور اپنے ساتھیوں کی ہلاکت کے خوف سے انہوں نے حضرت معاویہؓ کو مشورہ دیا کہ "کیا کرتے ہو؟ تم کامیاب نہیں ہو سکتے اپنے لشکریوں کو ہدایت

لے ایک ہدایت یہ ہے کہ اپنی شکست ہوتی دیکھ کر حضرت معاویہؓ میدان سے فرار ہونے کے لئے گھوڑے کی رکاب میں پیر رکھ چکے تھے۔ (مولف)

کہ وہ نیروں پر قرآن حکیم بلند کر کے (علیؑ کی فوجوں سے) کہیں
کہ ہمارے اور تمہارے درمیان خدا کا کلام حکم ہے آؤ اس کا
فیصلہ تسلیم کر لیں اگر وہ قبول کر لیں تو فی الحال جنگ رک جائیگی
(اور ہم شکست کی بدنامی سے بچ جائیں گے) اور اگر انہوں نے
نہ مانا تو بھی فائدہ ہمیں کو پہونچے گا۔

(تاریخ ابن خلدون جز ثانی حصہ دوم ص ۱۷۱ مطبوعہ مصر)
اس کے بعد جو کچھ ہوا سب کو معلوم ہے اس کی تفصیل بیان کرنے
کی ضرورت نہیں اور نتیجہ یہ نکلا کہ جنگ بند ہو گئی۔ ایک معمولی عقل کا آدمی
بھی اندازہ لگا سکتا ہے کہ اس جنگ میں بھی جہاں تک تلوار کی لڑائی کا
سوال ہے حضرت علیؑ کو کامیابی ہوئی اور حضرت معاویہؓ نے اپنی شکست
اور بے بسی کا اعتراف کر لیا۔ کیونکہ صلح کی پیش کش اسی فریق کی طرف
سے کی جاتی ہے جسے اپنی شکست اور ہلاکت کا خطرہ ہو۔ اگر یہ کہ
جائے کہ انہوں نے مسلمانوں کے قتل عام کے ڈر سے صلح کی پیش کش
کی تو اس کا جواب یہ ہے کہ اگر ایسا ہی مسلمانوں کی خوں ریزی کا خوف
تھا تو جنگ کی طرح ہی کیوں ڈالی اور اتنے دن جنگ کر کے ہزاروں
مسلمانوں کے قتل عام کا تماشا کیوں دیکھا پس واقعات ثابت کرتے
ہیں کہ صلح کی یہ پیش کش عاجز آ جانے کی وجہ سے ممتی

جنگ جمل (جو حضرت عائشہؓ اور حضرت علیؓ کے درمیان ہوئی)،
 اور جنگ صفین (جو حضرت معاویہؓ کے ساتھ ہوئی) کا حال بیان
 ہو چکا اور ان دونوں میں حضرت علیؓ کی واضح کامیابی بھی ثابت ہو گئی
 حضرت علیؓ کی تیسری جنگ خارجیوں سے نہروان کے مقام پر ہوئی
 اور دنیا جانتی ہے کہ اس میں بھی حضرت علیؓ کو عظیم الشان فتح ہوئی۔
 حضرت علیؓ کی ان فتوحات کو دیکھ کر حضرت معاویہؓ کو خیال گذرا کہ اب
 علیؓ کو استحکام حاصل ہو رہا ہے اور اگر ان کی قوت اسی طرح بڑھتی
 گئی تو وہ مجھے شام پر بے قرار نہیں رہنے دیں گے چنانچہ انہوں نے
 حضرت علیؓ کے علاقوں کو تاراج کرنے کا منصوبہ بنایا اور اپنے جنگیوں
 کو فوجیں دے کر بصرہ، یمن، مدینہ اور مکہ کی طرف بھیجا۔ ان میں سے
 عبداللہ بن الحضرمی نے بصرہ پہنچ کر پہلے تو وہ نہ شہر کر کے لوگوں کو
 اپنے ساتھ ملایا اور پھر بصرہ کے بیت المال پر قابض ہو گیا۔ رفتہ رفتہ سارے
 بصرہ پر اس کا تسلط قائم ہو گیا۔ جب حضرت علیؓ کو اس واقعہ کی خبر ہوئی تو آپ
 نے فوراً امدادی فوج بھیجی اور ایک یا دو دن کی جنگ کے بعد عبداللہ
 بن الحضرمی کو شکست ہوئی اور وہ مارا گیا۔ اس طرح بصرہ پھر حضرت
 علیؓ کے قبضے میں آ گیا۔ زناد بن ابی خلدون خرمانی حصہ دوم ۱۹۳ء مطبوعہ مصر
 پھر حضرت معاویہؓ نے نعمان بن بشیر کو عین التمر پر سفیان بن عوف کو مدائن پر

اور بسر بن اوطاط کو مکہ مدینہ اور یمن پر قبضہ کرنے کے لئے بھیجا مگر حضرت
 علیؑ کے جرنیلوں نے نعمان بن بشیر اور سفیان بن عوف کو شکست
 دے کر ان علاقوں سے نکال دیا۔ البتہ بسر بن اوطاط نے مکہ اور مدینہ
 پر قبضہ کر کے لوگوں سے جبراً حضرت معاویہؓ کی بیعت لی اور یمن جا کر
 وہاں کے گورنر ابن عباسؓ کے دو فرزندوں کو قتل کر دیا۔ جب حضرت
 علیؑ کو ان واقعات کی خبر ہوئی تو آپؐ نے فوراً جاریہ بن قدامہ
 ونبہ بن مسعود کو چار ہزار کا لشکر دے کر ابن اوطاط کی سرکوبی کے
 لئے بھیجا۔ چنانچہ حضرت علیؑ کے ان دونوں جرنیلوں نے ابن اوطاط کو
 ہر جگہ شکست دی اور حجاز سے نکال دیا۔ اس طرح سراق اور حجاز دونوں
 میں جہاں حضرت معاویہؓ کے فوجی دستوں نے قتل و غارت بپا کر دی
 تھی پوری طرح امن قائم ہو گیا جو آخر تک برقرار رہا۔
 حضرت علیؑ کی انتظامی صلاحیتیں

مولف "خلافت معاویہ ویرید" فرماتے ہیں کہ حضرت علیؑ کے عہد
 میں جہاد کلینہ بند ہو گیا اور حضرت علیؑ حضرت معاویہؓ ساتھ اس
 طرح الجھے کہ بیرونی امور کی طرف توجہ ہی نہ دے سکے جن لوگوں
 تاریخ سے کچھ بھی بہرہ ہے وہ مولف کا یہ دعویٰ سن کر سنس دیں گے۔
 اول تو یہ اعتراض ہی مضحکہ خیز ہے جہاد کوئی ایسا فرض نہیں

جسے حالاتِ نوحہ کچھ ہوں بہر صورت ادا کیا جائے۔ پہلی شرط داخلی امن کی ہے جب صورت یہ ہو کہ اپنے ہی اہل ملک خلیفہ وقت سے باغی ہو کر اس کی حکومت کو ناکام بنانے کی تدبیریں کر رہے ہوں تو پہلے تو ان سے جنگ کرنا فرض ہے تاکہ اسلامی اسٹیٹ تباہ ہونے سے بچ جائے اور یہ خدمتِ کافروں سے جہاد کرنے کے مقابلے میں کہیں زیادہ باعثِ ثوابِ آخرت اور عظیم الشان ہے۔ عقل بھی اسی خیال کی تائید کرے گی کہ پہلے اپنے گھر کو بچانا چاہیے چنانچہ حضرت علیؑ نے یہی کہا کہ پہلے مسلمان باغیوں کی گوشمالی کی اور ادھر سے فراغت پا کر پھر غیر مسلموں کی بغاوتوں کو فرو کرنے کی طرف توجہ فرمائی۔ اس کے بعد جہاد کا فریضہ بھی ادا فرمایا اگر مولف "خلافتِ معاویہ و یزید" سے تادمِ رخ کا بغور مطالعہ نہیں کیا تو اس میں بہارِ ایا حضرت علیؑ کا قصور نہیں ہے قصور ان کی عدم واقفیت کا ہے۔ امام المورخین فرماتے ہیں۔

حضرت علیؑ کو خانہ جنگی میں الجھا ہوا دیکھ کر "فارس کے لوگوں نے اپنے عامل سہیل بن حنیف کو نکال دیا۔ حضرت علیؑ نے جابر بن قدامہ کے مشورے سے پیر یا کو فارس کا گورنر مقرر کیا۔ چنانچہ زیاد ایک زبردست لشکر لے کر فارس پہنچا اور جنگ کر کے سب کو شکست دی۔ پھر کربان جاکر وہاں کے

لوگوں کو بھی مغلوب کیا اور اسے طغیانی کے قلعہ میں آکر فروکش ہوا۔

(تاریخ ابن خلدون جز ثانی حصہ دوم ص ۱۹۵ مطبوعہ مصر)

ایک روایت کے مطابق زیاد نے سارے فارس کو مطیع و فرمانبردار

کر کے ایسا امن و امان قائم کیا اور اس کے ذریعہ سے عدل و انصاف کا

ایسا دور دورہ ہوا کہ اہل فارس نے ساختہ پکارا اٹھے کہ واللہ اس عرمل

نے نو شیر واپہ عادل کی یاد تازہ کر دی۔ ایک اور بڑا مورخ لکھتا ہے کہ

”کابل اور ہندوستان کے علاقے میں امیر بن احمد الشکری و حضرت

عثمان کے زمانے میں“ قائم مقام گوہر تھا۔ حضرت عثمان کی

شہادت کے بعد جب حضرت علی جنگ جمل سے رکا میاب

ہو کر واپس آئے تو آپ کو معلوم ہوا کہ امیر کو خارج البلد کو دیا

گیا ہے چنانچہ آپ حاکم بن عتاب الحبلی اور عمران بن الفضیل

البرجی کو لے کر روانہ ہوئے اور سابق و ہندوستان و کابل کے درمیان

میں ایک مقام جہاں بڑا مستحکم قلعہ تھا، میں خیمہ زن ہوئے اس

علاقے کے (غیر مسلم) لوگ باغی ہو گئے تھے۔ چنانچہ آپ نے

ان سب کو شکست دے کر مغلوب کیا۔ یہاں سے کثیر مال

قیمت ہاتھ آیا۔“

فتوح البلدان للبلاذری ص ۳۹۵ مرتبہ E. O. J. مطبوعہ ۱۸۶۵

اس کے بعد حضرت علیؑ نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ کو ہدایت فرمائی کہ بھستان کی بغاوت فرد کرنے کے لئے کسی شخص کو چار ہزار کی جمعیت کے ساتھ روانہ کر دو۔ چنانچہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے رجبی بن الحارث المعمری کو چار ہزار کا لشکر دے کر بھستان بھیجا۔ رجبی نے باغیوں سے جنگ کر کے انہیں مطیع کیا اور ہر طرف امن و امان قائم کر دیا۔

(فتح البلدان۔ البلاذری ۳۹۵ مطبوعہ ۱۹۶۵ء بریل)

ابن جہاد کی داستان بھی سن لیجئے۔ حضرت عثمانؓ نے عبداللہ بن عامر بن کرینہ کو عراق پر گورنر مقرر کیا اور حکم دیا کہ ہندوستان کی طرف ایک سمندری ہم بھیجی جائے۔ ابن عامر نے حکیم بن جبلة العدوی کی قیادت میں ایک دستہ بحری راستے سے ہندوستان روانہ کیا۔ وہ سندھ کے مشرقی علاقے میں، گھوم پھر کر واپس آئے اور جو کچھ دیکھا تھا کہ سنابا، ابن عامر نے انہیں ہدایت کی کہ تم حضرت عثمانؓ کے پاس جاؤ اور یہ سارے حالات انہیں سنا دو۔ چنانچہ حکیم بن جبلة حضرت عثمانؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور سندھ کے چشم دید حالات سناتے ہوئے کہا کہ ”امیر المومنین! میں نے اس علاقے کو گھوم پھر کر دیکھا وہاں پانی کی کمی ہے۔ پھل ناقص ہیں۔ رہنروں کا زور ہے اگر فوج قلیل ہو تو تباہی کا اندیشہ ہے اور زیادہ ہو تو ناقوں سے مرجلے کا خطرہ ہے۔“ یہ

سُن کر حضرت عثمانؓ نے اس علاقے پر حملہ کا خیال ترک کر دیا۔ مگر جب
حضرت علیؓ امیر المومنین ہوئے تو ان کی حسب ہدایت ۳۸ھ کے آخر
یا ۳۹ھ کے شروع میں حارث بن مرثد العبدی نے ہندوستان (علاقہ
سندھ) پر حملہ کیا اور فتح حاصل کی۔ اس جنگ میں اس قدر مال غنیمت
آئے کہ صرف ایک دن میں ایک ہزار تو لوندی غلام مجاہدین میں تقسیم کئے
گئے۔ (فتح البلدان ۳۲۵م البلادی مطبوعہ ۱۸۶۵ء بوبل)

یہ اس علاقے میں پہلا جہاد اور اس میں پہلی فتح تھی جو حضرت علیؓ
کے عہد خلافت میں حاصل ہوئی۔ ایک اور روایت کے مطابق
حضرت علیؓ کے حکم سے ایک اور بحری مہم ہندوستان روانہ ہوئی جس
نے کوکن علاقہ بھیجی پر حملہ کر کے زبردست کامیابی حاصل کی۔ اسی طرح
ایران اور آرمینیا کے بعض نو مسلم عیسائی سردار مرتد ہو کر باغی ہو گئے تھے
جس طرح حضرت ابو بکرؓ کے زمانے میں قبیلے کے قبیلے مرتد ہو گئے
تھے حضرت علیؓ نے لشکر بھیج کر ان پر پے در پے حملے کرائے اور
سب کو مطیع و فرماں بردار بنایا۔

جن لوگوں نے تاریخ کا گہری نظر سے مطالعہ کیا ہے وہ جانتے
ہیں کہ جنگ صفین کے بعد حضرت علیؓ کا بیشتر وقت نظم و نسق کی اصلاح
میں گذرا۔ سب سے پہلے آپؓ نے سرحدوں کی طرف توجہ فرمائی

اور تھوڑے تھوڑے فاصلے پر مضبوط سرحدی چوکیاں قائم کیں جن میں اسلحہ جنگ سے لیس فوجیں دشمن کا مقابلہ کرنے کے لئے ہر وقت تیار رہتی تھیں۔ اس کے علاوہ آپ نے فارس کے علاقے میں بہت سے مستحکم قلعے تعمیر کرائے۔ ان میں سے اسطخر کا قلعہ خاص طور سے مشہور ہے (تاریخ کبیر منہ ۳۴۵) اس کے علاوہ آپ کے زمانے میں اور بھی بہت سی تعمیرات ہوئیں جن میں سے فرات کا پل فرن تعمیر کا اعلیٰ نمونہ تھا۔

حضرت علیؑ نے ملکی انتظامات میں بعض جدید اصلاحات بھی کیں مثلاً آپؑ سے پہلے کسی خلیفہ کے زمانے میں جنگلات پر محصول عاید نہیں کیا گیا۔ حضرت علیؑ نے اپنے اجتہاد سے فیصلہ فرمایا کہ جنگلات بھی آمدنی کا ایک ذریعہ ہیں اس لئے ان پر بھی محصول لگایا جائے۔ اس طرح اسلامی اسٹیٹ کی آمدنی میں بڑا اضافہ ہوا۔ مورخین نے اس سلسلے میں برص کے جنگل کا ذکر کیا ہے جس سے چار ہزار درہم مالگزار می بیت المال میں داخل ہوا کرتی تھی۔ (نہ کتاب الخراج منہ ۵)

حضرت علیؑ سے پہلے گھوڑوں پر زکوٰۃ لی جاتی تھی مگر آپؑ نے فرمایا کہ چونکہ گھوڑے سواری، یار برداری اور جنگی ضروریات کے لئے بڑی اہمیت رکھتے ہیں اس لئے انہیں زکوٰۃ سے مستثنیٰ کر دیا جائے تاکہ ان

کی انفرالٹنسل میں کمی نہ ہو۔ چنانچہ آپ کے حکم کے تحت گھوڑے زکوٰۃ سے مستثنیٰ کر دیئے گئے۔ (کتاب الخراج ص ۱۲۲)

اسی طرح آپ نے جرم و منرا کے باب میں بھی بعض اصلاحات فرمائیں مثلاً آپ سے پہلے شرابی کو منرا تو دی جاتی تھی مگر اس کی حد مقرر نہیں تھی ہر حاکم یا قاضی حسب ضرورت کوڑوں کی تعداد مقرر کر دیتا تھا۔ حضرت علیؑ نے اس جرم کی منرا کے طور پر اسی کوڑوں کی حد مقرر فرمادی۔ (کتاب الخراج ص ۹۹)

حضرت علیؑ اس نکتے کو بخوبی سمجھتے تھے کہ حبت تک گورنر اور اعلیٰ حکام کی اصلاح نہیں ہوگی۔ عوام کی اصلاح نہیں ہو سکتی اور نہ حسن انتظام پیدا ہو سکتا ہے۔ چنانچہ اسی خیال کے پیش نظر آپ اپنے عمال کا بڑی سختی سے معاملہ فرماتے اور انہیں جلد جلد فرمان بھیجتے رہتے یہی نہیں بلکہ نیک صالح اور انتظامی امور کا تجربہ رکھنے والوں کو مختلف علاقوں میں متعین فرماتے اور انہیں ہدایت دیتے کہ لوگوں کے پاس پہنچ کر حالات کا جائزہ لو اور تفتیش و تحقیق کر کے مجھے رپورٹ کرو کہ ان علاقوں میں انتظامی صورت کیسی ہے اور عمال اپنے فرائض منصبی کو دیا نہ دیا ہے اور اگر ہے ہیں یا نہیں؟ چنانچہ تاریخ میں درج ہے کہ ایک دفعہ نے مشہور صحابی حضرت کعب بن مالک کو حکم دیا کہ :-

”آپ قابل اعتبار لوگوں کی ایک جماعت لے کر عراق عباسیہ
اور ہر ضلع میں جا کر عمال کے حالات اور طریق کار کی تحقیق
کیجئے۔“ (کتاب الخراج ص ۱۶)

اس موضوع کو ختم کرنے سے پہلے مزید اسباب معلوم ہوتا ہے کہ ”خلافت
معاویہ و یزید کے مولیٰ کے ممدوح اور ان کی تلمیذ میں بہترین مصنف حضرت
شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کا ایک بیان بھی نقل کر دینا چاہئے تاکہ معلوم
ہو سکے کہ حضرت شاہ صاحب کی تلمیذ میں حضرت علیؑ کی حیثیت کیا تھی
خصوصاً ان کے عہد خلافت کے متعلق وہ کیا رائے رکھتے تھے فرماتے
ہیں کہ :-

”معاویہؓ نے ضرار اسدی سے کہا کہ مجھے علیؑ کی صفات بتاؤ۔ انہوں
نے معذرت کی کہ مجھے اس خدمت سے معاف رکھئے۔ معاویہؓ بولے
کہ تمہیں علیؑ کی صفات بیان کرنا پڑیں گی۔ اس پر ضرار نے بیان کیا
کہ خدا کی قسم وہ (حضرت علیؑ) بڑے صاحبِ قوت تھے۔ فیصلہ
کرتے وقت عدل و انصاف کے تقاضوں کو پیش نظر رکھتے تھے
ان کی زبان سے علم کے چشے پھوٹتے تھے۔ ان کے ہر عضو سے حکمت
کا ظہور ہوتا تھا۔ وہ دنیا اور اس کی آسائشوں سے پرہیز کرتے تھے
رات اور اس کی وحشت سے انہیں اکس تھا (خوفِ خدا سے)۔

بے حد روتے اور متفکر رہتے تھے۔ معمولی لباس اور معمولی کھانا
 انہیں مرغوب تھا وہ ہم لوگوں کے ساتھ اس طرح زندگی گزارتے
 تھے جیسے ایک معمولی آدمی دوسرے معمولی آدمی کے ساتھ وقت
 گزارتا ہے۔ جب ہم ان سے کوئی بات دریافت کرتے تو وہ اس
 کا جواب دینے میں تامل نہ فرماتے اور جب ہم چاہتے کہ وہ ہمارا
 انتظار کریں تو انتظار کرتے۔ باوجودیکہ ہمیں ان کا اس قدر قرب
 حاصل تھا مگر ان کے رعب و دبدبہ کی وجہ سے ہمیں ان
 سے بات کرنے کی جرأت نہ ہوتی تھی۔ وہ دینی لوگوں کا احترام کرتے
 اور مساکین کو اپنا قرب عطا کرتے۔ زبردست (یہاں مراد ظالم ہے)
 ان سے کسی اعانت کی امید نہ رکھنا اور کمزوران کے انصاف
 سے ناامید نہ ہونا۔ میں شہادت دیتا ہوں کہ میں نے کبھی کبھی ایسا بھی
 دیکھا ہے کہ ہر طرف رات کی تاریکی چھائی ہوئی ہے ستارے جھللا رہے
 ہیں اور وہ اپنی دائرہ کی پٹریوں سے اس طرح بے چین ہیں جیسے کسی کو
 سانپ نے کاٹ لیا ہو اور گریہ و زاری کرتے ہوئے کہہ رہے
 ہیں کہ اے دنیا کسی کو قریب دے میں تجھ کو بین طلبا قین
 دے چکا اب رجعت ممکن نہیں تیری عمر کم اور تو حقیر ہے ہائے
 زاد راہ کم ہے۔ سفر طویل ہے۔ راستہ دہشتناک ہے۔ بین کہ

معاویہ رو پڑے اور کہا کہ خدا ابو الحسن پر اپنی رحمتیں نازل فرمائے
 بخدا وہ ایسے ہی تھے۔ پھر معاویہ نے غرار سے پوچھا کہ تمہیں
 ان کی وفات کا کس قدر غم ہے۔ غرار نے کہا جتنا غم اس
 عورت کو ہوتا ہے جس کا پیلو بھٹی کا بیٹا اس کی گود میں قتل کر دیا گیا
 ہو۔ (ازالۃ الخفا جلد دوم ص ۲۶۶)

یہ حضرت علیؑ کی شخصیت اور ان کے عہد کی صحیح تصویر یا ایک اجمالی خاکہ ہے
 جسے ہم نے نہایت اختصار سے پیش کیا ہے۔ ورنہ اگر حضرت علیؑ کے سارے
 کارناموں کی انتظامات اور انتظامی اصلاحات کا تفصیلی بیان کیا جائے تو شاید
 کئی جلدوں میں بھی مشکل ختم ہو۔ اس اجمالی بیان سے بھی چند باتیں پورے طور
 پر واضح ہو جاتی ہیں کہ حضرت علیؑ نے اپنے معاصرین سے جتنی جنگیں لڑیں
 آپ نے سب میں عظیم الشان کامیابی حاصل کی اور آپ کے تمام مخالف
 مقابلے سے عاجز ہو گئے۔ آپ نے جملہ بغاوتوں کو فرو کیا، مرتدین سے
 جہاد کیا، سرحدوں کو محفوظ کیا، حملہ آوروں کو شکست دے کر خارج البلد کیا اور
 ساری سلطنت میں مکمل طور سے امن و امان قائم کر دیا۔ ملکی انتظامات میں متعدد
 اصلاحات فرمائیں۔ آپ کے عہد خلافت میں تجارت، زراعت، عدالت، تعلیم اور
 دیگر سارے شعبے حسب معمول کام کرتے رہے۔ ملازمین کو تنخواہیں باقاعدگی سے
 ادا ہوتی رہیں حتیٰ کہ شیر خوار بچوں کو بھی ان کے وظائف ملنے رہے۔ لوگ ان سے

محبت کرتے مگر ان کے نام سے کانپتے بھی تھے گو یا ایک کامیاب علمبرار میں عینی
 صفات ہونی چاہئیں وہ سب حضرت علیؑ میں موجود تھیں حضرت علیؑ کی انہیں صفات
 اور آپ کے انہیں عظیم الشان کارناموں کو دیکھ کر حضرت شاہ ولی اللہ محدث
 دہلویؒ نے فرمایا کہ "حضرت علیؑ کے عہد خلافت میں مقاصد خلافت پورے ہو گئے
 اور کوئی احتساب باقی نہیں رہا" "اذ اللہ الخ" حصہ اول ص ۱۸۱ مگر "عہد خلافت معاویہؓ و یزیدؓ
 کے مولف کو حضرت علیؑ کی ان صفات میں سے ایک صفت نظر نہیں آتی اور
 وہ اس خلیفہ راشدؓ کے عہد کو بھیا تک بنا کر دکھانے پر مصر ہیں کیا یہ فرض کر لیا
 جائے کہ وہ ان کتابوں سے بے خبر ہیں جن کے حوالوں سے ہم نے حضرت
 علیؑ کے عہد کی تصویر کھینچی ہے یقیناً ایسا نہیں ہے کیونکہ ان میں سے ہر
 کتاب سے انہوں نے اپنی تالیف میں استفادہ کیا اور یہ کتابیں ایسی
 نہیں ہیں جن سے تاریخ کا کوئی طالب علم بے نیاز رہ سکے خصوصاً حبیب
 ان میں سے کسی کتاب کا مولف یا مصنف شیعہ بھی نہیں ہے ان کی روایات
 کو قبول نہ کرنے کی کوئی وجہ نظر نہیں آتی اگر کوئی وجہ ہے تو صرف یہ کہ حضرت
 علیؑ کے عہد کی یہ تصویر دکھانے سے مولف کا مقصد فوت ہو رہا تھا
 اس لئے اس نے امانت و دیانت کا خون کر دیا اور کذابین بنو امیہ
 وضع کردہ روایات یا خارجوں کی مشہور کردہ حکایت قبول کر کے ایک غلط
 محل تیار کر دیا جس کا حشر قادیان کے سامنے ہے۔

اس بیان کو ختم کرنے سے پہلے ایک اہم نکتے کی طرف اشارہ کر دینا
 بے محل نہ ہوگا اور وہ یہ کہ حضرت علیؑ کے عہد خلافت اور آپ کے اقدامات
 پر بحث و گفتگو کرتے ہوئے اس حقیقت کو نظر انداز کر دیا جاتا ہے کہ حضرت علیؑ
 عام سیاست دانوں کی طرح موقع پرست نہ تھے کہ جو حصول مقصد کیلئے
 ہر جان و نام جائز طریقہ استعمال کرتے ہیں کوئی باک محسوس نہیں کرتے۔ حضرت علیؑ
 کا مطلع نظر ہمیشہ یہ رہا کہ نظام حکومت کو خالصتہ اسلامی خطوط پر چلایا جائے
 خواہ اس میں کامیابی ہو یا ناکامی۔ انہوں نے امیر معاویہؓ کی طرح مسلمانوں کے
 خزانے کو نہ تو بانی کی طرح بہایا اور نہ کسی کو ایک درہم رشوت دی جب کہ
 امیر معاویہؓ سرداران قبائل کو رام کرنے کے لئے درہم و دینار بے دریغ لٹا رہے
 تھے۔ حضرت علیؑ کی کیفیت تو یہ تھی کہ وہ اپنے گونہروں اور تحصیل داروں سے
 ایک ایک درہم کا حساب لیتے تھے انتہا یہ ہے کہ انہوں نے اپنے بھائی عقیلؓ
 اور چچا زاد بھائی عبداللہ بن عباسؓ تک کو معاف نہ کیا اور سختی سے باز پرس کی
 یہی وجہ ہے کہ دنیا پرست لوگ ان سے کتنی کتراتے اور دور بھاگتے تھے۔ حضرت علیؑ
 نے اپنے دوستوں کے بعض ایسے مشوروں کو بھی ٹھکرا دیا جو دنیوی نقطہ نگاہ سے
 بڑے قیمتی تھے مگر دینی نقطہ نگاہ سے ان کا قبول کرنا سراسر غلط تھا کیجیے اس کا
 نتیجہ یہ بھی ہوا کہ انہیں اپنے بعض دوستوں کی رفاقت سے محروم ہونا پڑا مگر انہوں
 نے یہ نقصان گوارا کر لیا لیکن اسلامی نظریہ حکومت کی تقدیس پر آنکھ نہ آنے دی۔

سب جانتے ہیں کہ عرب کے مشہور مدبر مغیر بن شعبہ ابتدا میں حضرت علیؓ کے
ساتھ تھے مگر جب حضرت علیؓ نے ان کا ایک مشورہ قبول نہ کیا تو وہ انہیں چھوڑ کر
امیر معاویہؓ کے پاس چلے گئے۔ ابن خلدون نے اپنے مقدمے میں یہ واقعہ کسی قدر
تفصیل سے لکھا ہے اور ابن خلدون کے مقدمے کے متعلق خلافت معاویہ و یزید
کے مولف نے بڑی اچھی رائے ظاہر کی ہے اور اس پر غیر معمولی اعتماد کا اظہار
کیا ہے چنانچہ وہ لکھتے ہیں کہ:-

”ایک منفرد مثال علامہ ابن خلدون کی ہے جنہوں نے اپنے شہر آفاق
مقدمہ تاریخ میں بعض مشہور وضعی روایات کو نقد و درایت کے معیار کے
پرکھنے کی کوشش کی اور نام نہاد مورخین کے بالے میں صاف کہا کہ
تاریخ کو خرافات اور وہی روایات سے انہوں نے لٹیٹر ڈالا۔ وہ
لکھتے ہیں کہ اور زما اہل خود ساختہ (مورخین نے اس کو تاریخ کو)
باطل اور من گھڑت خرافات سے خلط ملط کر دیا۔ لغو اور بیہودہ باتیں
اس میں بھر ڈالیں اور گھٹیا قسم کی وضعی روایتیں اردھر آدھر سے
لے کر اس میں شامل کر دیں۔“ (خلافت معاویہ و یزید ص ۷۷)

ظاہر ہے کہ علامہ ابن خلدون نے اپنے مقدمہ تاریخ کو خرافات اور لغو بیہودہ باتیں
پاک کر ہو گامیاب دیکھے وہ مغیر بن شعبہؓ کے واقعے کے متعلق کیا لکھتے ہیں
”جب حضرت علیؓ کی بیعت خلافت ہوئی اور آپؓ نے کوزروں کے

تقریباً بطرفی کے متعلق مغیرہ سے مشورہ کیا تو انہوں نے رائے دی
 کہ جب تک سارا عالم اسلام آپ کے ہاتھ پر جیت نہ کر لے رہی
 آپ کی حکومت خوب مضبوط نہ ہو جائے اس وقت تک معاویہؓ
 وغیرہ کو ان کے عہدوں سے برطرف نہ کیجئے حقیقت یہ ہے کہ
 جہاں تک دیوبند سیاست کا تعلق ہے مغیرہ کی یہ رائے اس قابل تھی
 کہ اسے تسلیم کر لیا جاتا لیکن چونکہ یہ طریقہ کار و غلبہ بازی کا تھا جو اسلامی
 روح کے خلاف ہے اس لئے حضرت علیؓ نے یہ رائے تسلیم نہ کی
 دو ایک روز کے بعد مغیرہ پھر حضرت علیؓ سے ملنے آئے اور عرض کیا
 کل میں نے آپ کو جو رائے دی تھی جب بعد میں میں نے اس پر غور کیا
 تو اس نتیجے پر پہنچا کہ خیر خواہی کے نقطہ نگاہ سے وہ رائے درست
 نہ تھی وہی درست ہے جو آپ کو ناجائز مانتے ہیں۔ اس پر حضرت علیؓ
 نے فرمایا کہ خدا کی قسم تم غلط کہہ رہے ہو میری خیر خواہی تو ایسی نہیں تھی
 جو رائے تم نے کل دی تھی اور جوابات آج کہہ رہے ہو اس میں گھوٹ
 کی آمیزش ہے مگر مشکل یہ ہے کہ حق پسندی مجھے تمہاری پہلی رائے
 قبول کرنے سے منع کرتی ہے۔ (مقدمہ ابن خلدون ص ۱۷۱)

اس سے حضرت علیؓ کی مراد یہ تھی کہ اگر میں معاویہؓ کو ان کے عہدے پر بقرار
 رکھتا ہوں تو گویا ان پر یہ ظاہر کرتا ہوں کہ مجھے تمہارے گورنر ہونے پر کوئی

اعتراف نہیں اور تمہارے طریق کار سے پورا اتفاق ہے اطمینان سے اپنے
 فرائض انجام دیتے رہو حالانکہ یہ باطن میں فیصلہ کر چکا ہوں کہ انہیں معزول کر دوں گا
 اس میں دعا بازی و حیلہ سازی ہے اور یہ پالیسی دورخی کی ہے۔ ظاہر ہے کہ
 جو شخص سیاسی معاملات میں اس قدر محتاط ہو اور جس کی روحانیت کا یہ عالم ہو
 مغیرہ یا معاویہ جیسے دنیا دار سیاست داں اس کا ساتھ کیسے دے سکتے تھے
 یہی وجہ ہے کہ حضرت علیؑ کے پاس اپنی دال گلتی نہ دیکھ کر مغیرہ ان سے الگ
 ہو کر معاویہ سے مل گئے اور معاویہؓ نے بھی حضرت علیؑ کی مخالفت اسی لئے کی
 کہ وہ حضرت علیؑ کے طور طریقوں سے واقف تھے اور جانتے تھے کہ میری
 سیاسی بے اعتدالیوں کے لئے ان کے پاس کوئی گنجائش نہ ہوگی۔ جو لوگ یہ کہتے
 ہیں کہ حضرت علیؑ نے حضرت معاویہؓ کو شام کی گورنری سے معزول کر کے سخت
 غلطی کی یا وہ لوگ جو یہ کہتے ہیں کہ ہماری سمجھ میں نہیں آتا کہ حضرت علیؑ نے
 حضرت معاویہؓ کو شام کی گورنری سے کیوں معزول کر دیا؟ انہیں ابن خلدون
 کا مندرجہ بالا بیان آنکھیں کھول کر پڑھنا چاہیے۔
 قصہ امیر معاویہؓ کا

حضرت علیؑ کو آپ کے بلند ترین مرتبہ سے گرانے کی مذموم کوشش
 کے بعد مولف "خلافت معاویہ و نیرید" نے جو دو ٹوک کارنامہ سر انجام دیا ہے
 وہ یہ ہے کہ حضرت معاویہؓ کو ان کے مرتبے سے اتنا بڑھایا ہے کہ خلفاء

راشدین سے جا ملایا ہے بلکہ ان سے بھی بڑھا دیا ہے چنانچہ ایک جگہ لکھا ہے کہ
 حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے بھی بڑھ کر تھے راسخ فی الدین

استغفر اللہ ملاحظہ ہو ص ۳۳۹

پھر ص ۳۳ پر لکھتے ہیں کہ ”حضرت معاویہ کی خلافت کو خلافت راشدہ کیوں نہ کہا جائے“
 ہم ان لوگوں میں سے نہیں ہیں جنہیں تعصب بصارت اور بصیرت دونوں
 سے محروم کر دیتا ہے۔ ہمیں نہایت فراخ دلی سے اس حقیقت کا اعتراف ہے
 کہ حضرت معاویہ بڑی خوبیوں کے انسان تھے۔ وہ تدبیر و سیاست کے اعتبار سے
 عرب کے گنتی کے افراد میں سے ایک ممتاز فرد تھے۔ وہ نہایت خلیق متواضع حلیم
 اور ہمدرد بھی تھے۔ ان کی جود و سخا کا مینہ بھی خوب بہتا تھا۔ یہی نہیں بلکہ وہ تمام
 اخلاقی عیوب یعنی کبیرہ گناہوں سے بھی پاک تھے۔ انہوں نے شرف بہ اسلام
 ہونے کے بعد حضرت عثمانؓ کی شہادت تک اسلام کی قابلِ قدر خدمت انجام
 دی۔ یہ تاریخ کی ایسی بدیہی حقیقت ہے جس کا انکار کوئی جاہل شخص کر سکتا ہے
 یا متعصب۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ ہمیں اس حقیقت کے اظہار میں بھی مطلق
 یقین ہے کہ انہوں نے اور ان کے ساتھیوں نے حضرت عثمانؓ کی شہادت کے
 بعد جو نڈل PLAY کیا وہ ان کے شایانِ شان نہ تھا اور اس سے ملت اسلام
 کو سخت ضعت پہنچا۔ انہوں نے ایک ایسی شخصیت کے خلاف علم بغاوت
 بلند کیا جو اپنی فضیلت اسلامِ عظیم الشان کا زمانوں زبرد و تقویٰ علم و فضل اور زمانہ

مذہب و فراست کے لحاظ سے ان سے بددھیا اور سچی اور ہر لحاظ سے خلافت کی مستحق تھی جس کی خلافت قائم ہو چکی تھی اور جس کے ہاتھ پر بقول حضرت سید عبدالقادر جیلانی مدینہ کے اکابر نے جن میں صحابہ بھی شامل تھے بیعت کی تھی بلکہ سب سے پہلے ان صحابہ ہی نے حضرت علی کی خدمت میں حاضر ہو کر بیعت لینے کی درخواست کی تھی۔

حضرت معاویہؓ نے ایسے خلیفہ کے خلاف بغاوت کی جو امام ہو حق تھا۔ اور شہادت تک سچا امام رہا۔ (ملاحظہ ہو غنیۃ الطالبین ص ۱۹)

انہوں نے ایسے شخص کے خلاف علم بغاوت بلند کیا جس کی خلافت اہل مشوکت کی بیعت سے قائم ہوئی تھی اور حضرت امام ابن تیمیہ کے بقول جس کی خلافت خلافت نبوت تھی۔ (ملاحظہ ہو منہاج السنۃ جلد دوم ص ۲)

ہماری سمجھ میں نہیں آتا کہ حضرت معاویہؓ کے اس اقدام کے لئے کون سا حوالہ پیش کیا جاسکتا ہے۔ زیادہ سے زیادہ یہی کہا جاسکتا ہے کہ انہیں حضرت علیؓ سے خون عثمانؓ کے معاملے میں اختلاف تھا لیکن کیا یہ خون حضرت علیؓ نے کیا تھا۔ البتہ دعویٰ کبھی خود حضرت معاویہؓ نے بھی نہیں کیا وہ یہی کہتے تھے کہ پہلے آپ حضرت عثمانؓ کے قاتلوں سے انتقام لیجئے پھر ہم بیعت کرینگے لیکن قاتلوں سے انتقام لینے کا جو طریقہ حضرت معاویہؓ نے اختیار فرمایا تھا کیا اسے صحیح اسلامی سپرٹ سے تعبیر کیا جاسکتا ہے؟ خلیفہ وقت بلکہ خلیفہ راشد

کے مقابلے میں فوجیں لیکر صف آرا ہونا۔ اس سے جنگ کرنا۔ ہزاروں مسلمانوں کے
 خون بہانا۔ سیکڑوں عورتوں کو بیوہ اور ہزاروں بچوں کو یتیم کر دینا۔ واقعہ بحکیم کے
 بعد بھی خلیفہ کے مقبوضات پر حملے کر کے خلیفہ کو تہ تیغ کرنا اور اس کی اسلامی
 حکومت کو ناکام بنانے کی کوشش کرنا کیا انتقام لینے کا یہی طریقہ ہے؟ اگر
 حضرت مساویہؓ یہ سمجھتے تھے کہ حضرت علیؓ مفسدوں کے تسلط میں ہیں تو
 کیا اپنی پوری طاقت کے ساتھ جوا نہیں حاصل مہتی حضرت علیؓ کے
 ساتھ مل کر وہ قاتلوں سے انتقام نہیں لے سکتے تھے؟ کیا اس میں
 ساری امت کی بہتری نہ تھی کہ وہ حضرت علیؓ کی خدمت میں حاضر ہو کر ان
 کی بیعت کرتے اور پھر ان سے کہتے کہ امیر المومنین! عثمانؓ بے گناہ اور
 مظلومانہ طور پر شہید کئے گئے ہیں میں آپ کے ساتھ ہوں چلئے ہم دونوں
 مل کر ان کے قاتلوں کو ان کے کیفر کردار تک پہنچائیں۔ یقیناً اس متحدہ قوت
 کے مقابلے میں مفسدوں اور قاتلوں کی حیثیت ہی کیا تھی۔ چند روز میں
 سارے معاملات درست ہو جاتے اور امت اس نفاق و اقراق سے بھی
 بچ جاتی جس کا آج تک شکار ہے اور وہ خوں ریزیاں بھی نہ ہوتیں جو اسی
 واقعہ کا رد عمل تھیں لیکن یہ تو اسی صورت میں ممکن تھا جب حضرت مساویہؓ کے
 پیش نظر خون عثمانؓ ہوتا وہ تو اس پودے میں سلطنت و مارت حاصل کرنا
 چاہتے تھے اور اس کے لئے انہوں نے ہر چیز داؤ پر لگا دی۔ تاریخ سے

پوری طرح ثابت ہے کہ حضرت معاویہؓ میں نسلی عصیت موجود تھی اور وہ بنو امیہ
 و بنو ہاشم کی پرانی رقابت کو فراموش نہ کر سکے تھے۔ ہمیں معلوم ہے کہ خلافت
 معاویہؓ و یزیدؓ کے مولف ہمارے اس دعوے پر یقین نہیں کریں گے لیکن ہم
 ملے کر چکے ہیں کہ انہیں یقین دلا کر رہیں گے اور بطور گواہ اس بزرگ شخصیت کو
 پیش کریں گے جس کی بات رد کرنا ان کے بس سے باہر ہے یعنی حضرت شاہ
 ولی اللہ محدث دہلوی۔ جن کی کتاب کی عبارتوں کو کتب بیوت کر کے انہوں نے
 اپنے مقصد کے لئے استعمال کیا ہے اور اس کتاب پر غیر معمولی اعتماد کا اظہار
 کیا ہے۔ حضرت شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ:-

ابو یعلیٰ کہتے ہیں کہ حضرت علیؓ نے فرمایا کہ ایک روز کا ذکر ہے کہ رسول اللہ
 صلی اللہ علیہ وسلم میرا ہاتھ پکڑے مدینہ کی ایک گلی میں سے گذر رہے
 تھے آبادی سے نکل کر ہم ایک باغ میں پہنچے (اس باغ کو دیکھ
 کر) میں نے کہا کہ یا رسول اللہ! کیا اچھا باغ ہے حضورؐ نے فرمایا
 کہ تمہیں جنت میں اس سے اچھا باغ ملے گا۔ اس کے بعد ہم
 دوسرے باغ میں پہنچے (اسے دیکھ کر بھی) میں نے عرض کیا کہ
 یا رسول اللہ! یہ باغ کیا اچھا ہے حضورؐ نے (پھر) فرمایا کہ تمہیں
 جنت میں اس سے بھی اچھا باغ ملے گا۔ اس کے بعد ہم دونوں
 تیسرے باغ میں گئے۔ میں نے کہا کہ یا رسول اللہ! یہ باغ کیا اچھا ہے

دبھرا حضورؐ نے فرمایا کہ تمہیں جنت میں اس سے بھی اچھا باغ ملے گا۔
 حضرت علیؑ فرماتے ہیں کہ اسی طرح ہم سات باغوں میں گئے اور
 ان سب کو دیکھ کر میں یہی کہتا رہا کہ یہ کیسا اچھا باغ ہے اور حضورؐ
 اہر بارہ یہی فرماتے رہے کہ جنت میں تمہیں اس سے بھی اچھا باغ
 ملے گا۔ یہاں تک کہ راستہ میں ایک جگہ ہم دونوں تنہا رہ گئے
 تب آپؐ مجھ سے بغلیں ہو گئے اور ناز و قطار رونے لگے میں
 نے کہا یا رسول اللہؐ آپؐ گریہ کیوں فرما رہے ہیں حضورؐ نے فرمایا کہ
 اُن عداوتوں کے باعث جو بعض لوگ اپنے دلوں میں چھپائے
 ہوئے ہیں اور میری وفات کے یہ ان عداوتوں کو تم سے نکالیں گے
 میں نے پوچھا کہ یا رسول اللہؐ کیا اس میں میرے دین کے لئے
 سلامتی ہے حضورؐ نے فرمایا کہ ہاں سلامتی رہے گی۔

(ادب المفاد حصہ اول ص ۱۲۵ مطبوعہ مطبع صدیقی)

ایک معمولی سمجھ کا آدمی بھی اس نتیجے پر پہنچے گا کہ رسول اللہؐ کے
 اس ارشاد میں اشارہ تھا ان ہنگاموں کی طرف جو حضرت علیؑ کی خلافت کو
 دہم برہم کرنے کے لئے حضرت معاویہؓ نے برپا کئے۔ صرف اس ایک
 حدیث سے حضرت معاویہؓ کے اس کردار پر پوری طرح روشنی پڑ جاتی ہے
 جو انہوں نے حضرت علیؑ کے زمانے میں ادا کیا اور اسی حدیث سے ہمارے

اس دعوے کی تائید ہو جاتی ہے کہ حضرت معاویہؓ نے خون عثمانؓ کا نعرہ صرف
 اور صرف حضرت علیؓ کی خلافت کو ناکام بنانے کے لئے لگایا تھا۔ مقصد یہ
 تھا کہ خلافت بنو ہاشم سے نکل کر بنو امیہ کے پاس آجائے اور پھر اسے
 وہ اپنے خاندان کے لئے محفوظ کر جائیں۔ یزید کو جانشین بنانا اسی سلسلے
 کی کڑی مہمتی یہ امر کہ حضرت معاویہؓ نے خون عثمانؓ کا نعرہ محض حصول اقتدار
 کے لئے لگایا تھا ان کی ایک تقریر سے پوری طرح ثابت ہو جاتا ہے
 اور یہ تقریر بھی ایک بڑے مورخ نے اپنی کتاب میں درج کی ہے۔
 "خلافت معاویہؓ و یزیدؓ کے مولف بھی اس مورخ کی ثقاہت کے معترف ہیں
 اور انہوں نے اپنی کتاب میں پانچ جگہ اس کتاب کے حوالے دیئے ہیں
 اور کسی ایک جگہ بھی اس کتاب کی مذمت یا تنقیص میں ایک لفظ نہیں لکھا
 اس کتاب کے مصنف حضرت امام ابن عبد ربہ اللاندلسیؒ ہیں وہ لکھتے ہیں کہ:-
 "جب حضرت معاویہؓ تمام عالم اسلام کے حکمران بن گئے تو وہ ایک بار مدینہ
 تشریف لے گئے۔ مدینہ کے دوران قیام میں وہ حضرت عثمانؓ
 کے گھر بھی گئے انہیں دیکھ کر حضرت عثمانؓ کی صاحبزادی
 عائشہؓ "ہائے ابا جان! ہائے ابا جان" کہہ کر رونے لگیں انہیں
 روتا دیکھ کر حضرت معاویہؓ نے کہا کہ اے میری بھینجی لوگ ہمارے
 مطیع ہو گئے ہیں اور ہم نے انہیں امان دے دی ہے۔ ہم

نے ان پر اپنا علم ظاہر کیا ہے جس کے نیچے غصہ بھی پوشیدہ ہے اور
 انہوں نے ہماری اعانت کی ہے لیکن اس کے نیچے آگ چھپی ہوئی ہے
 ہر آدمی کے پاس تلوار ہے اگر ہم نے عہد شکنی کی تو وہ بھی عہد شکنی
 کریں گے۔ (یعنی تلوار لے کر مقابلے میں آجائیں گے)

(العقد الفريد ج ۱۲ ص ۱۲۶ مطبوعہ مصر)

اس تقریر سے دو امر ثابت ہونے لگے ہیں ایک تو یہ کہ مسلمانوں نے حضرت
 معاویہ کی بیعت خوش دلی سے نہیں کی تھی بلکہ مجبوراً کی تھی ان کی تقریر کے
 یہ الفاظ اس کا ثبوت ہیں کہ لوگوں نے ہماری اعانت کی ہے لیکن اس کے
 نیچے آگ چھپی ہوئی ہے اس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ ان کی خلافت
 کی حیثیت کیا تھی؟ اس تقریر سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ حضرت
 معاویہ خون عثمان کا انتقام لینے پر ملک کے امن و امان کو ترجیح دیتے
 تھے اور ڈرتے تھے کہ اگر ہم نے قاتلین عثمان کی گرفت کی تو وہ بھی تلواریں لے
 کر میان میں آجائیں گے خط کشیدہ الفاظ اس کا ثبوت ہیں سوال پیدا ہوتا ہے
 کہ پھر انہوں نے حضرت علیؑ سے جنگ کیوں کی اور کیوں ان کی خلافت تسلیم
 کرنے سے انکار کیا حضرت علیؑ بھی تو یہی کہتے تھے کہ اصل مصلحت قیام امن کا ہے
 اور ایک شخص کے انتقام کے لئے ہزاروں آدمیوں کو قتل کر کے ملک میں
 خون ریزی کی دعوت عام دینا عقل مندی کے خلاف ہے مگر حضرت معاویہؓ ان کی

اس دلیل کو تسلیم کرنے سے انکار کرتے تھے لیکن جب وہ خود حکمراں ہوئے تو انہوں نے بھی وہی کیا جو حضرت علیؓ کہتے تھے کیا اس سے ثابت نہیں ہو جاتا کہ خونِ عثمانؓ کا نعرہ تو محض بہانہ تھا حضرت معاویہؓ کا مطلب حصول اقتدار کے سوائے اور کچھ نہ تھا کیونکہ اگر وہ اپنے دڑے میں مخلص ہوتے تو حضرت عثمانؓ کی بیٹی کو وہ جواب نہ دیتے جو سطور بالا میں درج کیا گیا ہے بلکہ پھر لو ان کا جواب یہ ہوتا کہ "اے میری بھینچی اطمینان رکھو جب تک ایک ایک قاتل عثمانؓ کو ٹھکانے نہیں لگا دوں گا چین نہیں لوں گا" اور اگر کوئی کہے کہ حضرت عثمانؓ کے قاتلوں میں سے تو ایک ایک کو چن چن کر قتل کیا جا چکا تھا۔ باقی ہی کوئی نہیں رہا تھا تو انتقام کس سے لیا جاتا تو اس اعتراض کا جواب یہ ہے کہ اگر ایسا ہوتا تو حضرت معاویہؓ ضرور اس کا ذکر کرتے اور حضرت عثمانؓ کی بیٹی سے کہتے کہ "اے میری بھینچی! میں نے تو تمہارے باپ کے ایک ایک قاتل کو ٹھکانے لگا دیا" مگر انہوں نے یہ نہیں کہا بلکہ یہ کہا کہ اگر ہم نے انتقام لیا تو لوگ بغاوت پر آمادہ ہو جائیں گے اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ کچھ قاتلین عثمانؓ موجود تھے اور حضرت معاویہؓ ان کی گرفت کرنے سے قاصر تھے اور قاصر اس لئے تھے کہ لوگوں کے باغی ہو جانے کا خوف تھا۔ افسوس کہ بعض مصلحتوں کی بنا پر ہم حضرت معاویہؓ کے کردار کے اس حصے پر جو انہوں نے حضرت علیؓ کے خلاف ادا کیا اس سے زیادہ تفصیلی گفتگو نہیں

کر سکتے اور چند ضروری باتیں عرض کر کے اس قصے کو تمام کرتے ہیں۔

حضرت معاویہؓ کی زندگی کے تین دور ہیں۔ پہلا دور ان کے قبول اسلام کے زمانے سے شروع ہو کر شہادت عثمانؓ تک پھیلا ہوا ہے۔ دوسرا شہادت عثمانؓ سے حضرت امام حسنؓ کی دست برداری تک اور تیسرا دور حضرت امام حسنؓ کی دست برداری سے لے کر حضرت معاویہؓ کی وفات تک۔ ان ادوار میں سے پہلے دور میں حضرت امیر معاویہؓ نے اسلام کی قابل قدر خدمات انجام دیں۔ دوسرے دور میں انہوں نے خلیفۃ الرسول اللہؐ کے خلافت بناد کر کے اسلام کو شدید ضعف پہنچا یا تیسرے دور میں انہوں نے جو کچھ کیا اس کے دو حصے ہیں۔ ایک حصہ ان امور سے تعلق رکھتا ہے جو انہوں نے سلطنت کے انتظام کے سلسلے میں انجام دیئے اور اس لحاظ سے ان کا شمار ذیل کے خداداد نئے درجے کے سیاست دانوں، مدبروں اور مفکرینوں میں ہوتا ہے لیکن اس کا دوسرا حصہ بے حد قابل اعتراض ہے۔ حضرت امام حسنؓ جیسی امن پسند اور بزرگ شخصیت پر لشکر کشی کر کے انہیں خلافت سے دست بردار ہونے پر مجبور کرنا اور نیز یہ جیسے اوپاک شخص کو قطعاً غیر اسلامی طریقے سے امت کے سر پر مسلط کرنا یہ دونوں امور حضرت معاویہؓ کے دامن سیاست کو داغدار کرنے کے لئے بہت کافی ہیں۔ حضرت امام حسنؓ کی دست برداری کے سلسلے میں حضرت شاہ ولی اللہ

محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب میں جو خیال ظاہر کیا ہے وہ دہل میں ہم بغیر کسی تبصرے کے درج کرتے ہیں۔ حضرت شاہ صاحب فرماتے ہیں:-
 ”معاویہ اور امام حسنؑ کے مابین جو صلح ہوئی وہ مکر و فساد پر مبنی تھی“

رحمۃ اللہ الباقیہ ص ۱۹۶ جز ثانی مطبوعہ مصر

حضرت شاہ صاحب کے خط کشیدہ الفاظ نے وہ پردہ بھی چاک کر دیا جو امیر معاویہؓ کی ”خطائے اجتہادی“ کہہ کر آدمیاں کر دیا جانا تھا۔ اب صاف معلوم ہو گیا کہ یہ خطا معنی مگر خطائے اجتہادی نہ تھی۔

بعض لوگوں کا خیال ہے کہ حضرت امیر معاویہؓ کو خلافت کا استحقاق تو حاصل نہیں تھا مگر ان میں خلافت کی ساری خصوصیات پائی جاتی تھیں اور ان سے مقصد خلافت بھی پورے ہوئے اس لئے ان کی خلافت بھی اسلامی خلافت ہی کی ایک قسم ہے یہ دلیل ان لوگوں کے دماغ کی اختراع ہے جو امیر معاویہؓ کے غلط اقدامات کے لئے جو اذناک تلاش کرنے اور ان کے دامن کے داغوں کو دھونے کا ٹھیکہ لے چکے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ جس طرح حضرت امیر معاویہؓ کے بے انصاف مخالفوں نے انہیں طرح طرح سے بدنام کرنے اور ان کے کردار کو داغدار کرنے کے لئے بے سرو پا روایات اور اختراعات کا انبار لگا دیا اسی طرح ان کے بعض مداحوں نے ان کی تعریف میں جھوٹی حدیثیں وضع کیں۔ ان دُشمنی حدیثوں کو دیکھ کر اہل سنت کے مشہور امام حضرت مولانا جلال الدین سیوطی

رحمۃ اللہ علیہ کو لکھنا پڑا کہ :-

”ان امیر معاویہؓ کے فضائل میں بہت سی حدیثیں بیان کی گئی ہیں مگر ان میں سے بہت کم ثابت ہوتی ہیں گدتایمخ الخفا و مستبرہ الخ
اور امام سیوطیؒ کے بعد کے مؤرخوں نے ان بہت کم حدیثوں کو بھی نقد و ردایت کی کسوٹی پر پرکھ کر باطل ثابت کر دیا۔“

بہر حال جن لوگوں کا یہ خیال ہے کہ امیر معاویہؓ کو استحقاق خلافت نہ تھا مگر ان میں خلافت کی ساری خصوصیات و شرائط پائی جاتی تھیں۔ اس لئے ان کی خلافت بھی اسلامی خلافت کی ایک قسم ہے۔ اس قسم کے لوگوں سے ہم سوال کرتے ہیں کہ کیا حضرت ابوبکرؓ کے زمانہ خلافت میں حضرت عمرؓ کی ذات میں وہ تمام خصوصیات موجود نہیں تھیں جو کہ ایک خلیفہ میں ہونی چاہئیں اور کیا اگر وہ حضرت ابوبکرؓ کے خلاف رمعاذ اللہ بغاوت کر کے منسبہ خلافت پر قابض ہو جاتے تو متعاصد خلافت کو کمال نمونہ اسلوبی سے پورا نہ کر دیتے؟ پھر کیا صرف اس لئے کہ حضرت عمرؓ کی ذات میں خصوصیات و شرائط خلافت موجود تھیں وہ نظم و نسق کو چلا سکتے تھے اور کافروں سے جہاد کر کے دین کی سطوت و شوکت قائم کر سکتے تھے انہیں حضرت ابوبکرؓ کے خلاف بغاوت کرنے کا حق حاصل تھا؟ اور کیا ان کے اس اقدام کو مستحسن قرار دیا جاسکتا تھا؟ ہم حیران ہیں کہ اس قسم کے

پوچ اور پھر دلائل دینے والوں کی عقلوں کو کیا ہو گیا ہے وہ اتنا بھی نہیں سوچتے کہ ایسی طفلانہ باتیں سن کر لوگ ان کا مضحکہ اڑائیں گے۔

بہر حال ہمارے مندرجہ بالا بیان سے جس میں ہم نے اختصار اور مصلحت دونوں کو مد نظر رکھا ہے چند باتیں ثابت ہو جاتی ہیں۔
(۱) حضرت معاویہؓ خلافت کے خلیص تھے۔

(۲) انہوں نے حضرت علیؓ کے خلافت بغاوت حصول اقتدار کے لئے کی تھی۔

(۳) خون عثمان کا نعرہ محض مطلب برآری کے لئے تھا۔

(۴) انہوں نے خلیفہ رسولؐ کے خلافت بغاوت کر کے اسلام کو شدید ضعیف پہونچایا۔

(۵) ان کے دل میں بنو ہاشم کے خلافت کینہ موجود تھا۔

(۶) انہوں نے حضرت امام حسنؓ پر شکرکشی کر کے خلافت راشدہ

برکات کو ہمیشہ کے لئے ختم کر دیا۔

(۷) یزید کو خلیفہ بنا کر انہوں نے اسلامی جمہوریت کے تابوت میں آخر

کیل ٹھونک دی اور ایک ایسے فتنے کا دروازہ کھول دیا جو آج تک

بند نہ ہو سکا۔ اللہ تعالیٰ ان کے حال پر رحم فرمائے اس

زیادہ ہم اور کیا کہہ سکتے ہیں۔

فتشہ یزید

• خلافت معاویہ و یزید کے موافق نے اپنی کتاب میں سب سے زیادہ
 زور یزید کے متعلق ابواب پر و قلم کرتے ہوئے صرف کیا ہے اور دنیا کی
 بزرگ ترین شخصیتوں میں جو خوبیاں ہو سکتی ہیں وہ سب اس مردود و مقہور شخص
 کی ذات سے وابستہ کر دی ہیں۔ کبر و ارفعہ کے عنوان سے ص ۳۳ سے ص ۶۶
 تک سارا بیان یزید کے زہد و تقویٰ، اس کی دین داری اور خوف خدا سے
 متعلق ہے۔ اسی طرح "امیر المؤمنین یزیدؓ کے خانگی و ذاتی حالات" کے
 عنوان سے ایک علیحدہ باب جو ص ۲۶۳ سے ص ۳۳۳ تک پھیلا ہوا ہے
 تاریخ اسلام کے اسی بدترین حکمران کے فضائل و مناقب پر مشتمل ہے
 اور یہ کوئی عجیب بات نہیں ہے جب کسی شخص پر سیکڑوں سال تک
 لعنت بھیجی جائے اور ہر طرف سے اس پر ٹھکاپڑے تو اس کے کچھ نہ کچھ
 ہمدرد پیدا ہو ہی جاتے ہیں۔ یورپ میں بھی اس قسم کی کوششیں ہو چکی ہیں
 اور ایک مغربی مورخ لائسنس نے یزید کے نام سے پوری کتاب لکھ دی ہے
 جو اسی قسم کی نمرافات و لعنات کا مجموعہ ہے جن سے خلافت معاویہ و یزید
 بھری پڑی ہے۔ موافق نے یزید کی شخصیت کو دو حصوں میں
 تقسیم کیا ہے۔ اول اس کی بیعت خلافت۔ دوم اس کا کردار۔ یزید کی
 بیعت کے سلسلے میں اس نے بڑے اصرار کے ساتھ لکھا ہے کہ ساری

امت نے اسے برضا و رغبت جانشین معاویہ تسلیم کیا تھا اور اس فیصلے کو صحابہ کرام کی پوری تائید حاصل تھی۔ (خلافت معاویہ و یزید کا)

ہم نے بھی اسی کتاب میں جہاں واقعہ کربلا کا پس منظر بیان کیا ہے خاص تفصیل سے بتایا ہے کہ یزید کو سوائے بنو امیہ کے اور کسی نے برضا و رغبت خلیفہ یا امیر تسلیم نہیں کیا اور اہل حجاز نے اس کے تقرر کی سخت مخالفت کی۔ اس کی بیعت جبر و تشدد سے کرا لی گئی بالہ لچ اور رشتہ کے بل بوتے پر اس لئے ذیل میں ہم اختصار کے ساتھ اس مسئلے پر مزید روشنی ڈالتے ہوئے اس امر کا خیال رکھیں گے کہ گفتگو میں تکرار نہ ہونے پائے اور حوالے شیعہ کتب کے نہیں بلکہ حنفی العقیدہ محدثوں کی تاریخوں سے پیش کریں گے۔

بیعت یزید کی حقیقت

مشہور مورخ ابن اثیر یزید کی ولی عہدی کا واقعہ بیان کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ :-

”زیاد نے عبید بن کعب نیرمی کو بلایا اور اس سے کہا کہ ہر مشورہ لینے والے کا کوئی نہ کوئی قابل اعتما و سہما تھی ہوتا ہے اور ہر راہ کا ایک امین۔ لگوں میں دو عادیں پائی جاتی ہیں۔ ایک تو راہ کا فاش کر دینا اور دوسرے ایسے شخص کو نصیحت کرنا جو اس کا اہل نہ ہو۔“

محرم راز ہونے کے اہل وہ شخص ہو سکتے ہیں۔ ایک وہ جو صرف آخرت پر نگاہ رکھتا ہو اور دوسرا وہ جو دنیاوی شرف، وجاہت و طاہری اور عقل و فہم سے بہرہ مند ہو۔ تم میں یہ سب خصوصیات پائی جاتی ہیں۔ میں تم سے ایک ایسے راز میں مشغول کرنا چاہتا ہوں جو ابھی تک سرسبز ہے اور وہ یہ کہ امیر (معاویہؓ) نے مجھے خط لکھ کر یزید کی وکی عہدی کے بارے میں مشورہ طلب کیا ہے۔ ان کی کیفیت یہ ہے کہ وہ (ایک طرف تو) اس امر سے خوفزدہ ہیں کہ لوگ یزید سے نفرت کرتے ہیں۔ اور (دوسری طرف) یہ بھی چاہتے ہیں کہ لوگ اس معاملے میں یزید کی جانشینی تسلیم کرنے میں، ان کے احکام کی تعمیل کریں لیکن مجھے مسلمانوں کا اس فیصلے سے اتفاق کرنا بہت مشکل نظر آتا ہے۔ یزید ایک آزادہ منہ اور بے ہودہ بددیانت

اور نا اہل شخص ہے۔ میرے خیال میں تم امیر المومنین (معاویہؓ) کے پاس جاؤ اور انہیں یزید کی ان حرکات سے مطلع کرنے کے یہ صاف الفاظ میں کہہ دو کہ یہ کام انجام نہیں پاسکتا۔

والکامل ابن ابیہر جلد سوم ص ۱۲۵
خفی المسک مودخ کے اس بیان سے کئی باتیں ثابت ہو گئیں۔

اول یہ کہ امیر معاویہؓ کے رفقاء اور ان کے گورنروں میں سے
بعضی بعض لوگ یزید کو جانشین بنانے کے معاملے میں ان سے کھلا
کھلا اختلاف رکھتے تھے۔

دوم یہ کہ لوگ یزید سے متنفر تھے اور اسے نظر حقارت سے
دیکھتے تھے۔

سوم یہ کہ یزید میں آوارگی بے ہودگی۔ بددیانتی اور نااہلی کی صفات
بانی جاتی تھیں۔

ابن اثیر ہی کا بیان ہے کہ اس گفتگو کے بعد زیاد نے حضرت معاویہؓ
کو ایک خط لکھ کر انہیں ان کے ارادے سے باز رہنے کی تلقین کی۔
معاویہؓ بھی ہوشیار آدمی تھے اور زیاد کی طاقت سے خوب واقف
تھے۔ جانتے تھے کہ جب اتنی بڑی شخصیت اس معاملے میں مجھ سے
اختلاف رکھتی ہے تو یہ کام پانہ تکمیل کو نہیں پہنچ سکتا۔ چنانچہ جب
تک زیاد زندہ رہا معاویہؓ نے یزید کو جانشین بنانے کا نام بھی نہ لیا
مگر کچھ عرصے بعد حب زیاد کا انتقال ہو گیا تو امیر معاویہؓ نے یزید کو اپنا
جانشین بنانے کی مہم بھی شروع کر دی۔ (ملاحظہ ہو الکامل ابن اثیر جلد سوم ص ۲۵۲)
اس ولی عہدی کے لئے امیر معاویہؓ نے کیا کیا پڑ پڑے اور کس کس
طرح و گوں کو اپنا مہنڈا بنانے کی کوششیں کیں۔ اس کا بیان بھی ابن اثیر

ہی کی زبانی سنئے :-

امیر معاویہؓ نے پہلے تو حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے پاس نذر کے طور پر ایک ہزار درہم بھیجے جنہیں ابن عمرؓ نے قبول کر لیا۔ اسکے بعد اس خواہش کا اظہار کیا کہ آپؓ نذر کے ماتحت جو جانشینی کی بیعت کر لیجئے یہ سن کر ابن عمرؓ نے فرمایا کہ میں اپنا دین دنیا کے بدلے میں کبھی فروخت نہ کروں گا۔ کیا معاویہؓ ایک ہزار درہم کے عوض میرا دین خریدنا چاہتے ہیں؟ یہ کہا اور درہم امیر معاویہؓ کو واپس بھیج دیئے اور بیعت نذر سے الگ کر دیا۔

دارکاء ابن اثیر جلد سوم ص ۲۵۲ (

پھر بھی ابن اثیر لکھتا ہے کہ امیر معاویہؓ نے اپنے گورنروں کے نام فرمان بھیجا کہ تم اپنے اپنے علاقوں میں نذر کی طرح و توصیف بیان کرو اور لوگوں کے وفود میرے پاس بھیج جو نذر کی جانشینی کی درخواستیں میرے سامنے پیش کریں۔

دارکاء ابن اثیر جلد سوم ص ۲۵۲ (

امیر معاویہؓ کے اس فرمان کی تعمیل میں اطراف و جوانب سے وفود پر وفود آنا شروع ہو گئے۔ امیر معاویہؓ نے ایک جلسہ منعقد کیا جس میں ان وفود نے پہلے سے سوچی سمجھی اسکیم کے مطابق نذر کو جانشین بنائے جانے کے متعلق تقریریں کیں لیکن اس اجتماع میں ایسے لوگ بھی موجود تھے جن کا

ضمیر مردہ نہیں ہوا تھا۔ احنف بن قیس ایسے ہی باضمیر لوگوں میں سے تھے۔ چنانچہ جب اراکین وفد تقریریں کر چکے تو امیر معاویہؓ نے احنف بن قیس سے مخاطب ہو کر کہا کہ آپ بھی اپنی رائے ظاہر کیجئے۔ احنف نے بڑے سچے تلے الفاظ میں امیر معاویہؓ کے اس اقدام سے اختلاف کرتے ہوئے کہا کہ :-

اگر میں تمہاری بات کی تائید کروں تو تم سے خوف آتا ہے اور اگر اس کی تائید کروں تو اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہوں۔ اے امیر المؤمنین تم یزید کے افعال و کردار کو خوب جانتے ہو اگر تمہارے خیال میں یزید کو جانشین بنانے میں امت محمدیہؐ کی بہتری ہے تو لوگوں سے مشورہ کرنے کی کیا ضرورت اور اگر تم اس کے خلاف رائے رکھتے ہو تو دنیا کے مقابلے میں عقیقی کی فکر کرو کیوں کہ اب تمہارے کوچ کا وقت قریب آچکا ہے۔ جہاں تک ہمارا معاملہ ہے ہم تو اپنا فرض یہی سمجھتے ہیں کہ جو کچھ تم کہو اس کی تائید کئے جائیں۔

(الکامل ابن اسیر ج ۱ ص ۲۵۳)

ان اقتباسات سے مندرجہ ذیل نتائج نکلتے ہیں :-

(۱) امیر معاویہؓ نے یزید کو اپنا جانشین بنانے کے سلسلے میں ہر قسم کی ترغیب و تحریص کو روا رکھا حتیٰ کہ رسول اللہؐ کے بزرگ صحابہ کو رشوتیں دینے

نہک سے گویہ نہیں کیا حضرت عبداللہ بن عمرؓ کا واقعہ اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے۔

(۲) اس دور کے اکابر جن میں صحابہ اور غیر صحابہ حتیٰ کہ امیر معاویہؓ کے بعض دست راست بھی شامل تھے یزید کی جانشینی کو امت کے لئے بہت بڑا فتنہ سمجھتے تھے حضرت عبداللہ بن عمرؓ۔ زیادہ عبید بن کعب

میسری اور احنف بن قیس وغیرہم ایسے ہی لوگوں میں سے تھے۔ (۳) یزید کی جانشینی کے لئے امیر معاویہؓ نے اپنے گورنروں سے سازش

کی تھی اور انہیں پوشیدہ طور پر خطوط لکھ کر خواہش ظاہر کی تھی کہ تم اپنے اپنے علاقوں کے لوگوں کو تحریک کر کے خود بھیجو جو میرے سامنے حاضر ہو کر یزید کو جانشین مقرر کرنے کی درخواستیں پیش کریں۔

”ہم خلافت معاویہؓ و یزیدؓ کے مولف سے سوال کرتے ہیں کہ جس شخص

کو ان شہنشاہوں سے امیر بنایا گیا ہو اس کی خلافت، خلافت اسلامیہ ہو سکتی

سے یہ نام ابن ابیہر کے ان اقتباسات سے تعلق رکھتے ہیں جن کا حوالہ سطور بالا میں دیا جا چکا

ہے چونکہ اس وقت ابن ابیہر کے اقتباسات زیر بحث ہیں اس لئے انہیں ناموں پر اکتفا کی

گئی ہے ورنہ ہم اسی کتاب کے باب ”واقعہ کربلا کا پس منظر اور یزید بن معاویہؓ میں ان

مقام اکابر کا تذکرہ کر چکے ہیں جنہوں نے امیر معاویہؓ کے اس اقدام کی صریح مخالفت

کی تھی۔ (مولف)

ہے ؟ اور کیا امیر معاویہؓ نے یہ سارے پاڑ خلافت کو مروی بنانے کے لئے نہیں کیے ؟ کیا خلفائے راشدین کی تاریخ میں کوئی ایسی مثال ہے کہ انہوں نے اپنے بیٹے یا پوتے کو خلیفہ بنانے کے لئے درہم و دینار کی بادمش کی ہو یا ان میں سے کسی نے گورنروں کو لکھا ہو کہ تم میرے بیٹے کے لئے اپنے اپنے علاقوں میں پروسیکٹڈ کرو ؟ حقیقی خلیفہ تو وہ ہوتا ہے جس پر از خود لوگوں کی نگاہ انتخاب پڑے اور وہ اسے اپنا امیر بنانے کے لئے بے چین ہوں نہ کہ وہ جس کے لئے باقاعدہ مہم چلائی جائے اور لوگوں کو رشتہیں دی جائیں یا تلواروں کے سائے میں اس کی بیعت کرا دی جائے۔ لیکن خلافت معاویہؓ و یزیدؓ کے مولف کو ان باتوں سے کوئی غرض نہیں انہیں تو اپنے کام سے کام ہے اور اس کے لئے انہوں نے جگہ جگہ امانت و دیانت تک کا خون کر دیا۔ ان کی بددیانتی کی بعض مثالیں گزشتہ صفحات میں پیش کی جا چکی ہیں بیعت یزید کے معاملے میں انہوں نے بددیانتیاں کی ہیں ان کی بھی ایک مثال دیکھتے چلیے۔

وصاندلی کی بدترین مثال

مولف نے اپنی کتاب میں ابن کثیر کی تاریخ "البدایہ والنہایہ" پر غیر معمولی انحصار و اعتماد کیا ہے اور ان کی کتاب اسی کتاب کے حوالوں سے بھر پڑی ہے چنانچہ بیعت یزید کے سلسلے میں بھی انہوں نے سب سے زیادہ

فائدہ اسی کتاب سے اٹھایا ہے لیکن کہاں یہ کیا ہے کہ ابن کثیر کی کتاب کی عبارتوں میں حسب مطلب کتر بونت کر کے اس کا مفہوم ہی بدل دیا ہے اور اس طرح قارئین کو گمراہی میں مبتلا کر دیا ہے چنانچہ ایک جگہ لکھتے ہیں کہ :-

”عالم اسلامی کے ہر علاقہ میں لوگوں نے بلا کسی اختلاف کے بیعت کی تھی اور ہر جگہ کے وفود تو کیدر بیعت کے لئے امیر نجد کے پاس حاضر ہوئے تھے۔“

(منہ جلد البدایہ والنہایہ بحوالہ خلافت معاویہ ویزید ص ۱۲۷)

اس عبارت کے ذریعہ مولف قارئین کو یقین دلاتا ہے کہ ابن کثیر کے بقول سارے عالم اسلام سے وفود آئے اور انہوں نے بلا کسی جبر و اکراہ کے بہ طیب خاطر یزید کی بیعت کی۔ لیکن اصل واقعہ یہ ہے کہ خلافت معاویہ ویزید کے مولف نے ابن کثیر کی عبارت کا ایک حصہ چھوڑ دیا جو اس کے مقصد کے خلاف جا رہا تھا اور دوسرا حصہ لے لیا جس سے اس کی مطلب برآر می ہو رہی تھی۔ اب ابن کثیر کی پوری روایت ملاحظہ فرمائیے :-

وہ لکھتا ہے کہ :-

”اس کے بعد امیر معاویہ نے تقریر کی اور یہ افراد موجود تھے تمام

نے یزید کی بیعت کر لی اور یہ لوگ بیٹھے رہے انہوں نے نہ مخالفت

میں آواز بلند کی اور نہ اس کی تائید کی کیونکہ ان کو دھمکی دی گئی تھی

اس طرح یزید کی بیعت ہو گئی (البیہ والنہایہ جلد ہشتم صفحہ ۱۰۰)

یہ بھٹی پوری روایت جس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ اس اجتماع

میں بعض سرکردہ لوگ بھی موجود تھے جنہوں نے یزید کی بیعت نہیں کی

مگر اس کے خلاف آواز بھی نہیں اٹھائی کیونکہ انہیں دھمکی دی گئی تھی

اور انہیں اپنی جان کا خوف تھا لیکن اگر مولف یہ ساری روایت نقل کر دیتا تو

تو یزید کی خلافت خلافت حقہ کیسے ثابت ہوتی اور امیر معاویہؓ کے اس

اقدام کے لئے حجاز کیسے نکلتا۔

یزید کا کردار

جہاں تک یزید کے کردار کا تعلق ہے ہم اپنی کتاب کے باب

”یزید بن معاویہ“ میں اس پر روشنی ڈال چکے ہیں اور صرف اسی باب کے

مندرجات سے ثابت ہو جاتا ہے کہ ”خلافت معاویہ و یزید“ کے مولف

نے یزید کو نہ ہادامت میں شمار کر کے کس طرح تاریخ کا منہ چڑایا ہے

ذیل میں چند ایسے حوالے پیش کئے جاتے ہیں جنہیں ہم نے متذکرہ باب میں

درج نہیں کیا لیکن قبل اس سے کہ ہم وہ حوالے درج کریں ”خلافت

معاویہ و یزید“ سے بعض ایسے اقتباسات نقل کرنا ضروری سمجھتے ہیں

جن میں مولف نے یزید کو امت کا بزرگ، نیک دل، کریم النفس اور جانے
 کیا کیا کچھ لکھا ہے۔ چنانچہ حضرت محمد بن الحنفیہؓ کی زبان سے کہلاتے
 ہیں کہ:-

”میں ان کے (یزید کے) پاس گیا ہوں ان کے پاس مقیم رہا ہوں
 ان کو نماز کی پابندی کرنے والا نیک کاموں میں سرگرم، مسائل فقہ
 پر گفتگو کرنے والا اور سنت نبویؐ کی پیروی کرنے والا پایا ہے“
 (خلافت معاویہ و یزید ص ۳۴)

پھر لکھتے ہیں کہ:-

”امیر یزید کیا رہتا بعین میں تھے، اپنے والد ماجد کے علاوہ بعض اجداد
 صحابہ سے فیض صحبت اٹھایا یعنی حضرت وجہ المکلبیؓ سے
 جو جلیل القدر صحابی ہونے کے علاوہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
 کے سفیر بھی رہے تھے اور ان کی حقیقی بہن سیدہ شراف
 بنت خلیفہ سے آپ نے نکاح بھی کیا تھا اور وہ امیر یزید کے
 رشتہ میں ماموں بھی ہوتے تھے نیز حضرت ابوالدرداء اور جب
 رسول حضرت اسامہ بن زید اور دیگر متعدد صحابہ کرام سے استفادہ
 کیا۔“
 (خلافت معاویہ و یزید ص ۳۴)

اور سنئے:-

”علم و فضل تقویٰ و پرہیزگاری پابندی صوم و صلوٰۃ کے ساتھ ساتھ
امیر مزید خلد درجہ کویم النفس حلیم الطبع - سنجیدہ و متین تھے۔“

(خلافت معاویہ و مزید ص ۱۲)

ایک اور جگہ لکھتے ہیں :-

”حکمرانی و فرماں روائی سے مطلب و مقصد امیر مزید کے نزدیک
خدمتِ خلق تھا اور اس خدمتِ خلق کا آئینہ عمل اور مطمح نظر امیر المومنین
حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی عاقلانہ و صالح حکومت و
سیاست تھی۔“

(خلافت معاویہ و مزید ص ۱۵)

اب ایسی مزید خوردیات کی یہ کتاب متحمل نہیں ہو سکتی مقصد صرف
یہ تھا کہ ہم اپنے دلائل پیش کرنے سے پہلے مولف ”خلافت معاویہ و مزید“
کا دعویٰ بھی پیش کر دیں تاکہ معاملے کے دونوں رخ سامنے آجائیں اور
فیصلہ کرنے والوں کو آسانی ہو۔

مولف نے اس قسم کے حوالے درج کرتے ہوئے ابن خلدون
ابن کثیر اور امام ابن تیمیہ کا بہارا یا ہے اس لئے لازم آیا کہ سب سے
پہلے ہم انہیں موزخوں کی کتابوں سے مولف کے دعووں کا پول کھول
اور ثابت کریں کہ اس نے ان موزخوں کے ناموں سے فائدہ اٹھانے
کوشش میں ان کی کتابوں کے ساتھ بڑا ظلم کیا ہے سب جانتے ہیں

یہ قیوں بزرگ حنفی المسک مورخ تھے ایران میں سے بعض نے اپنی کتابوں میں خلفائے ثلاثہ سے بیزار می کا اظہار کرنے والے گروہ کے عقائد و نظریات پر تنقید کی ہے اور ان کے نظریات کو باطل ثابت کیا ہے۔ اس سلسلے میں الزامی جوابات بھی دیئے ہیں اور بعض جگہ دوسروں کے بیانات بھی درج کئے ہیں۔ "خلافت معاویہ و یزید" کے مولف نے ان بزرگوں کی کتابوں کے انہیں مقامات سے ناامد اٹھایا ہے اور ان مقامات کو قطعاً نظر انداز کر دیا۔ جہاں انہوں نے تاریخ کی روشنی میں اپنی آراء پیش کی ہیں مثال کے طور پر منہاج السنہ کی جلد چہارم میں ایک مقام پر حضرت امام ابن تیمیہؒ خلفائے ثلاثہ پر اعتراض کرنے والوں کے دلائل کا الزامی جواب دیتے ہوئے لکھتے ہیں کہ "حضرت علیؓ خفائے راشدین میں سے تھے جسکی خلافت خلافت نبوت ہے لیکن اگر کوئی شخص حضرت ابو بکرؓ و عمرؓ پر جرح کرے گا اور اگر یہ جرح صحیح ثابت ہوگی تو سب سے زیادہ اس شخص کے حق میں ثابت ہوگی جس نے خلافت کے لئے تلوار اٹھائی" (یعنی حضرت علیؓ)

اب اگر کوئی شخص اس عبارت کا یہ شخص ہے مہملہ حقتہ حذف کر دے اور صرف دوسرا پیش کر دے تو اس سے یہی ثابت ہوگا کہ حضرت امام ابن تیمیہؒ حضرت علیؓ پر قبح کرنے والوں میں سے تھے حالانکہ

یہ صحیح نہیں ہے "خلافت معاویہ و یزید" کے مولف نے یزید کے معاملے میں بھی مورخین کی کتابوں کے ساتھ یہی سلوک کیا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ ان کی کتابوں کی عبارتوں کے لگے اور پچھلے حصے اڑا کر جیسے ہی بگاڑ دیئے ہیں۔ یہاں صرف ایک مثال درج کی جاتی ہے۔ یزید کی ثناء و صفت کرتے ہوئے ابن کثیر کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ :-

"اور یزید کی ذات میں قابل ستائش صفات حلم و کرم فصاحت و شعر گوئی اور شجاعت و بہادری کی تھیں۔ نیز معاملات حکومت میں عمدہ رائے رکھتے تھے اور معاشرت کی خوبی و عمدگی ان میں تھی۔" (البدایہ والنہایہ ج ۲۳ بحوالہ خلافت معاویہ و یزید ص ۱۷۱)

اس عبارت کو پڑھ کر ہر شخص یزید کے کردار اور اس کی سیرت کے متعلق نہایت عمدہ رائے قائم کرنے پر مجبور ہوگا لیکن اصل معاملہ یہ ہے کہ اس عبارت کے معا بعد ابن کثیر نے کچھ اور بھی لکھا تھا جسے مولف "خلافت معاویہ و یزید" نے نہایت بددیانتی سے کام لیتے ہوئے حذف کر دیا اور وہ فقرے یہ ہیں کہ :-

"اور اس کے ساتھ ساتھ اس پر شہوت کا سخت غلبہ رہتا تھا۔ نیز بعض اوقات نمازیں بھی ترک کر دیا کرتا تھا۔"

(البدایہ والنہایہ جلد ہشتم ص ۲۳۱)

صرف ایک مثال سے مولف کی وہ ساری عمارت منہدم ہو جاتی ہے جو اس نے یزید کے زہد و تقویٰ اور علم و کرم کے متعلق لفظی اور بے سرو پا روایات کی مدد سے تعمیر کی ہے۔

ابن کثیر کے بعد مولف نے دو مر نام حضرت امام ابن تیمیہ کا استعمال کیا ہے اور قارئین پر یہ تاثر قائم کرنے کی کوشش کی ہے کہ حضرت امام ابن تیمیہ یزید کو بلند کردار اور زاہد و عابد سمجھتے تھے حالانکہ واقعہ اس کے بالکل برعکس ہے۔ امام ابن تیمیہ یزید کو ایک فاسق و فاجر شخص سمجھتے تھے اور اس سے بیزار می کا اظہار فرماتے تھے چنانچہ ایک جگہ لکھتے ہیں کہ :-

”بہا ل کہتے ہیں کہ وہ یزید امت کے صالحین میں سے تھا“

اور امام عادل تھا۔ حالانکہ یہ صریحاً غلط ہے۔ (الوصیت الکبریٰ ص ۲۱)

پھر اسی کتاب میں لکھتے ہیں کہ اہل حق یزید کو ملامت کرتے ہیں

تیسرا مورخ جس سے مولف نے فائدہ اٹھایا ہے ابن خلدون ہے۔

اور حقیقت یہ ہے کہ ابن خلدون نے جہاں بھی یزید کا ذکر کیا ہے اس کے

فسق و فجور ہی کو بیان کیا ہے اور کسی ایک جگہ بھی اسے نیک و امت میں شامل

نہیں کیا نہ اس کی کویم النفسی اور نیکو کاری کا قصیدہ پڑھتا ہے۔ چنانچہ وہ

اپنے شہرہ آفاق مقدمے میں حضرت عثمان کے واقعہ شہادت پر تبصرہ کرنے

کے بعد حضرت امام حسین کا ذکر کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ :-

”جہاں تک امام حسینؑ کے واقعے کا تعلق ہے اس کی اصلیت یہ ہے کہ جب عوام پر یزید کا فسق و فجور ثابت ہو گیا تو اہلبیت سے محبت رکھنے والوں نے انہیں کوفہ تشریف لانے کی

دعوت دی۔۔۔۔“ (مقدمہ ابن خلدون ص ۱۸)

پھر آگے چل کر لکھتے ہیں کہ:-

”امام حسینؑ نے بھی یہی فیصلہ فرمایا کہ یزید کے فسق و فجور کی وجہ سے اس کے خلافت خروج کرنا واجب ہے۔“

(مقدمہ ابن خلدون ص ۱۸)

ان اقتباسات سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ ابن خلدون یزید کو فاسق و فاجر سمجھتا تھا اگر اس میں اسے کوئی شک ہوتا تو آگے چل کر وہ ان روایتوں پر جرح کرتا اور انہیں غلط ثابت کرتا مگر اس نے ایسا نہیں کیا۔ یاد رہے کہ ”خلافت معاویہ و یزید“ کے مولف اپنی کتاب میں ابن خلدون کے نقد کی نسبت فرمایا ہے کہ:-

”البتہ ایک منفرد مثال علامہ ابن خلدون کی ہے جنہوں نے اپنے شہرہ آفاق مقدمہ تاریخ میں بعض مشہور و غنی روایات کو نقد و درایت کے معیار سے پرکھنے کی کوشش کی اور نام نہاد مورخین کے بارے میں صاف کہا کہ تاریخ کو خرافات

اور وہی روایات سے انہوں نے لٹھیڑ ڈالا

در خلافت معاویہ و یزید، "عرض مولف" (۱)

ہمیں امید ہے کہ خلافت معاویہ و یزید کے مولف کو یزید کے فسق و فجور میں اب کوئی شک نہیں رہا ہوگا کیونکہ منفرد مورخ علامہ ابن خلدون نے اسے فاسق و فاجر قرار دیا ہے اس لئے اب ضرورت باقی نہیں رہتی کہ اس موضوع پر مزید خامہ فرسائی کی جائے مگر سچے سچے ایک بہت بڑی شخصیت تو باقی رہ گئی یعنی حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ ذرا دیکھئے کہیں وہ بھی یزید کو مسلمائے امت میں تو شمار نہیں کرتے۔ وہ فرماتے ہیں۔

”شام میں یزید اور عراق میں مختار کا لوگوں کو اپنی طرف بلانا گمراہی کی طرف بلانا تھا“ (حجۃ الشہاب لغزوات ۱۹۶ جز ثانی ملبوعہ مصر) چلیے حضرت شاہ صاحبؒ نے قصہ ہی ختم کر دیا یہی نہیں اور سنیئے فرماتے ہیں کہ :-

”فردن فاضلہ بھی ایسے لوگوں سے خالی نہیں تھا جنہیں شرع کے اعتبار سے منافق اور فاسق و فاجر کہتے ہیں۔ حجاج یزید بن معاویہ، مختار اور قریش کے چند چھوٹے جنہوں نے مسلمانوں کو ہلاکت میں ڈالا“ ایسے ہی لوگوں میں سے تھے۔

(حجۃ الشہاب لغزوات ۱۹۶ جز ثانی ملبوعہ مصر)

ایک ذرا سا لسمہ لگا ہوا تھا حضرت شاہ صاحب نے وہ بھی باقی نہ
چھوڑا۔ اور سنئے مشہور مورخ حضرت علامہ مسعودیؒ واقعہ حرہ پر بحث
کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ :-

اہل مدینہ نے مروان بن حکم اور ہزامیہ کے دوسرے افراد کو اس
لئے شہر بدر کو دیا تھا کہ انہیں یزید کی عداوت قبیحہ کا یقین کامل

ہو گیا تھا۔ وہ لوگ حضرت امام حسینؑ کی شہادت کے واقع سے
بہت رنجیدہ تھے انہیں اطلاعات مل رہی تھیں کہ یزید شراب
میں مغموم رہتا ہے کتے پالتا ہے اور قص دوسرے شغف رکھتا

ہے۔ ” مروج الذهب جلد دوم ص ۹۷“

رسول اللہؐ کے مشہور صحابی حضرت ابوالدرداءؓ کے نام سے کوئی
واقف نہ ہو گا۔ ان کا زہر و تقویٰ اور نیک نفسی تاریخ اسلام میں ضرب المثل
کی حیثیت رکھتی ہے۔ قارئین کو یہ سن کر قطعاً حیرانی نہ ہو گی کہ یزید نے
بزرگ صحابی پر بھی ہاتھ صاف کرنے کی کوشش کی اور انہیں پیغام دیا
کہ اپنی صاحبزادی میرے نکاح میں دیدیجئے اس سے یزید کا مقصد صرف
اتنا تھا کہ جب حضرت ابوالدرداءؓ جیسے پائے کے صحابی کی صاحبزادی میرے
نکاح میں آجائے گی تو عامۃ المسلمین مجھے عزت و وقعت کی نظر سے دیکھیں
گئے اور ان کے دلوں میں میرے متعلق جو تفریبا یا جاتا ہے وہ دور ہو جائے گا

مگر حضرت ابوالدرداء مومنانہ فرست کے عامل تھے وہ یزید کا مقصد بھانپ گئے
 اور انہوں نے ایسے برکار شخص کو اپنی بیٹی دینے سے انکار کر دیا اور جلد ہی ایک
 غریب شخص سے اپنی صاحبزادی کا نکاح کر دیا۔ کتاب الزہد حضرت امام احمد بن حنبلؒ (۲۴۱)
 یہ ہے اس شخص کا کچا چٹھا جس کی مدح و توصیف میں "خلافت معاویہ و یزید"
 کے مولف نے صفحات کے صفحات سیاہ کر دیئے ہیں۔ ہم حیران ہیں کہ ان کی
 رائے کی تائید کر دیں یا ابن کثیر، امام المورخین علامہ ابن خلدون، حضرت امام
 ابن تیمیہ، حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی، حضرت امام احمد بن حنبلؒ اور
 مورخ مسعودی جیسے فاضل مورخین کی آراء کے سامنے تسلیم خم کریں۔ یقیناً
 قارئین کا فیصلہ دوسری ہی بات کے حق میں ہوگا۔

اب آخر میں ایک بات اور سنتے چلیے۔ مولف نے اپنی کتاب میں
 یزید کی "حوارت دینیہ و خدمات دینیہ" کے عنوان سے ایک باب سپرد قلم فرمایا
 ہے۔ اس میں لکھا ہے کہ:-

"امیر یزید جیسے پر جوش نوجوان کو زمانہ شباب میں جہادی سرگرمیوں میں
 حصہ لینے کی تمہید بے چین کئے ہوئے تھی۔ آخر کار اپنے والد محترم
 سے درخواست کی کہ گرمیوں کی عسکری مہم پر مجھے تعینات کریں۔"

(خلافت معاویہ و یزید ص ۳۳-۳۴)

آئیے اب اس پر جوش نوجوان کی "حوارت دینیہ" اور "جہادی سرگرمیوں" کو

قصہ بھی آپ کو سنا دیں : امام المودعین علامہ ابن خلدون اپنی شہرہ آفاق تاریخ میں لکھتے ہیں کہ :-

”شہ میں امیر معاویہؓ نے سفیان بن عوف کی قیادت میں ایک لشکر جرار روم کی طرف بھیجا۔ انہوں نے اپنے بیٹے یزید کو بھی اس لشکر میں شامل ہونے کی ہدایت کی مگر اس دور جو سن اور حرارت دینیہ کے حامل نوجوان مصنف نے اس لشکر میں شرکت کرنا پسند نہ کیا۔ اور معذرت کر دی چنانچہ امیر معاویہؓ نے اس کی معذرت قبول کر لی اتفاق کی بات کہ اس جہاد میں مجاہدین نے بڑی مصیبتیں اٹھائیں۔ رسد کی کمی اور امراض کی کثرت سے بڑی جانیں ضائع ہوئیں جب یزید کو اس واقعہ کی اطلاع ہوئی تو اس کی زبان پر بے ساختہ یہ اشعار جاری ہو گئے : ”دفعہ حبیب“ میں اس کی قطعاً پرواہ نہیں کرتا ہوں کہ ان مجاہدین کی افواج کو ”فرقدونہ“ میں مصائب اور بدبختی سے دوچار ہونا پڑا۔ میں نے تو بلند ہو کر رنگ رنگ کے تنکے لگانے اور ”دیرمران“ میں ام کلثوم میرے پہلو میں تھی“

(تاریخ ابن خلدون جز ثلث ص ۱۰۹ مطبوعہ مصر)

سبحان اللہ کیا حرارت دینیہ اور کیا زہد و تقویٰ ہے کیا جہادی سرگرمیاں ہیں کس قدر کوہیم النفسی ہے کس قدر اسلام سے محبت ہے۔ اور کس

مسلمانوں کی بھی خواہی ہے۔ لاجوں و تقوۃ اللہ۔

حضرت امام حسین کا اقدام خروج

زیر تبصرہ کتاب کا سب سے زیادہ تکلیف دہ باب وہ ہے جس میں
سیدنا حضرت امام حسینؑ کے اقدام خروج پر اعتراض کرنے کے ساتھ ساتھ
آپ کی شان میں نازیبا کلمات استعمال کئے گئے ہیں۔

ذیل میں ہم صرف حضرت امام کے اقدام خروج پر بحث کرتے ہیں۔
حضرت امام حسینؑ کے اقدام خروج کو غلط ثابت کرنے کے لئے مولف نے
جو موقف اختیار کیا ہے وہ یہ ہے کہ :-

کردار خلیفہ میں کوئی خامی یا بُرائی نہ تھی کہ اس کے خلاف خروج کا جواز
’نکالا جاتا‘
(خلافت مساویہ و یزید ص ۲۷)

”جب ایک شخص کی بیعت کر لی جائے اور اس کی حکومت قائم ہو جائے
تو اس کے خلاف خروج جائز نہیں“ ص ۲۷ ، ص ۲۸

”جب کسی شخص کے لئے بیعت منعقد ہو جائے اور پھر اگر کوئی
شخص اس پر خروج کرے اور اس سے قتال کرے تو چاہیے کہ

اس پر دوسرے کو قتل کر دیں خواہ وہ افضل ہو یا مساوی یا کمتر“ ص ۲۸

مولف کے موقف کا پہلا حجتہ کہ کردار خلیفہ میں کوئی خامی یا بُرائی نہیں تھی۔

زیر بحث آچکا اور جو کتابیں مولف کے نزدیک مستند و قابل اعتبار ہیں ان سے

ثابت ہو گیا کہ وہ تمام برائیاں جو ایک ادب کا شخص میں ہونی چاہئیں
 یزید میں موجود تھیں۔ پس ایسے شخص کے خلاف خروج کرنا حضرت امام حسینؑ
 کے لئے واجب تھا یہی موقف امام المورجین "ابن خلدون نے اختیار
 کیا ہے۔ ملاحظہ ہو اسی کتاب کا صفحہ () وہ گئی دوسری بات کہ جب
 ایک شخص کی بیعت کر لی جائے اور اس کی حکومت قائم ہو جائے تو جو شخص
 اس کے خلاف بغاوت کرے اس کی گردن مار دو۔ اس کے جواب میں
 ہم اپنی طرف سے کچھ نہیں کہیں گے بلکہ "خلافت معاویہ و یزید" کے محبوب
 مصنف حضرت امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کی رائے پیش کریں گے۔ وہ
 فرماتے ہیں کہ :-

"ابو یزید کو امیر المؤمنین اور نیکو کار ماننے والے یعنی مولف
 کے ہم خیال غلو کرتے ہیں جن کا خیال ہے کہ حضرت امام حسینؑ
 نے بغاوت کی اس لئے ان کو قتل کرنا جائز تھا اور اس
 حدیث کا سہارا لیتے ہیں کہ اگر جب تم کسی شخص کے ہاتھ پر
 بیعت کرو اور کوئی دوسرا اگر تم میں تفرقہ نہ ڈالے تو اس کی
 گردن مار دو خواہ وہ کوئی نبی، اہل سنت ان دونوں کو غلط
 سمجھتے ہیں اور ان کا عقیدہ ہے کہ حضرت امام حسینؑ مظلومانہ
 شہید کئے گئے اور جن لوگوں نے ان کو شہید کیا وہ سفاک

اور حد سے گزر جانے والوں میں سے تھے اور وہ جس حدیث کا
سہارا لیتے وہ یہاں صادق نہیں آتی۔“ (منہاج السنۃ جلد دوم ص ۲۵۶)
پھر فرماتے ہیں کہ:-

”جس شخص نے حضرت امام حسینؑ کو شہید کیا یا اس میں امانت
کی یا اس فعل پر اظہارِ خوشنودی کیا وہ خدا اور رسولؐ کا گنہگار
ہے۔“ (منہاج السنۃ جلد دوم ص ۲۴۷)

پھر مجموعہ رسائلِ کبریٰ کے ص ۳ پر فرماتے ہیں کہ:-
”حضرت امام حسینؑ اور حضرت عثمانؓ دونوں کو قتل کرنے والے
خدا کے نزدیک بدترین مخلوق ہیں۔“
قتلِ حسینؑ کا ذمہ دار؟

آئیے اب دیکھیں کہ حضرت امام حسینؑ کے قتل کا ارتکاب کرنے والا
کون تھا جسے حضرت امام ابن تیمیہؒ بدترین مخلوق اور خدا و رسولؐ کا گنہگار قرار
دیتے ہیں۔

اہل سنت کے مشہور امام حضرت ابوالحسن اسفرائینیؒ نے اپنی کتاب
”نور العین فی المشہدِ الحسینیؑ“ میں یزید کا ایک خط جو ابن زیاد کے نام ہے
نقل کیا ہے جس کا ایک اقتباس ذیل میں درج کیا جاتا ہے۔

”حسینؑ نے اہل کوفہ و عراق کے پاس مشل کو امام بنا کر بھیجا ہے

تاکہ وہ نماز پڑھائیں اور انہیں حلیہ دیں اور ان میں فیصلے کریں۔ اس لئے ان کی طرف جلد ہی گور اور قتل کر کے سر میرے پاس بھیج دو اور ان لوگوں کی جو حسین کا دم بھرتے ہیں اور اپنی زبان سے ان کا نام لیتے ہیں اور ان کی بیعت میں داخل ہو گئے ہیں نگرانی کرو۔ انہیں روکو۔ اگر باز نہ آئیں تو انہیں مع اہل و عیال کے قتل کر ڈالو۔ نیز ان کا مال ضبط کر لو اور ان کی عورتوں کو حراست میں لے لو۔ حسین اور ان کے ساتھیوں کے قتل کی بھی کوئی تدبیر سوچو کیونکہ غنقریب وہ ان کے پاس پہنچنے والے ہیں جو چاہو کرو۔ تمہیں دمشق کے سوائے تمام شہروں پر اختیار حاصل ہے تم جو کچھ کہو ہم اس سے راضی ہیں پھر کہتا ہوں کہ حسین اور ان کے ہمراہیوں کو قتل کرنے میں سستی کرنے سے کانوں پر اٹھو و مٹھو۔

رفو العین فی الشہداء الحسینؑ مترجمہ مولانا محمد انوار الحسن قاضی دیوبند

یہ امام ابواسحق اسفرائینی کون تھے؟ اور تاریخ اسلام میں ان کا کیا مرتبہ ہے؟ ذیل کی تصریحات سے اس کا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔

”ابواسحق اسفرائینی۔ ان کا نام ابراہیم اور ابواسحق کنیت ہے۔

سلسلہ نسب یہ ہے، ابراہیم بن محمد بن ابراہیم بن مہران الملقب بہ

رکن الدین۔ اسفرائین کے رہنے والے تھے۔ علم کلام اور علم اول

میں مہارت تامہ رکھتے تھے۔ علمائے نیشاپور نے آپ سے علوم کلام و اصول کی تحصیل کی۔ اہل عراق اور اہل خراسان بھی آپ کے علم و فضل کے معترف تھے۔ آپ نے بڑی جلیل القدر کتابیں لکھی ہیں جن میں سے ایک عظیم کتاب جامع الحل ہے جو پانچ جلدوں پر مشتمل ہے اور اصول دین سے تعلق رکھتی ہے۔ اس کے علاوہ اور بھی بہت سی کتابوں کے آپ مصنف ہیں قاضی ابواللیب طبری نے نیشاپور آکر آپ سے فخر کی تعلیم حاصل کی۔ آپ کی آند و ممتی کہ میرا انتقال نیشاپور میں ہوتا کہ اہل نیشاپور میری نماز جنازہ پڑھ سکیں اور ہوا بھی ایسا ہی یعنی ۱۰ محرم ۳۸۵ھ کو نیشاپور میں آپ کا انتقال ہوا اور اسفرائین میں مدفون ہوئے“
(دائرة المعارف جلد اول ص ۷۷)

اور ملاحظہ فرمائیے :-

ابواسحق اسفرائینی کا شمار ائمہ دین میں ہوتا ہے۔ آپ علم کلام۔ علم اصول۔ فروع اور مستند علوم و فنون کے امام اور ماہر ہیں۔ آپ کی عظمت سارے اماموں کے نزدیک مسلمہ ہے اور آپ میں وہ تمام شرائط پائی جاتی ہیں جو امامت کے لئے ضروری ہیں۔ حاکم کہتے ہیں کہ قیام عراق کے بغیر ابواسحق وہاں سے واپس نہیں

تو علمائے عراق و خراسان پر آپ کی علمیت و فضیلت کا سکھ بیٹھ
 چکا تھا۔ آپ نے اپنے وطن میں اقامت اختیار کر لی لیکن جب
 راولپنڈی پور نے بہت کوشش کی تو آپ نیشاپور شریف
 لے گئے۔ جہاں آپ کے درس کی غرض سے ایک ایسی
 عظیم الشان عمارت تعمیر کی گئی کہ اس سے پہلے نیشاپور میں نہیں
 تھی۔ (طبقات الشافعیۃ الکبریٰ جلد سوم ص ۱۱۱)

اب تک کہا جاتا تھا کہ یزید نے حضرت امام حسینؑ کے قتل کا حکم نہیں
 دیا۔ اس کا ذمہ دار ابن زیاد ہے۔ آج قارئین کو معلوم ہو گیا ہوگا کہ اس بدترین
 فعل کا ذمہ دار سرسرید ہے اور حضرت امام حسینؑ اسی بدترین خلائق کے
 حکم سے شہید کئے گئے۔

ممکن ہے خلافت معاویہؓ و یزید کا مولف حضرت امام ابو اسحق اسفہانیؒ
 کی رائے تسلیم نہ کرے۔ اس لئے اس پر تمام حجت کی غرض سے ہم ذیل میں "امام المودعین"
 علامہ ابن خلدون کی رائے پیش کرتے ہیں جسے تسلیم کرنا اس کا فرض ہے کیونکہ وہ ابن خلدون کی
 تاریخ دانی کا اعتراف کر چکا ہے ابن خلدون اپنے مقدمے میں لکھتا ہے کہ:-

حضرت امام حسینؑ کے قتل کے متعلق یہ خیال کرنا بہت بڑی غلطی
 ہے کہ آپ جائز طور پر کسی اجتہادی حکم کے تحت قتل کئے گئے
 کیونکہ آپ کو ان صحابہ کے اجتہاد سے قتل نہیں کیا گیا جنہیں آپ

کے اجتہاد سے اختلاف تھا بلکہ آپ کو بغیر کسی مجتہد کے اجتہاد کے
 یزید اور اس کے ساتھیوں نے قتل کیا۔“

(مقدمہ تاریخ ابن خلدون ص ۱۸)

خط کشیدہ عبارت کو پڑھ کر اب تو اس امر میں کوئی شک نہیں رہا کہ
 قتل حسینؑ کا ذمہ دار صرف اور صرف یزید ہے جو کچھ ہوا اس کے حکم سے ہوا۔
 سطور بالا میں جو بحث و گفتگو کی گئی ہے اس سے مندرجہ ذیل نتائج
 نکلتے ہیں۔“

(۱) یزید پر لے دیے گئے دہشت گردی، شرابی، زانی، ناچ رنگ کاریا اور مہمانی
 و اخلاقی لحاظ سے ایک گھٹیا دہشت گرد کا شخص تھا۔

(۲) ایسے بدکردار شخص کے خلاف حضرت امام حسینؑ کا حیرج جان نہ بلکہ واجب
 تھا کیونکہ اس کے ہاتھوں امت مسلمہ کی تباہی ہو رہی تھی۔

(۳) یزید ہی حضرت امام حسینؑ کی شہادت کا ذمہ دار ہے اور حضرت امام حسینؑ
 اسی کے حکم سے شہید کئے گئے۔

واقعہ کربلا کو سبک کرنے کی کوشش

”خلافت معاویہ و یزید“ کے مولف نے اپنی کتاب میں جس طرح امیر المومنین

سیدنا حضرت علی رضی اللہ عنہ کا مرتبہ گھٹانے کی ناپاک کوشش کی ہے اسی

طرح اس نے سیدنا حضرت امام حسینؑ کی عظمت کو کم کرنے میں بھی ایڑی

چوٹی کا زور صرف کر دیا ہے۔ سب سے زیادہ افسوس ناک بات یہ ہے کہ وہ اس روح فساد واقعہ کو مسخ کرنے کی ٹر مناک کوشش سے بھی باز نہ آیا جو حضرت امام کی عظمت کا بہت بڑا باعث ہے یعنی واقعہ شہادت۔ یہ کارنامہ انجام دینے کے لئے اسے نہایت ہی مضحکہ خیز موقف اختیار کرنا پڑا اور وہ یہ کہ حضرت امام حسینؑ حب مکہ سے کوفہ روانہ ہوئے تو آپ غلطی پر تھے لیکن حب آپ کوفہ کے قریب پہنچے اور اہل شہر کی دعا بازی و بے وفائی کا حال معلوم ہوا تو:-

* آپ نے جان لیا کہ امیر المومنین یزید کی بیعت پر تمام امت متفق ہو چکی ہے اور جماعت کے فیصلے یا عمل کا استخفاف اب ممکن نہیں ہے۔ آپ نے دمشق جانے کے لئے عیسا کہ ابھی تفسیلاً بیان ہوا باگ موڑ دی۔ اس کے ساتھ مورخین نے یہ بھی بیان کیا ہے کہ آپ نے تین شرطیں گورنر عراق کے افسروں کے سامنے پیش کیں پہلی یہ کہ مدینہ طیبہ واپس جانے دیا جائے۔ یہ منظور نہ ہو تو مالک اسلامیہ کی سرحد پر مصروف جہاد ہوں یہ بھی منظور نہ ہو تو آپ کو شام (دمشق) بھیج دیا جائے تاکہ آپ اپنے ابن عم (یزید) کے ہاتھ میں ہاتھ دیکریں۔ یہ خلافت معارف و یرید علیہ السلام

مرواف کے خیال کے مطابق گویا حضرت امام حسینؑ کو اپنی غلطی کا احساس ہو گیا اور آپ نے اپنے موقف سے رجوع کر لیا۔ صرف یہی نہیں بلکہ یزید

کی بیعت تک کرنے کے لئے آمادہ ہو گئے۔

اگر مولف کتاب ہذا کا یہ موقف صحیح ہے کہ حضرت امام حسینؑ نے یزید کی بیعت کرنے کے لئے آمادہ ہو گئے تھے تو پھر سوال پیدا ہوتا ہے کہ کربلا کے میدان میں اس ہولناک جنگ کی نوبت کیسے آئی؟ اس الجھن کو دور کرنے اور اس اعتراض کو رفع کرنے کے لئے مولف خلافت معاویہؓ و یزید کو ایک اور کہانی تصنیف کرنا پڑی اور وہ یہ کہ عمر بن سعدؓ کے ساتھ ملاقات کرنے کے بعد جب حضرت امام حسینؑ اس امر پر آمادہ ہو گئے کہ یزید کی بیعت کر لیں تو ان سے کہا گیا کہ پہلے آپ یہیں یزید کے نمائندے کے ہاتھ پر بیعت کیجئے مگر آپ نے ایسا کرنے سے انکار کر دیا۔ اس کے بعد دوسرا مطالبہ یہ کیا گیا کہ وہ آلات حرب جو حسینی قافلے کے ساتھ ہیں نمائندگان حکومت کے حوالے کر دیئے جائیں۔ اس مطالبہ نے برادران مسلم بن عقیل اور بعض کوفیوں کو جو قافلہ حسینؑ میں شامل تھے مشتعل کر دیا اور انہوں نے فوجی دستے کے سپاہیوں پر ہتھیار رکھولنے کی غرض سے گھیر ڈالے ہوئے تھے اچانک قاتلانہ حملہ کر دیا اس طرح یہ حادثہ محضوں پیش آ گیا۔

(مفصل خلافت معاویہؓ و یزید ص ۲۱۱-۲۱۰)

حقیقت یہ ہے کہ یہ کہانی تصنیف کرتے وقت اس کے مصنف سے کئی لغزشیں ہو گئیں اور اس میں متعدد جھول رہ گئے جنہوں نے

اس کے سارے تار و پود دیکھ کر رکھ دیئے۔ پہلی بات تو یہ کہ اگر حضرت امام حسینؑ اپنے موقف سے رجوع کر چکے تھے اور انہیں اپنی اس غلطی کا احساس ہو چکا تھا جس کے تحت انہوں نے یزید کی بیعت کرنے پر آمادگی ظاہر کر دی تھی تو پھر اس کی کیا وجہ ہے کہ انہوں نے یزید کے نمائندے کے ہاتھ پر بیعت کرنے سے انکار کر دیا۔ حضرت امام حسینؑ نہایت بے نفس پاک باز اور باضمیر انسان تھے۔ اگر آپ یہ محسوس فرما لیتے کہ یزید کے خلاف خروج کرنے میں ان سے تعزین ہو لی ہے اور یہ آپ کے ضمیر کی آواز ہوتی تو آپ ایک لمحے کی تاخیر کے بغیر یزید کے نمائندے کے ہاتھ پر بیعت کر لیتے کیونکہ جیسے یزید کے ہاتھ پر بیعت کرتے ویسے ہی اس کے نمائندے کے ہاتھ پر آپ کا انکار بیعت صاف طور پر ظاہر کر رہا ہے کہ آپ نے یزید کی بیعت کرنے کا خیال قطعاً ظاہر نہیں کیا۔ یہ کذابین بنو امیہ کی وضع کردہ روایت ہے دوسری بات یہ کہ اگر واقعہ کربلا اسی طرح پیش آیا ہوتا جس طرح مولف "خلافت معاویہ و یزید" نے بیان کیا ہے یعنی یزید کی فوجیں تو صرف قائد حسینؑ سے ہتھیار رکھوانا چاہتی تھیں لڑائی کی ابتدا خود حضرت حسینؑ اور آپؑ کے ہمراہیوں نے کی۔ مجبوراً یزید کی فوج کو بھی اپنی مدافعت میں ہتھیار اٹھانے پڑے تو قدیم تاریخوں میں کہیں تو اس کا ذکر ہوتا۔ اس واقعہ کے سیکڑوں بلکہ ہزاروں آدمی شاہد ہو گئے۔ خود عمرو بن سعد شمر ذی الجوشن

اور یزید کے سپاہی اور افسر اگر واقعے کی نوعیت وہی ہوتی جو خلافت معاویہ و یزید کا مولف بیان کر رہا ہے تو ان راولوں کی زبان سے اس وقت روایتیں بیان ہوتیں کہ انبار لگ جاتا مگر ایسا نہیں ہوا۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ بالکل من گھڑنت داستان ہے جس کا تاریخ سے کوئی ثبوت نہیں ملتا۔ یہی وجہ ہے کہ مولف کتاب ہذا کو قدیم عربی تاریخیں چھوڑ کر انسائیکلو پیڈیا آف اسلام کا سہارا لینا پڑا۔

ہم مولف سے دریافت کرتے ہیں کہ کیا اردن کو بلا انگلستان، ہالینڈ، فرانس یا جرمنی کے کسی حصے میں واقع مہتمی اور جس وقت یہ المناک واقعہ پیش آیا ہے اس وقت دانشورانِ فرنگ دہاں موجود تھے جنہوں نے اس واقعہ کو اپنی آنکھوں سے دیکھ کر اس کی روایت اور اپنی اولاد کو سنائی اور اس طرح یہ داستان نسل بعد نسل منتقل ہوتی ہوئی انسائیکلو پیڈیا آف اسلام کے مغربی مقالہ نگار تک پہنچ گئی اور عرب کے مورخ اس سے محرم رہ گئے۔ نہ ابن خلدون کہ یہ نکتہ سوتجیانہ طبری کو، نہ ابن سعد پر اس کا انکشاف ہوا، نہ ابن اثیر پر، نہ ابن کثیر اس سے آگاہ ہو سکا۔ نہ صاحب عقد الفرید، نہ ذہبی کو اس کی خبر ہو سکی نہ ابن حجر عسقلانی کو، الاستیعیاب کا مولف بھی اس سے بے خبر رہا اور اخبار الطوال کا مصنف بھی غرض کہ ان تک نام گنوائے جائیں۔ سارا ایسیا اس قصے سے غافل رہا۔ یہ

”گنجینہ معلومات“ صرف اور صرف اہل یورپ کے حصے میں آیا۔ اصل بات یہ ہے کہ جب کوئی بے سرو پا افسانہ تیار کیا جائے تو اس میں اس قسم کی خامیاں باقی رہی جابجا کرتی ہیں اور انہیں سے معلوم ہوتا ہے کہ حقیقت کو اس افسانے سے کوئی نسبت نہیں۔

حسینؑ کہ سے کیوں گئے؟

مولف خلافت معاویہؓ و یزیدؓ نے اپنی کتاب کے ”پہ“ حضرت حسینؑ کا اقدام اور صحابہ کے ”نصائح“ کے عنوان سے ایک باب ”سپرد ظلم کیا ہے جس کا مفہوم یہ ہے کہ حضرت امام حسینؑ کو آپ کے رشتہ داروں، بزرگوں اور صحابہ کرام نے بار بار سمجھایا کہ آپ مکہ نہ جائیے مگر حضرت امامؑ نے کسی کی بات نہ مانی اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ آپ ہلاک کر دیئے گئے۔ خود ہم نے بھی اپنی اسی کتاب میں حضرت امام حسینؑ کے عزیزوں، دوستوں اور بزرگوں کے بہت سے مشورے اور خطوط و درج کئے ہیں جن کے مطالعے سے بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ حضرت امام حسینؑ نے ان مشوروں پر عمل نہ کر کے سخت غلطی کی۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ جو لوگ حضرت امام حسینؑ کو مکہ چھوڑنے سے روک رہے تھے وہ حضرت امام حسینؑ کے سچے ہی خواہ اور ہمدرد تھے مگر واقعات کا جائزہ لینے سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ حضرت امام حسینؑ کے مقابلے میں مشورہ دینے والوں کی نظر گہری نہیں تھی۔ یقیناً وہ یہی چاہتے

تھے کہ حضرت حسینؑ اور آپ کے ہمراہیوں کی جانیں کسی خطرے میں نہ
 پڑ جائیں لیکن جداستہ وہ حضرات بتا رہے تھے خود اس میں بھی حضرت حسینؑ
 کے لئے خطرہ موجود تھا۔ حضرت حسینؑ کہہ میں رہتے یا مین میں سراق میں رہتے
 یا ایران میں وہ ہمیشہ بنو امیہ کی نگاہوں میں کھٹکتے رہتے اور جب تک
 یزید کے ہاتھ پر بیعت نہ کر لیتے انہیں ان نہیں مل سکتا تھا۔ حضرت امامؑ کو
 اچھی طرح اندازہ تھا کہ حبیب میں مکہ میں قیام کروں گا تو یزید کے گماشتے
 یہاں بھی آئیں گے اور محمد سے بیعت کا مطالبہ کریں گے جو کسی طرح
 قابل قبول نہیں ہے۔ اس صورت میں دشمن کی فوج محمد پر یلغار کرے گی
 اپنی مدافعت کے لئے مجھے بھی اس کا مقابلہ کرنا ہوگا جس کے نتیجے
 میں جنگ برپا ہوگی اور اس امر کا احتمال ہے کہ دوران جنگ کعبہ کو نقصان
 نہ پہنچ جائے اور بے گناہ شہری اس جنگ کی لپیٹ میں نہ آجائیں
 اگر ایسا ہوا تو یہ کعبہ کی حرمت اور مکہ کے تقدس کو سخت صدمہ
 پہنچانے والی بات ہوگی۔ کتنے افسوس کا مقام ہوتا کہ وہ مقدس گھر
 جہاں کبوتر مارنا بھی ممنوع قرار دیا جا چکا ہے وہاں انسانی خون کا دریا
 بہتا اور وہ منبرک مکان جسے حضرت ابواسمٰی نے اللہ کے حکم کے مطابق
 تعمیر کیا۔ حضرت امام حسینؑ کی وجہ سے منہدم ہوتا۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت
 امام حسینؑ نے مکہ میں قیام کرنا پسند نہ کیا۔ بعد میں حضرت امام حسینؑ کا اندیشہ

صحیح ثابت ہوا یعنی جب حضرت عبداللہ بن زبیر سے بیعت یزید کا مطالبہ کیا گیا اور انہوں نے انکار کیا تو یزید کے مڈی دل لشکر نے مکہ کا محاصرہ کر لیا۔ اس محاصرہ کا جو نتیجہ نکلا اس سے تاریخ کا ایک ادنیٰ طالب علم بھی باخبر ہے کہ ہزاروں کلمہ گو شہید کر دیئے گئے۔ ان شہید ہونے والوں میں رسول اللہ کے صحابہ، حفاظ اور تابعین کی ایک کثیر تعداد بھی تھی۔ یہی نہیں کعبہ پر بھی سنگ باری کی گئی اور غلاف کعبہ جل گیا۔ عمارت کا کچھ حصہ بھی غرق ہو گیا۔ اسی طرح مدینہ کو بھی تباہی کا نشانہ بنایا گیا۔ خیال ہی نہیں یقین ہے کہ اگر حضرت امام حسینؑ مکہ ہی میں مقیم رہتے اور وہی واقعات پیش آتے جو حضرت ابن زبیرؓ کی وجہ سے پیش آئے تو آج معرض حضرت حسینؑ پر یہ اعتراض کرتے کہ حسینؑ حرمت کعبہ کو برباد کرنے کا موجب بنے۔ ان الفاظ کے ساتھ اب ہم اس بحث کو ختم کرتے ہیں کیونکہ ہماری کتاب کی ضخامت اس سے زیادہ تفصیل کی منتخل نہیں ہو سکتی۔ ہم نے کتاب کے اس حصے میں جس کا عنوان "امارت معاویہ و یزید" ہے اصولی بحث کو مد نظر رکھا ہے اور خلافت معاویہ و یزید کے مولف نے اپنی کتاب میں جو کچھ لکھا ہے اس کو پیش نظر رکھتے ہوئے جو کلیے قائم ہوتے تھے انہیں قائم کر کے ان کے جوابات دے دیئے ہیں۔ باقی چیزیں انہیں کے تحت آجاتی ہیں یعنی :-

۱۔ جب یہ ثابت ہو گیا کہ حضرت علیؑ کی خلافت اسی طرح بہ حق تھی۔ جس طرح حضرات ابوبکرؓ و عمرؓ اور حضرت عثمانؓ کی تو اس کا لازمی نتیجہ یہ نکلے گا کہ جس طرح حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عثمانؓ کے خلاف بغاوت کرنے والے خطاکار تھے۔ اسی طرح حضرت علیؑ کے خلاف بغاوت کرنے والے بھی خطاکار تھے۔ سوائے حضرت عائشہؓ اور حضرات طلحہؓ و زبیرؓ کے کہ ان حضرات نے آخر میں اپنے موقف سے رجوع کر لیا تھا۔

۲۔ جب یہ ثابت ہو گیا کہ حضرت معاویہؓ کی خلافت خلافت راشدہ نہ تھی اور انہوں نے حضرت علیؑ کے خلاف بغاوت کر کے اسلام کو شدید عنف پہنچایا نیز حضرت امام حسنؓ پر یورش کر کے خلافت پر یہ جبر قبضہ کر لیا تو ان کے متعذر کردہ جائزین کی آئینی یا اسلامی حیثیت صفر کے برابر رہ جائے گی۔

۳۔ جب یہ امر ثابت ہو گیا کہ یزید کی بیعت قطعاً غیر اسلامی طریقے سے رشتہء لالچ اور خوف کے تحت ہوئی تھی۔ اور

۴۔ وہ پرلے درجے کا بدکردار، فاسق و فاجر اور گھٹیا آدمی تھا تو اس کے خلاف حضرت امام حسینؓ کا خروج کرنا بالکل درست تھا۔

۵۔ جب یہ حقیقت روز روشن کی طرح عیاں ہو گئی کہ حضرت امام حسینؓ کی

شہادت پدید کے حکم اور ابن زیاد و ابن سعد کے اشتراک سے ہوئی
 تو ان تینوں کے مردود و مقہور ہونے میں کوئی شبہ نہیں اب انہیں
 کوئی زہاد امت کے ذمے میں شامل کرے یا ثقہ تابعین کا درجہ دے
 ان پر خدا اور اس کے بندوں کی ٹھیکار ہی برستی رہے گی۔

”خلافت معاویہ و یزید کے یہی پانچ بڑے بڑے مباحث ہیں باقی چھ
 ضمنی ہیں۔ اور جب ایک چیز کا کل غلط ہے تو خود بخود غلط ہوگا۔
 ہمارا خیال ہے کہ ان محدود صفات میں اس کتاب پر نقد و جرح
 کرنے کا اس سے بہتر طریقہ اور کوئی نہیں ہو سکتا تھا ورنہ ہم اسے اختیار
 کر لیتے۔ اس کی اشاعت کے بعد اگر قارئین نے فرمائش کی یا ہمیں بطور خود
 ضرورت محسوس ہوئی تو ہم اپنی آئندہ کتاب امام حسنؑ اور ان کی شخصیت
 میں ان پہلوؤں پر بھی بحث کر سکیں گے جنہیں ہم نے ضمنی سمجھ کر قلم انداز کر دیا
 ہے۔ وما توفیقی الا باللہ۔

معارف

پیام شاہجہانپوری

اشاعت منزل • نکل روڈ • لاہور